نومولود بچے کی دینی تعلیمات کی روشنی میں نشوونما، اس کے شرعی حقوق
اور دل کو موہ لینے والے اسلامی ناموں کی راہنمائی پر مشتمل

ولادت سے بلوغت تک

نومولود کے احکام و مسائل

اور

اسلامی نام

فاروق رفیع

ترجمان الحدیث پبلیکیشنز
نعمانی کتب خانہ

جو بڑا ہی مہربان
نہایت رحم کرنے والا ہے

ولادت سے بلوغت تک
نومولود
کے احکام و مسائل
اور اسلامی نام

نومولود بچے کی دینی تعلیمات کی روشنی میں نشو ونما، اس کے شرعی حقوق
اور دل کو موہ لینے والے اسلامی ناموں کی راہنمائی پر مشتمل
ولادت سے بلوغت تک
نومولود کے احکام ومسائل
اور اسلامی نام
عبد الرحمٰن
فاروق رفیع
ترجمان الحدیث
پبلیکیشنز
ملنے کا پتہ نعمانی کتب خانہ حق سٹریٹ۔ اُردو بازار۔ لاہور پاکستان
فون: ۷۳۲۱۸۶۵
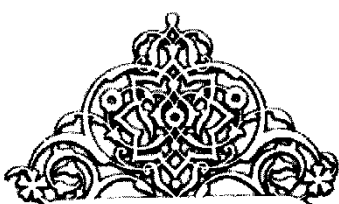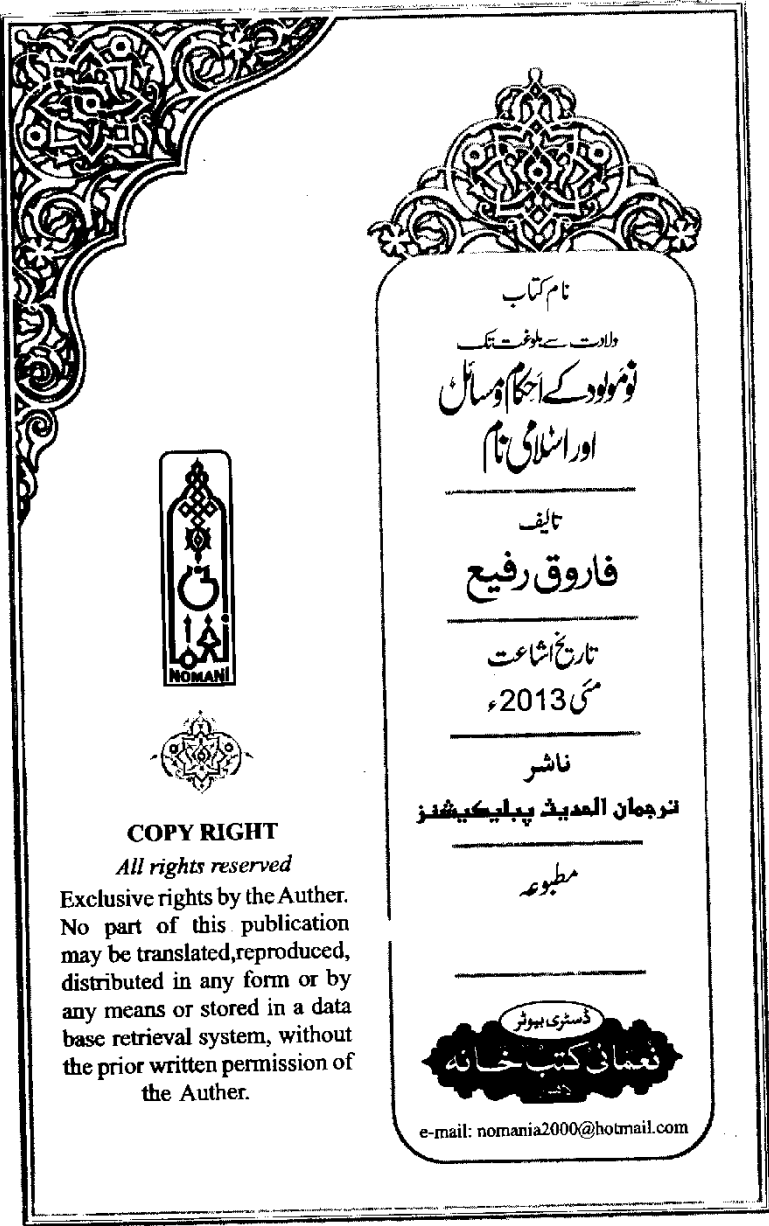
نام کتاب

ولادت سے بلوغت تک

نومولود کے احکام ومسائل اور اسلامی نام

تالیف

فاروق رفیع

تاریخ اشاعت

مئی 2013ء

ناشر

ترجمان الحدیث پبلیکیشنز

مطبوعہ

ڈسٹری بیوٹر

نعمانی کتب خانہ

e-mail: nomania2000@hotmail.com

فہرست

طلب اولاد کے محرکات

طلب اولاد مستحب فعل

حمل کے احکام و مسائل

رحم مادر میں بچے کے تخلیقی مراحل

والدین سے مشابہت کی وجوہ

ناتمام بچے کے مسائل

اسقاط حمل

خاندانی منصوبہ بندی اور اسلام

ولادت کے مسائل

نفاس کے احکام ومسائل

بچپن میں فوت ہونے والے بچے سرمایۂ آخرت

بیٹیوں کی ولادت کا بیان

نومولود کو گھٹی دینا

نومولود کے کان میں اذان واقامت کا بیان

نومولود کے بالوں کے احکام

عقیقہ کا بیان

ختنہ کا بیان

دودھ پلانے کا بیان

حرام رضائی رشتوں کی تفصیل

گائے بھینس یا مصنوعی دودھ نیڈو کے اثرات

دورانِ رضاعت حفاظتی تدابیر اور مفید مشورے

نسب کا بیان

نومولود کی کفالت اور پرورش

نومولود کی تربیت کا بیان

کھانے کے مسنون آداب

پینے کے آداب

قضائے حاجت کے آداب

متفرق مسائل

بچوں کو نظر بد سے بچاؤ کی صورتیں

متفرقات

ناموں کے متعلق احکام ومسائل

اللہ کے ہاں پسندیدہ ترین نام

مستحب نام

ممنوع وحرام نام

مکروہ نام

اسلامی نام

مقدمۃ الکتاب

بحیثیت مسلمان ہر مسلمان پر کتاب وسنت کی بنیادی تعلیمات سیکھنا اور ان پر عمل کرنا لازم ہے اور ہر مسلمان میں یہ جذبہ صادقہ بیدار ہونا چاہیے کہ کتاب وسنت کی بالادستی اور شرعی احکام کی اتباع اس کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہو۔ وہ دنیا میں کتاب وسنت کا سچا پیروکار اور شریعت اسلامیہ کا حقیقی متبع ہو۔ چنانچہ شریعت سے سچی لگن اور اسلام سے دائمی تعلق ہی دنیوی واخروی زندگی کی کامیابی کا راز اور عظمت کا ضامن ہے۔ زندگی کے ہر پہلو اور ہر موقع پر کتاب وسنت سے راہنمائی لینا اور عملی زندگی میں شرعی احکام کی تعمیل ہی مسلمان کی اصل پہچان ہے۔ سو عقائد ونظریات، عبادات ومعاملات اور اخلاق وعادات میں شریعت اسلامیہ کی اتباع ہی ملحوظ ہونی چاہیے۔ لہٰذا دیگر احکام وفرائض کی طرح شادی شدہ اسلامی جوڑے پر یہ اضافی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ نیک اولاد کے حصول کا خواہش مند بھی ہو اور طلب اولاد کا حریص بھی۔ پھر اولاد طلبی کے لیے شرعی حدود وقیود کی پابندی اختیار کرے اور حصول اولاد کی ناجائز صورتیں اور شرکیہ افعال سے گریز بھی کرے اور جب اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی دعاؤں التجاؤں کو شرفِ قبولیت بخشے تو حمل، وضع حمل کے احکام ومسائل سے واقفیت حاصل کر کے ان پر عمل پیرا ہوا اور گھر کے آنگن میں پھول (نومولود) کھلنے کی صورت میں نومولود کے نام رکھنے، عقیقہ کرنے، بال مونڈنے، ختنہ کروانے، رضاعت کے مسائل اور تربیتی پہلوؤں سے آگاہی حاصل کر کے اپنی شرعی ذمہ

داریوں سے عہد برآ ہو۔ نومولود کی پیدائش کے حوالے سے والدین پر شرعاً جو فرائض و احکام لاگو ہوتے ہیں ان تمام مسائل کو زیر نظر کتاب میں تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔
تاکہ والدین بچوں کے پیدائشی اور تربیتی حوالے سے عائد ذمہ داریوں سے واقفیت حاصل کر کے ان فرائض سے عہدہ برآ ہوں پھر بچوں کی تربیت و پرورش کے لحاظ سے عوام الناس میں پھیلے باطل نظریات، مروجہ بدعات اور غلط مسائل کا دلائل سے ردّ کیا گیا ہے، تاکہ قارئین غلط مروجہ مسائل سے اجتناب کرتے ہوئے، خالص اسلامی احکام پر عمل پیرا ہو سکیں اور ٹھوس شرعی دلائل تک رسائی حاصل کر سکیں۔ آخر میں نام رکھنے کے اوقات، افضل، مستحب، مکروہ اور حرام ناموں کی تفصیل کے ساتھ انبیائے کرام علیہم السلام، صحابہ عظام رضی اللہ عنہم محدثین ذی شان اور اچھے معانی پر مشتمل ناموں کو حروف تہجی کے اعتبار سے جمع کیا گیا ہے۔
جس سے ناموں کے انتخاب میں انتہائی آسانی ہو گئی اور کتاب کی ورق گردانی سے نومولود کے احکام سے کامل آگاہی کے ساتھ اسلامی ناموں کا انتخاب آسان ہو گیا ہے۔
ہمیں قوی امید ہے کہ متلاشیان حق اور صحیح اسلامی فکر کے حاملین کے لیے یہ تالیف عظیم سرمایہ ثابت ہو گی اور نومولود کے متعلقہ تمام احکام سے واقفیت کے لحاظ سے بہترین انسائیکلوپیڈیا ثابت ہو گی۔
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ کتاب ہذا کو راقم کے لیے دنیا و آخرت میں شریف و عظمت کا سبب بنائے اور اسے میرے لیے، میرے والدین، اساتذہ اور اہل خانہ کے لیے توشۂ آخرت اور صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین!

فاروق رفیع
مدرس جامعہ لاہور الاسلامیہ گارڈن ٹاؤن لاہور
0300-8074150
0312-8074150

طلب اولاد کے محرکات

طلب اولاد کی حرص انسانی رگ و پے میں ودیعت ہے۔ ہر انسانی جوڑا رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد اولاد کا شدید خواہش مند ہوتا ہے۔ پھر سال دو سال کی تاخیر سے سے تمام خاندان مضطرب و پریشان دکھائی دیتا ہے، زن و شو میں سے کسی ایک کا علاج معالجہ شروع ہو جاتا ہے اور حسب طاقت حمل میں مانع امراض کے تدارک اور قرار حمل میں مانع رکاوٹوں کا ازالہ کرنے کی بھرپور کوشش کی جاتی ہے۔ اس جذبہ (طلب اولاد) کے پیچھے کئی محرکات و اسباب ہیں جو انسانی جوڑے کو حصول اولاد کے لیے بے کل کرتے اور اولاد کی طلب کے شوق میں انھیں ہر ممکنہ حد تک لے جانے پر آمادہ کرتے ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

① اولاد کی طلب ایک بشری تقاضا:

انسان انس سے ماخوذ ہے۔ سو انسان اپنے گھر کے افراد، بیوی بچوں، بہن بھائیوں، ہمسایوں اور محلے داروں سے مانوس ہوتا ہے۔ جب کہ تنہائی اور انفرادیت سے یہ وحشت محسوس کرتا ہے۔ یعنی انسان فطری لحاظ سے معاشرت پسند ہے۔ اس اعتبار سے انسان کے دل میں حصول اولاد کی شدید تڑپ پیدا کی گئی ہے کہ ہر انسان کی آنکھوں کی چمک اور دل کا سرور اولاد قرار پائی ہے۔ نیز نسل انسانی کے تحفظ اور بشری کمزوری کے ازالہ کے لیے طلب

اولاد کی خواہش ہر انسان کی اولین منشا ہے، کیونکہ نسل کی بقا کے معاملہ میں اور بڑھاپے کی کمزوریوں میں اپنائیت کا احساس، خدمت و دیکھ بھال صرف اولاد ہی کرتی ہے، ان مجبوریوں کے پیش نظر اولاد کی طلب ہر انسان کی شدید خواہش ہے۔ پھر صاحب اولاد بے اولاد لوگوں کی نسبت زیادہ خوش و خرم ہوتا اور مستقبل کے تحفظات کے بارے میں زیادہ مطمئن ہوتا ہے۔ ان عوامل کی وجہ سے بھی بے اولاد افراد میں اولاد کی طلب زیادہ بڑھتی ہے اور انسانی طاقت و بساط کے مطابق ہر انسان اولاد کا طلب گار ہے۔ نیز بیٹوں کی موجودگی نسل انسانی کے بقاء میں زیادہ اہمیت کی حامل ہے اور بیٹوں کی عطا دنیا میں عزت و عظمت کی علامت ہے، اس لیے ان کی طلب دلوں میں ودیعت کی گئی ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَ الْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ وَ الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْاَنْعَامِ وَ الْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴾
[البقرہ: ۱۴/۲]

''مرغوب چیزوں کی محبت لوگوں کے لیے مزین کر دی گئی ہے۔ جیسے عورتیں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے اور نشان زدہ گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی، یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور لوٹنے کا اچھا ٹھکانا تو اللہ ہی کے پاس ہے۔''

یہ آیت دلیل ہے کہ اولاد کی محبت انسانوں کے دلوں میں آراستہ ہے۔ بالخصوص بیٹے تو کہیں زیادہ مرغوب ہیں اور اولاد کے لیے محبت و چاہت ایسا جذبہ ہے جو ہر شادی شدہ جوڑے کو اس نعمت غیر مترقبہ کے لیے بے کل رکھتا ہے۔ حصول اولاد ہی سے دلوں کو سرور آتا

اور قلوب قرار پکڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہر مسلمان کو نعمت اولاد سے نوازے اور بچوں اور بچیوں دونوں قسم کے تحائف سے بہرہ ور کرے۔ (آمین)

② مستقبل کے تحفظات کا مداوا:

ہر مخلوق فانی ہے، چونکہ انسان کو بچپن، جوانی اور بڑھاپے جیسے مختلف مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ بچپن میں تو انسان اپنے تربیتی و تعمیری مراحل سے بالکل بے فکر ہوتا ہے اور والدین کی محبت اور ہمدردی اسے تمام پریشانیوں اور عوارض سے محفوظ رکھتی ہے۔ جوانی میں وہ خود کو مکمل خود کفیل اور تمام سہاروں سے بے نیاز سمجھتا ہے، اس لیے جوانی میں اسے تو کسی خاص سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن بڑھاپے کا خوف، جب قویٰ مضمحل ہو جاتے، توانیاں معدوم ہو چکی ہوتی ہیں، کمائی کے ذرائع تقریباً ختم ہو چکے ہوتے ہیں اور اس عمر میں بیماریوں اور دیگر عوارض کے تابڑ توڑ، جان لیوا حملے اور مہلک و دیرپا موذی امراض کا تسلسل یہ مستقبل کے ایسے خطرات و خدشات ہیں، جن سے بچاؤ اختیار کرنے اور ان کے تدارک کے لیے ہر انسان حصول اولاد کا آرزو مند ہوتا ہے اور اولاد کی پیدائش کو اپنے محفوظ مستقبل کا ضامن خیال کرتا ہے۔ جب کہ جو حضرات اولاد سے محروم ہوتے ہیں وہ مستقبل کے بارے میں خود کو غیر محفوظ سمجھتے ہیں اور معاشرے میں بھی ان کی لاچارگی پر افسوس کا اظہار کیا جاتا ہے۔ سو اولاد کی دستیابی محفوظ مستقبل کی ایک روشن کرن اور حوصلہ افزاء بندھن ہے۔ یہ ایک ایسا بنیادی محرک ہے۔ جس کی وجہ سے انسان نیک اولاد کا شدید خواہش مند ہوتا ہے۔

③ جانشینی کا منصب سنبھالنا:

انسان چونکہ حوادث کا ہدف ہے اور انسانی زندگی غیر دائمی ہے، اس لیے یہ مستقبل کے بارے میں کافی حساس واقع ہوا ہے اور اپنی نساء کی بقاء، جائیداد کے تحفظ اور اپنی مذہبی فکر

کی ترویج کے لیے نہایت فکر مند رہتا ہے، اس لحاظ سے یہ جانشینی کا آرزو مند ہے۔ پھر جانشینی کی صحیح مستحق صلبی اولاد ہی ٹھہرتی ہے، لہٰذا یہ آرزو اور خواہش بھی طلب اولاد میں بنیاد ی سبب ہے۔ اسی جانشینی کے پیش نظر حضرت زکریا علیہ السلام نے بارگاہ ایزدی میں یہ فریاد پیش کی تھی:

﴿ كٓهٰيٰعٓصٓ ① ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ② اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ③ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَ اشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّ لَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ④ وَ اِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَ كَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ⑤ يَّرِثُنِيْ وَ يَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ وَ اجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴾ [مریم: ۱۹/ ۱۔۶]

''کھیعص، تیرے رب کی اپنے بندے زکریا پر مہربانی کا بیان۔ جب اس نے اپنے رب کو آہستہ آواز سے پکارا۔ اس نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں، اور بڑھاپے سے میرا سر بھڑک اٹھا ہے اور اے پروردگار! میں تیری دعا سے محروم نہیں ہوں۔ میں اپنے بعد قرابت داروں کے بارے میں خائف ہوں، جب کہ میری بیوی بانجھ ہے۔ سو اپنی طرف سے وارث عطا کر جو میرا اور آل یعقوب کا وارث بنے اور اے میرے رب! اسے پسندیدہ بنا۔''

یہ جانشینی کا منصب اولاد ہی سنبھالے تو انسان خود کو آسودہ خیال کرتا ہے، اس لیے انسان اولاد کا شدید خواہش مند ہے۔ دنیا میں وہی جوڑا مطمئن دکھائی دیتا ہے، جو صاحب اولاد ہو۔ اس سلسلہ میں بارگاہ الٰہی میں ہاتھ بھی پھیلائے جائیں اور اولاد کی ولادت میں اگر بیماریاں رکاوٹ ہیں تو اچھے معالجوں سے نر اور مادہ میں سے جو بیمار ہے اس کا علاج کروایا جائے۔

پھر اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کے لیے فائدہ مند اولاد کے حصول کی دعا کی جائے۔

دنیا میں عزت وعظمت کی علامت:

نیک اور صالح اولاد والدین کی نیک نامی کا سبب بنتی ہے۔ اس لحاظ سے ہر انسان کے دل میں یہ خواہش انگڑائی لیتی ہے کہ وہ صاحب اولاد ہو اور اس کی اولاد دنیا میں ناموری اور اچھی شہرت حاصل کرے، جس سے والدین کے سر عظمت سے بلند ہوں، ان کا خاندان بھی معاشرے میں معزز و محترم ٹھہرے ۔ یہ خواہش شرعاً تو درست ہے اور نیک اولاد واقعی دنیا میں بھی عظمت کی علامت اور آخرت میں درجات کی بلندی کا باعث ہے ۔ اس لیے نیک اولاد ہی طلب کریں، پھر ان کی تربیت بھی کتاب وسنت کے مطابق کریں۔ کتاب وسنت کی تربیت میں پروان چڑھنے والی اولاد دنیا میں عظمت ، دلی آسودگی اور اطمینان کا باعث ہوگی اور مرنے کے ساتھ ہی درجات کی بلندی کا ذریعہ قرار پائے گی۔

مرنے کے بعد درجات کی بلندی کا باعث:

جس طرح اولاد کی محبت سے ہر انسان سرشار ہے اور ہر شادی شدہ جوڑا اولاد کا شدید حریص ہے کہ یہ دلوں کا سرور، آنکھوں کی ٹھنڈک ، روح کا قرار، مستقبل کی محافظ اور مشکلات میں مدد و معاون ہے ۔ اسلامی جوڑے میں اس سے زیادہ اہمیت اس پہلو کے لحاظ سے ہے کہ نیک اولاد مرنے کے بعد درجات کی بلندی کا باعث ہے اور مردہ والدین کے لیے مسلسل صدقہ جاریہ ہے۔ اس اخروی فوائد کے اعتبار سے اولاد کی اہمیت دو چند ہو جاتی ہے، لہٰذا ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ نیک اولاد کے حصول کی دعا بھی کرے اور اولاد نصیب ہونے کی صورت میں ان کی بہتر دینی تربیت بھی کرے۔

۱۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِي الْجَنَّةِ ، فَيَقُولُ : يَا رَبِّ، أَنَّى لِي هَذِهِ، فَيَقُولُ: بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ))

[مسند احمد:۲/۵۹، طبرانی کبیر: ۱۲۹۱۔ طبرانی اوسط: ۵۲۶۰۔ سنن ابن ماجه: ۳۶۶۰۔ الصحیحة:۱۰۸۔ حسن]

عاصم بن بھدلہ حسن الحدیث اور باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔

فقہ الحدیث :

۱۔ علامہ عبید الرحمن مبارکپوری بیان کرتے ہیں: ولد کا اطلاق مذکر و مونث دونوں پر ہوتا ہے اور یہاں مومن اولاد مراد ہے، نیک اولاد نکاح کے اہم فوائد میں سے اور ان اعمال میں سے ہے جن کی نیکیاں اور صالح اعمال مومن کو اس کی وفات کے بعد بھی پہنچتے ہیں۔ [مرعاۃ المفاتیح:۸/۶۱]

۲۔ حافظ مناوی کہتے ہیں ۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ استغفار سے گناہ محو ہوتے، درجات بلند ہوتے ہیں اور یہ عمل استغفار کرنے والے کے والد (وغیرہ) کو اس مقام تک بلند کر دیتا ہے، جہاں تک وہ اپنے عمل سے نہ پہنچ سکا تھا، پھر اس شخص کی کیا عظمت ہوگی جو خود استغفار کرتا ہے۔ نیز اگر نکاح میں یہی خوبی (نیک اولاد کی دعا کا ثواب اور درجات کی بلندی) ہوتی تو انسان کے لیے نکاح کا یہی فائدہ کافی تھا۔ ایک قول ہے کہ اگر بیٹا جنت میں باپ سے درجات میں بلند ہوا تو وہ سوال کرے گا کہ اس کے والد کو بھی اس تک بلند کیا جائے تو والد کو اس کے برابر کر دیا جائے گا اور یہی حال باپ کا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو اپنے مقام تک لے آئے گا۔ [فیض القدیر:۲/۴۲۹]

مرنے کے بعد مستقل صدقہ جاریہ:

نیک اولاد مرنے کے بعد مستقل صدقہ جاریہ ہے اور نیک اولاد کی دعاؤں کا ثواب

انسان کو بہم پہنچتا رہتا ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلاَّ مِنْ ثَلاَثَةٍ إِلاَّ مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْلَهُ))
[مسلم، کتاب الوصیة، باب ما یلحق الانسان من الثواب بعد وفاته: ۱۶۳۱]

''جب انسان فوت ہو جائے تو تین چیزوں کے سوا اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے (وہ تین چیزیں جن کا ثواب جاری رہتا ہے یہ ہیں)۔ ① صدقہ جاریہ۔ ② ایسا علم جس سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے۔ ③ یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔''

فقہ الحدیث:

۱۔ نیک اولاد عظیم سرمایہ ہے، جس کا فائدہ انسان کو موت کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔
۲۔ نیک اولاد کے حصول کے لیے شادی کرنا مستحب فعل ہے۔

یہ وہ اسباب و محرکات ہیں جن کی وجہ سے ہر انسان اولاد کا طلب گار ہے، وہ اپنی نسل کے بقاء کے ساتھ دنیا و آخرت کی رفعت کا حریص بھی ہوتا ہے، کتاب و سنت کی رو سے اولاد طلبی کی حرص و خواہش مباح و مستحب ہے نیز دین اسلام نسل انسانی کی افزائش کا زبردست حامی ہے اور اہل اسلام کو افزائش نسل کی ترغیب دیتا ہے۔

طلب اولاد مستحب فعل

جائز نکاح کے بعد اولاد کی خواہش و آرزو کرنا مستحب فعل ہے اور قرآن وسنت کے آئندہ دلائل اولاد طلبی کی ترغیب وتحریض پر دال ہیں۔ لہٰذا نکاح کا مقصد محض شہوت رانی اور جنسی لذت کا سامان ہی نہیں، بلکہ نکاح کا اصل مقصد عفت و پاکدامنی اور طلب اولاد کا جذبہ کارفرما ہونا چاہیے۔

۱۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَ عَفَا عَنْكُمْ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَ ابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ [البقرہ:۲/۱۸۷]

تمھارے لیے روزے کی رات اپنی بیویوں سے ہم بستری کو حلال کیا گیا ہے۔ وہ تمھارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔ اللہ کو معلوم ہے کہ تم اپنی جانوں سے خیانت کرتے تھے، پس اس نے تمھاری توبہ قبول کی اور تمھیں معاف کیا۔ سو اب تم ان سے مباشرت کرو اور جو اللہ نے تمھارے لیے لکھا ہے، اسے تلاش کرو۔"

فقہ التفسیر:

۱۔ امام قرطبی رحمہ اللہ اس آیت: "وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ" کی تفسیر یوں بیان کرتے ہیں کہ اپنی بیویوں سے مباشرت کے ذریعے نکاح کا اہم مقصود نسل اور اولاد

تلاش کرو۔

[تفسیر قرطبی ۱/۳۷۵]

۲۔ حافظ ابن کثیر بیان کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما، انس رضی اللہ عنہ، قاضی شریح رحمہ اللہ، مجاہد رحمہ اللہ، عکرمہ رحمہ اللہ، سعید بن جبیر رحمہ اللہ، عطاء رحمہ اللہ، ربیع بن انس رحمہ اللہ، سدی رحمہ اللہ، زید بن اسلم رحمہ اللہ، حکم بن عتبہ رحمہ اللہ، مقاتل بن حیان رحمہ اللہ، حسن بصری رحمہ اللہ، ضحاک رحمہ اللہ اور قتادہ رحمہ اللہ وغیرہ کا قول ہے کہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ (بیویوں سے مباشرت کے ذریعے) اولاد تلاش کرو۔

[تفسیر ابن کثیر: ۱/۲۸۹]

۳۔ حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اس آیت کے مفہوم کے متعلق علماء کے تین اقوال بیان کیے ہیں: ① یعنی بیویوں سے جماع کے ذریعے اولاد تلاش کرو۔ ② رمضان کی راتوں میں لیلۃ القدر تلاش کرو۔ ③ جو اللہ نے تمھارے لیے حلال کیا ہے اسے تلاش کرو۔ پھر ان اقوال کے آخر میں بیان کرتے ہیں۔

اس آیت کے مفہوم میں تمام معانی شامل ہیں، لیکن آیت کے سیاق سے زیادہ درست معنی یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے تمھارے مقدر میں اولاد لکھی ہے ۔(بیویوں سے مباشرت کے ذریعے) اسے تلاش کرو، کیونکہ یہ الفاظ اس قول (فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ) اب ان سے مباشرت کرو، کے بعد درج ہیں تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ تم اپنی بیویوں سے مباشرت کے ذریعے اولاد اور نسل تلاش کرو۔ یہ مفہوم دیگر تاویلات سے بہتر ہے، کیونکہ دیگر تاویلات کی درستی کے لیے قرآن وحدیث کی کوئی صریح نص دال نہیں۔

[تفسیر طبری: ۲/۹۳۹]

۴۔ رمضان کے دنوں کے علاوہ سال بھر میں بیویوں سے ہم بستری جائز ہے اور مباشرت میں اہم مقصد اولاد کا حصول ہونا چاہیے، حصول اولاد کے لیے بیویوں سے ہم بستری

مستحب عمل ہے۔

آئندہ حدیث بھی دلیل ہے کہ حصول اولاد کے لیے بیویوں سے مجامعت مستحب فعل ہے۔

جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((كُنْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةٍ، فَلَمَّا قَفَلْنَا تَعَجَّلْتُ عَلَى بَعِيرٍ قَطُوفٍ فَلَحِقَنِي رَاكِبٌ مِنْ خَلْفِي فَالْتَفَتُّ، فَإِذَا أَنَا بِرَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: مَا يُعْجِلُكَ؟ قُلْتُ: إِنِّي حَدِيثُ عَهْدٍ بِعُرْسٍ، قَالَ: فَبِكْرًا تَزَوَّجْتَ أَمْ ثَيِّبًا؟ قُلْتُ: بَلْ ثَيِّبًا، قَالَ: فَهَلاَّ جَارِيَةً تُلاَعِبُهَا وَتُلاَعِبُكَ؟ قَالَ: فَلَمَّا قَدِمْنَا ذَهَبْنَا لِنَدْخُلَ فَقَالَ: أَمْهِلُوا حَتَّى تَدْخُلُوا لَيْلاً - أَيْ عِشَاءً - لِكَيْ تَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ وَتَسْتَحِدَّ الْمُغِيبَةُ. قَالَ: وَحَدَّثَنِي الثِّقَةُ أَنَّهُ قَالَ فِي هَذَا الْحَدِيثِ: الْكَيْسَ الْكَيْسَ يَا جَابِرُ يَعْنِي الْوَلَدَ))

[صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب طلب الولد :٥٢٤٥۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استحباب نکاح البکر:٧١٥]

فقہ الحدیث:

۱۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں اس حدیث کو ''باب طلب اولاد'' اولاد طلب کرنے کا بیان کے تحت نقل کر کے طلب اولاد کے استحباب کا مفہوم کشید کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس باب کی توضیح یوں کی ہے کہ بیوی سے کثرت جماع کے ذریعے اولاد تلاش کیجیے یا اس بات کی ترغیب ہے کہ جماع میں صرف لذت ہی مقصود نہ ہو بلکہ

اولاد کا حصول مقصود ہونا چاہیے۔

(فتح الباری:۱۱/۲۲۶)

۲۔ ابن اعرابی رحمہ اللہ کہتے ہیں: حدیث میں وارد لفظ "اَلْکَیْسُ" کا معنی جماع ہے اور اس کا معنی عقل و دانش بھی ہے، لیکن یہاں مقصود طلب اولاد کی ترغیب ہے (کہ بیوی سے مباشرت کے ذریعے اولاد تلاش کرو)۔

(شرح النووی:۱۰/۵۵)

۳۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: امام بخاری رحمہ اللہ سے دیگر ائمہ نے لفظ کیس کی تشریح اولاد ونسل کا حصول کی ہے اور یہی مفہوم درست ہے۔

(فتح الباری:۱۱/۲۲۸)

فرمان نبوی ﷺ کی تعمیل:

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی ﷺ نے مجھے ارشاد کیا کہ جب تم بیوی کے پاس جاؤ تو اولاد کی خاطر خوب جماع کرنا۔ پھر جب ہم (مدینہ کے قریب) صرار مقام پر پہنچے تو آپ ﷺ نے اونٹ نحر کرنے کا حکم دیا اور وہ نحر کر دیا گیا۔ پھر ہم وہ دن وہیں مقیم رہے اور جب شام ہوئی تو ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں مدینہ داخل ہوئے اور میں نے (گھر جا کر) اپنی بیوی کو آپ ﷺ کا فرمان سنایا تو اس نے عرض کیا۔

آپ ﷺ کا حکم سر آنکھوں پر، تم آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کرو۔

(مسند أحمد:۳/۳۷۵) حسن

محمد بن اسحاق صدوق راوی ہے اور باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔

ایک ضعیف حدیث کا بیان:

طلب اولاد کی ترغیب کے سلسلہ میں آئندہ روایت ضعیف ہے۔ محارب مرفوع روایت بیان کرتے ہیں کہ (نبی ﷺ) نے فرمایا:

((اُطْلُبُوْالْوَلَدَ وَالْتَمِسُوْهُ فَإِنَّهُ ثَمْرَةُ الْقُلُوْبِ وَ قُرَّةُ الْأَعْيُنِ، وَ إِيَّاكُمْ وَالْعَاقِرَ))

(فتح الباری:۱۱/۴۲۷۔مرسل)

''تم اولاد طلب کرو، کیونکہ اولاد دلوں کا میوہ اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور بانجھ عورت سے نکاح کرنے سے گریز کرو۔''

نیک اولاد کی دعا کرنا:

نیک اولاد کی دعا کرنا مستحب فعل ہے، کیونکہ نیک و صالح اولاد دنیا میں خوش بختی کی علامت، عزت وعظمت کی شناخت، بہترین ہمدرد، بڑھاپے کا سہارا ثابت ہوتی ہے اور موت کے بعد درجات کی بلندی کا باعث اور صدقہ جاریہ ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے صالح اولاد کا سوال کرنا چاہیے اور یہ عمل انبیاء کرام کی سنت بھی ہے۔

۱۔ ابراہیم علیہ السلام کی دعا:

ابراہیم علیہ السلام جب ملک عراق سے بے بسی کے عالم میں نکالے گئے تو اللہ تعالیٰ سے ان الفاظ سے دعا کی:

﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ [الصّٰفّٰت:۳۷/۱۰۰]

''اے میرے رب! مجھے صالح اولاد عطا کر۔''

۲۔ زکریا علیہ السلام کی بارگاہ ایزدی میں فریاد:

﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ﴾ [آل عمران:۳/۳۸]

یہاں زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی، عرض کیا:

"اے میرے رب مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا کر، بے شک تو دعا سننے والا ہے۔"

یہ آیات دلیل ہیں کہ نیک و صالح اولاد کی دعا کرنا مستحب فعل ہے اور اس معاملہ میں دعاؤں میں سستی اور کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ بیوی کے حاملہ ہونے سے قبل بھی اور مدت حمل میں بھی زوجین کو پورے انہماک اور خلوص دل سے اولاد کے نیک صالح ہونے کی دعا کرنی چاہیے۔ خلوص نیت سے کی گئی دعائیں یقینا اثر رکھتی ہیں اور ایسی دعائیں بارگاہ الٰہی میں ضرور شرف قبولیت حاصل کرتی ہیں۔

نیک اولاد دائمی رفیق:

نیک و صالح اولاد دنیاوی مشکلات و مصائب کا مداوا بھی ہے، اس کے ساتھ صالح اولاد موت کے بعد جنت میں بھی رفیق ہوگی اور ان کی مصاحبت دائمی و پائیدار ہوگی۔

۱۔ روز قیامت فرشتے، نیک والدین اور ان کی اولاد کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور ان کلمات سے دعا کریں گے:

﴿ رَبَّنَا وَ اَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّیّٰتِهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴾

[المؤمن: ۴۰/۸]

"اے ہمارے رب! اور انھیں ہمیشگی والے باغات میں داخل کر، جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ان کے باپوں اور بیویوں اور اولاد میں سے جو نیک ہیں۔ بے شک تو ہی بہت غالب، نہایت حکمت والا ہے۔"

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا

رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴾

[الرعد:۱۳/۲۲، ۲۳، ۲٤]

"اور وہ لوگ جو اپنے رب کے چہرے کی تلاش میں صبر کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو ہم نے انھیں رزق دیا ہے، اس سے خفیہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں اور نیکی کے ساتھ برائی کا دفاع کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت کا گھر ہے۔ ہمیشگی کے باغات ہیں، جن میں وہ اور ان کے باپوں، بیویوں اور اولاد میں سے جو نیک ہیں، داخل ہوں گے، اور فرشتے ان پر ہر دروازے سے داخل ہوں گے (اور کہیں گے) تم پر سلام ہو، اس کے سبب جو تم نے صبر کیا، سو آخرت کا گھر بہت خوب ہے۔"

۳۔ جنتی والدین کی نیک اولاد جنت میں ان کے ساتھ ٹھہرائی جائے گی، پھر والدین اور اولاد میں سے جن کے درجات پست ہوں گے، کسی ایک فریق کی بلندی درجات کی وجہ سے انھیں بھی فریق ثانی کے درجات کے برابر کر دیا جائے گا۔

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ﴾

[الطور:۲۵/۲۱]

"اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان میں ان کی پیروی کی ہم ان تک ان کی اولاد پہنچا دیں گے اور ہم ان کے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہ

کریں گے، ہر شخص جو اس نے کمایا اس کے بدلے گروی شدہ ہے۔"

نرینہ اولاد کی آرزو اور دعا:

نرینہ اولاد کی طلب ہر انسان کے دل کی عظیم آرزو ہے اور ہر انسان نرینہ اولاد کی شدید خواہش رکھتا ہے، کیونکہ نرینہ اولاد کے بغیر انسان خود کو تنہا محسوس کرتا ہے۔ اپنی نسل کی بندش انتہائی غمناک روگ بن جاتا ہے اور مستقبل میں بڑھاپے کی محتاجی و بے سروسامانی انسان کے غموں میں مسلسل اضافہ کرتی ہے۔ ان اندیشوں کی وجہ سے ہر انسان نرینہ اولاد کا آرزو مند ہوتا ہے اور اسلام اس آرزو کی نہ حوصلہ شکنی کرتا ہے اور نہ اس سے مایوس کرتا ہے، بلکہ شرعی دلائل کی رو سے ایسی خواہش پالنا جائز و مباح ہے، گزشتہ بحث میں نیک اولاد کی دعا میں ابراہیم علیہ السلام اور زکریا علیہ السلام کی نرینہ اولاد کے حصول کے لیے دعا، اس بات کی دلیل ہے کہ نرینہ اولاد کی دعا کرنا جائز و مباح ہے۔ نیز نرینہ اولاد کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے سے یہ مقصود حاصل ہوسکتا ہے۔ لہٰذا خلوص دل سے بارگاہ الٰہی میں دعائیں پہنچا کر اس مسئلہ کا حل ممکن ہے اور تاخیر کی صورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے بدظنی کی صورت میں غیروں کے در کا رخ کرنا اور دین حنیف سے ناتا توڑنا نری حماقت ہے، کیونکہ مذکر و مؤنث اولاد صرف اللہ تعالیٰ کی دین ہے۔ اللہ رب العزت کے بغیر کوئی امام، پیر، ولی، غوث، قطب نہ اولاد سے نواز سکتا ہے اور نہ اولاد سے محروم کرسکتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ہی کے سامنے جھولیاں پھیلاؤ، عبادات کے ذریعے اسے راضی کر کے اپنی خواہشات کی تکمیل کراؤ، قبولیت کے اوقات میں گڑگڑا کر، آنسو بہا کر اور دردمندی سے ہاتھ پھیلا کر دعا کرو۔ وہ نرینہ وغیر نرینہ اولاد اگر قسمت میں ہوئی تو اس سے ضرور نوازے گا اور دعاؤں کی اجابت وقبولیت اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی ہے۔

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ [غافر: ۴۰/۶۰]

''اور تمھارے رب نے فرمایا: تم مجھ سے دعا کرو میں تمھاری دعا قبول کروں گا۔''

چنانچہ نرینہ اولاد کے حصول کے لیے بارگاہ الٰہی میں پورے خشوع وخضوع سے دعا کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ ہی سے اپنی امیدیں وابستہ رکھنی چاہییں۔ وہ نرینہ اولاد کے بارے میں کی گئی دعاؤں کو ضرور شرفِ قبولیت بخشے گا۔

کثرت استغفار کا اہتمام:

نرینہ اولاد کے حصول کے لیے بکثرت استغفار کرنا بھی مؤثر ہے اور کثرت استغفار کے نتیجہ میں اموال میں اضافہ اور نرینہ اولاد کی کثرت پیدائش کی امید بھی ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴾ [نوح: ۷۱/ ۱۰، ۱۱، ۱۲]

''(نوح علیہ السلام کہتے ہیں) میں نے کہا: تم اپنے رب سے گناہوں کی بخشش طلب کرو، بلاشبہ وہ بہت بخشنے والا ہے۔ وہ (استغفار کی صورت میں) تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا اور اموال اور بیٹوں سے تمھاری مدد کرے گا اور تمھیں باغات دے گا اور تمھارے لیے نہریں نکالے گا۔''

فقہ التفسیر:

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ان آیات کی تفسیر بیان کرتے ہیں کہ جب تم اللہ کی طرف تائب ہو گے، اس سے گناہوں کی بخشش طلب کرو گے اور اس کی اطاعت کرو گے تو وہ تمھارا رزق بڑھا دے گا۔ تمھیں آسمان کی برکتوں سے پلائے گا۔ زمین کی برکتوں سے تمھارے اناج اگائے گا، تمھیں کھیتی اور دودھیل جانوروں سے نوازے گا۔ اموال اور بیٹوں سے تمھاری مدد

کرے گا۔ انواع و اقسام کے باغات دے گا اور ان کے درمیان نہریں رواں کرے گا۔
[تفسیر ابن کثیر]

سو کثرت استغفار دیگر نعمتوں کے حصول کے ساتھ اولاد نرینہ کے حصول کا باعث بھی ہے۔ اس لیے نرینہ اولاد کے خواہش مند حضرات کو قبروں اور مزارات کی خاک چھاننے اور بناوٹی اولیاء سے اموال اور عزت ہتھیانے کے بجائے اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہیے۔ کثرت سے استغفار کرنا چاہیے، خلاف شریعت امور ترک کر کے اللہ تعالیٰ کو منانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے سائل کی فریاد کو ضرور شرف قبولیت بخشیں گے۔

نرینہ اولاد کے لیے علاج کروانا:

نرینہ اولاد کے حصول کے لیے زوجین میں سے جو بیمار ہے یا جس کی بیماری کی وجہ سے نرینہ اولاد کے حصول میں رکاوٹ ہے، اسے اپنا علاج کروانا جائز و مباح ہے۔ کیونکہ مرد وزن میں کچھ بیماریاں ہوتی ہیں جو اولاد کی پیدائش یا مزید اولاد کی پیدائش میں رکاوٹ ہوتی ہیں۔ ان کا علاج اور تدارک لازم ہے۔ نیز احادیث نبویہ میں جمیع بیماریوں کے تدارک کی ترغیب دی گئی ہے۔

۱۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا أَنْزَلَ اللهُ دَاءً إِلاَّ أَنْزَلَ لَهُ شِفَاءً))
[صحیح بخاری، کتاب الطب، باب ما انزل اللہ داء الا انزل له شفاء: ۵۶۷۸]
''اللہ تعالیٰ نے کوئی بیمار نازل نہیں کی مگر اس کے لیے شفاء نازل کی ہے۔''

۲۔ جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ ، فَإِذَا أُصِيبَ دَوَاءُ الدَّاءَ بَرَأَ بِإِذْنِ اللهِ تعَالَى))
''ہر بیماری کی دوا ہے، چنانچہ جب دوا بیماری کے موافق ہو تو مریض اللہ تعالیٰ

کے فضل سے تندرست ہو جاتا ہے۔"

[صحیح مسلم، کتاب الطب، باب لکل داء دواء، استحباب التداوی: ۲۲۰۴]

یہ احادیث دلیل ہیں کہ ہر بیماری کا علاج ممکن ہے اور اگر بیماری کے موافق دوا میسر ہو تو انسان شفایاب ہو جاتا ہے دیگر بیماریوں کی طرح بعض اوقات نرینہ اولاد کے حصول میں بھی کئی بیماریاں رکاوٹ ہوتی ہیں، جن کے تدارک سے نرینہ اولاد کا حصول ممکن ہے۔ لہٰذا جدید طریقۂ علاج اور طب میں ایسے علاج موجود ہیں، جن سے زن و شو میں سے جس فرد میں نرینہ اولاد کے جراثیم کمزور یا معدوم ہوں ان کی افزائش سے یہ مسئلہ حل کیا جا سکتا ہے، لہٰذا سستی، غفلت اور تقدیر کے آسرے علاج میں تاخیر درست نہیں، بلکہ معروف اطباء اور اسپشلسٹ ڈاکٹرز سے مشاورت کے ذریعے اس بیماری کا تدارک ممکن ہے۔ پھر اس کے برعکس ہمارے معاشرے میں یہ تو ہم سرایت کر چکا ہے کہ لڑکیوں کی کثرت پیدائش کا سبب عورتیں ہیں۔ لہٰذا اس غلط نظریے کی آڑ میں اور تقدیر پر ناقص ایمان کی وجہ سے اور کچھ جاہل اور اجڈ رشتے داروں کے بہکاوے میں آ کر یا تو بچیاں جننے والی عورتوں کو جبری طلاق دی جاتی ہے یا ان حوا کی بیٹیوں کو بچیاں جننے کے جرم میں زندہ جلا کر روح ابلیس کو خوش کیا جاتا ہے، حالانکہ جدید تحقیق کی رو سے حقیقت اس کے بالکل الٹ ہے کہ بچوں کی کثرت پیدائش میں نقص اور خامی عورت میں نہیں ہوتی، بلکہ اصل نقص مرد میں ہوتا ہے۔

کیونکہ مرد کے مادہ تولید میں ایکس وائی "Y.X" دو قسم کے کروموسوم ہوتے ہیں اور عورت کے مادہ تولید میں صرف ایکس ایکس "X.X" کرموسوم ہوتے ہیں اگر مرد کے ایکس کرموسوم، عورت کے ایکس کروموسوم سے ملاپ کریں تو لڑکی پیدا ہوتی ہے اور اگر مرد کے وائی کروموسوم عورت کے ایکس کرموسوم سے ملاپ کریں تو لڑکا پیدا ہوتا ہے، لہٰذا جدید تحقیق کی رو سے لڑکی کی پیدائش کا سبب مرد ہوتا ہے نہ کہ مظلوم عورت اور نرینہ اولاد کے

علاج میں مرد کے دوائی کرو موسوم کو تحریک دی جاتی ہے یا ان کی افزائش بڑھا کر اسے عورت کے مادہ تولید کے ملاپ کے قابل بنایا جاتا ہے، یوں اس بیماری کا ازالہ ہو جاتا ہے اور نرینہ اولاد کی ولادت ممکن ہو جاتی ہے۔

نرینہ اولاد کی عدم دستیابی کی صورت میں:

دعا، دوا، شدید خواہش اور آرزو کے باوجود اولاد میسر نہ آئے تو رحمت الٰہی سے مایوس ہو کر نا امید او روِل برداشتہ نہیں ہونا چاہیے اور دین حنیف اور بارگاہ الٰہی سے ناتا توڑ کر شرک و بدعات کی غلاظتوں میں لتھڑ کر قبروں، مزاروں اور بے دین پیروں، قبر فروش مجاوروں سے نرینہ اولاد طلب نہیں کرنی چاہیے، یوں شاید اللہ تعالیٰ اولاد سے نواز دے لیکن دین سے انحراف اور شرک کے ارتکاب کی وجہ سے آپ اپنی عاقبت اور حقیقی زندگی کو برباد کرلیں گے۔ لہٰذا اگر نرینہ اولاد کی آرزو پوری نہ ہو تو صبر سے کام لینا چاہیے۔ تقدیر پر پختہ اعتقاد رکھنا چاہیے اور یہ عقیدہ راسخ کر لینا چاہیے کہ شاید اس امر میں تاخیر بہتر ہے، کیونکہ ہم تو عام گناہ گار سے لوگ ہیں۔ سلیمان علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی جہاد کے لیے وقف نرینہ اولاد کی آرزو کرلیں تو ان کی نیک خواہش بھی شرف قبولیت نہ پائے تو ہماری کیا حیثیت ہے۔ البتہ اس میں ایک اہم سبق ہے کہ جیسے انھوں نے صبر کیا، ضبط کا بندھن نہ چھوڑا اور بارگاہ الٰہی سے تعلقات منقطع نہیں کیے، ہمیں بھی وہی روش اختیار کرنی چاہیے اور رب تعالیٰ سے تعلقات استوار رکھنے چاہییں۔ البتہ ذاتی لغزشیں اور گناہ ہیں انھیں ترک کر دینا چاہیے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سلیمان علیہ السلام نے کہا:

«لَأَطُوفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلَى مِائَةِ امْرَأَةٍ ، أَوْ تِسْعٍ وَتِسْعِينَ، كُلُّهُنَّ يَأْتِي بِفَارِسٍ يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللهِ، فَقَالَ لَهُ صَاحِبُهُ: قُلْ : إِنْ

شَاءَ اللّٰهُ فَلَمْ يَقُلْ: إِنْ شَاءَ اللّٰهُ، فَلَمْ يَحْمِلْ مِنْهُنَّ إِلاَّ امْرَأَةٌ وَاحِدَةٌ جَاءَتْ بِشِقِّ رَجُلٍ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَوْ قَالَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فُرْسَانًا أَجْمَعُونَ))

[صحيح البخارى، كتاب الجهاد و السير، باب من طلب الولد للجهاد : ۲۸۱۹، مسلم، کتاب الایمان، باب الاستثناء فی الیمین وغیرھا: ۱۶۰۴]

''آج میں سو یا ننانوے بیویوں سے مباشرت کروں گا۔ جن میں سے ہر ایک شہسوار جنم دے گی۔ جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا۔ انھیں ان کے ساتھی نے کہا کہ ان شاء اللہ کہیے، لیکن انھوں نے ان شاء اللہ نہ کہا، سو ان بیویوں سے صرف ایک بیوی حاملہ ہوئی اور اس نے ناقص بچے کو جنم دیا۔ (آپ ﷺ نے فرمایا) اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد رسول ﷺ کی جان ہے! اگر وہ ان شاء اللہ کہتے تو وہ سب کے سب شہسوار اللہ کی راہ میں جہاد کرتے۔''

فقہ الحدیث :

۱۔ جہاد اور دین کی خدمت کے لیے وقف اولاد کی آرزو کرنا جائز ہے۔

۲۔ انسان کی ہر نیک خواہش پوری نہیں ہوتی اور بعض اوقات اپنی کوتاہیاں ہی کسی خواہش کی تکمیل میں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔

۳۔ اولاد نرینہ کے عدم حصول کی صورت میں صبر اور برداشت سے کام لینا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے مزید تعلقات استوار کرنے چاہییں، کیونکہ اولاد سے نوازنے اور جھولیاں ہری کرنے کا مالک و مقتدر صرف وہی ہے۔

بعض اوقات لڑکی لڑکے سے بہتر ہوتی ہے:

بیٹی اور بیٹے سے نوازنے والی ذات اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہے۔ اسی کی مشیت ہے چاہے

تو بیٹے عطا کرے، مرضی ہو تو بیٹیاں ہی عطا کرے اور چاہے تو دونوں پھل عطا کر دے۔ انسان تو محض تقدیر الٰہی کا تابع ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کی عطا پر ہر حال میں راضی ہونا چاہیے اور بیٹے کی شدید خواہش اور انتہائی آرزو کے باوجود نتیجہ الٹ نکلے اور بیٹی کی پیدائش ہو تو کفار کی طرح نہ تو منہ بسورنا چاہیے اور نہ ہی تقدیر الٰہی سے ناراض ہونا چاہیے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدر و قضا میں ضرور کوئی بہتری ہوگی اور ممکن ہے بیٹی والدین کی خدمت، ناموری اور شہرت میں بیٹے سے اہم کردار ادا کرے۔ آئندہ مثال سے اپنی سوچ کا زاویہ درست کرنے کی کوشش کریں۔ دیکھیں مریم علیہا السلام کی والدہ کی بیٹے کی شدید آرزو کے برعکس اللہ تعالیٰ نے انھیں مقدس و طاہر بیٹی دی تو وقتی جھٹکے کے بعد ان کی صحیح نہج پر دینی تربیت ہوئی تو وہ تقویٰ و طہارت اور قرب الٰہی کے اس معیار کو پہنچیں کہ کتنے ہی مرد اس درجہ اطاعت اور تقرب سے محروم رہے۔ سو تقدیر پر اعتماد کیجیے اور اللہ تعالیٰ کی قدر و قضا کو بخوشی تسلیم کریں، نتائج آپ کی سوچ سے کہیں بہتر ہوں گے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰی ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَ لَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی ۚ وَ اِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَ اِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿۳۶﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِیَّا ؕ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَكَرِیَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰی لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴾

[آل عمران:۳/۳۵،۳۶،۳۷]

''جب عمران کی بیوی نے کہا: اے میرے رب! میرے پیٹ میں جو ہے میں نے اسے تیرے نام آزاد کرنے کی نذر مانی ہے تو میری طرف سے قبول فرما، بلاشبہ تو خوب سننے والا، بہت جاننے والا ہے۔ پھر جب اس نے بچی کو جنم دیا تو کہنے لگی کہ پروردگار! میں نے تو لڑکی کو جنا ہے اور جو اس نے جنا اس کے بارے میں اللہ کو خوب علم ہے (یوں عرض کیا) اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ پس اس کے رب نے اس سے اچھی طرح قبول کیا اور اس کی خوب اچھی پرورش کی اور اس نے اسے زکریا علیہ السلام کی کفالت میں دیا۔ جب بھی زکریا علیہ السلام اس کے پاس محراب میں داخل ہوتے تو اس کے پاس رزق پاتے وہ پوچھتے: اے مریم! یہ رزق تمھارے لیے کہاں سے آیا؟ وہ کہتیں: یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بے حدوحساب رزق دیتا ہے۔''

پھر اس الٰہی فیصلے کو تسلیم کرنے اور دینی تربیت کے نتیجے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے مریم علیہا السلام کو عفت و پاک دامنی اور تقویٰ وللّٰہیت کے اعلیٰ درجہ پر فائز کیا اور ان کے فضائل و مناقب اور روشن کردار کو تا قیامت کے لیے زندہ و جاوید بنا دیا۔ لہٰذا بیٹے کی شدید خواہش اور آرزو کے برعکس اللہ تعالیٰ بیٹی سے نوازیں تو اسے بخوشی تسلیم کر کے بنت حوا کی دینی تربیت شروع کر دیں۔ اسلامی نہج پر اس کی پرورش کیجیے، ایسی مؤنث اولاد آپ کی دنیا و آخرت میں عزت کا باعث ہوگی اور مرنے کے بعد دعاؤں کی صورت میں صدقہ جاریہ کے طور پر مفید بھی ہوگی۔ (ان شاء اللہ)

بانجھ پن کا علاج:

موجودہ دور میں سائنس کی ترقی اور کامیاب طبی تجربات کی روشنی میں بانجھ پن کے کئی

اقسام کے علاج دریافت ہو چکے ہیں۔ لہٰذا بے اولاد زن وشو میں سے جسے بانجھ پن کا مرض ہو اسے ماہر اطباء اور اسپیشلسٹ ڈاکٹرز سے علاج کروانے میں حیاء اور عار محسوس نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ بانجھ پن کا علاج توکل ہی کی قبیل سے ہے اور یہ ایک بیماری ہے، کتاب وسنت میں جس کے علاج کی ترغیب موجود ہے۔ لہٰذا مرد وزن میں سے جس کا نظام تولید متاثر ہے یا کروموسوم مردہ یا بے حرکت ہیں، جدید طریقہ علاج اور طب کی مدد سے ان کی افزائش اور تحریک سے انھیں تولید کے اور جنس مخالف کے کروموسوم کے ملاپ کے قابل بنایا جا سکتا ہے۔ ایسے مریضوں کو اپنا علاج کروانا چاہیے اور مقدر میں علاج ہوا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نعمت اولاد سے بھی بہرہ مند کریں گے۔

بانجھ پن اور بڑھاپے میں بھی رحمت الٰہی سے مایوس نہ ہوں:

بانجھ پن اور بڑھاپے کی صورت میں بھی اولاد کے حصول سے مایوس نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ رحمتوں سے مایوسی کفار کا شیوہ ہے، بلکہ بارگاہ الٰہی میں دعاؤں کا سلسلہ جاری رکھیے اور اللہ تعالیٰ سے طلب اولاد کی دعاؤں میں تسلسل برقرار رکھیں۔ آپ کے اس طرز عمل اور مستقل مزاجی سے رحمت الٰہی جوش میں آ کر دنیاوی قوانین اور اطباء کے تجربات کے برعکس مظاہر دکھا سکتی ہے، کیونکہ اس طرح کے معجزات وخرق عادات واقعات کا ظہور پہلے ہو چکا ہے۔ یہ واقعات ہمت افزاء اور حوصلہ بڑھانے کا باعث ہیں، سو ہمت جواں رکھیں اور اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط رکھیں، وہ بڑھاپے اور بانجھ پن پانے کے باوجود بھی جھولیاں ہری کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

ا۔ ابراہیم علیہ السلام کی مثال:

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اس وقت اولاد سے نوازا جب وہ سخت بڑھاپے میں تھے اور ان کی بیوی سارہ علیہا السلام بانجھ ہو چکی تھی۔ ظاہری اسباب کے معدوم ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ

کا اس جوڑے کو اولاد سے نوازنا دلیل ہے کہ بانجھ پن اور بڑھاپے کا ازالہ اللہ تعالیٰ کے لیے ممکن ہے اور اس کی مشیت و رضا ہو تو لاکھوں رکاوٹ کے باوجود اس کا اولاد سے نوازنا کوئی بعید اور مشکل نہیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿٢٤﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿٢٥﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَاۗءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿٢٦﴾ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٢٧﴾ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۭ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿٢٨﴾ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿٢٩﴾ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴾ [الذاریات: ۵۱/۲۴تا۳۰]

”کیا تجھے ابراہیم علیہ السلام کے معزز مہمانوں کی خبر پہنچی ہے۔ جب وہ اس کے پاس آئے تو انھوں نے سلام بلایا۔ ابراہیم علیہ السلام نے جواباً سلام کہا (اور کہا) اجنبی لوگ ہیں پھر وہ اپنے گھر والوں کی طرف گئے اور ایک فربہ بچھڑا لے آئے اور اسے ان کے قریب کیا اور کہا تم کھاتے کیوں نہیں، چنانچہ انھوں نے ان سے ڈر محسوس کیا۔ انھوں نے کہا: ڈریے مت اور انھوں نے اسے ایک صاحب علم لڑکے کی خوش خبری دی۔ پس اس کی بیوی روتے پیٹتے آئی اور اپنے چہرے کو پیٹنے لگی اور کہنے لگی کہ بڑھیا اور بانجھ ہوں۔ انھوں نے کہا: تیرے رب نے اسی طرح فرمایا ہے بلا شبہ وہ نہایت دانا اور بہت علم والا ہے۔“

زکریا علیہ السلام کا واقعہ:

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے شدید بڑھاپے کے عالم میں زکریا علیہ السلام کو جانشین سے نوازا، جب کہ ان کی بیوی بھی بانجھ ہو چکی تھی، ایمان ویقین پختہ ہو اور اللہ تعالیٰ سے امید واثق ہو

تو اس طرح کے خرق عادت واقعات اب بھی رونما ہو سکتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا ۝ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُن بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِن وَرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا ۝ يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝ يَا زَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيَىٰ لَمْ نَجْعَل لَّهُ مِن قَبْلُ سَمِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا وَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝ قَالَ كَذَٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِن قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ﴾ [مریم:۱۹/۲-۹]

''تیرے رب کی رحمت کا بیان جو اس نے اپنے بندے زکریا پر کی، جب اس نے اپنے رب کو چپکے چپکے پکارا۔ اس نے کہا: اے میرے پروردگار! بے شک میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں اور سر سفیدی سے بھڑک اٹھا ہے اور اے پروردگار! میں تیری دعا سے کبھی بھی محروم نہیں ہوا۔ میں اپنے پیچھے قرابتداروں سے خائف ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے پس تو اپنے پاس سے جانشین عطا کر، جو میرا وارث بنے اور آل یعقوب کا بھی وارث ہو۔ اور اے پروردگار! اسے مقبول بنا۔ اے زکریا! ہم تجھے ایک بچے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے اور ہم نے اس سے قبل کسی کو کبھی اس نام سے موسوم نہیں کیا۔ زکریا نے کہا: اے میرے رب! میرے ہاں بچہ کیسے ہو گا کہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ چکا ہوں۔ اس نے کہا: اسی طرح (ہی ہو گا) تیرے رب نے فرمادیا ہے کہ میرے لیے تو یہ بہت سہل ہے اور میں نے اس سے قبل تجھے پیدا کیا جب کہ تو کچھ بھی نہ تھا۔''

بے اولادی کی صورت میں صبر کیجیے:

اگر بے شمار دعاؤں، التجاؤں، فریادوں، آہ و زاریوں اور مختلف علاج معالجوں کے باوجود اولاد میسر نہ آئے اور ہر سو بے اولادی کے مہیب سائے پھیلے ہوں تو پھر اللہ تعالیٰ کے قدر و قضا پر راضی ہو جائیے اور صبر کا دامن تھامے رکھیے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی تقسیم ہے کہ وہ کچھ افراد کو بے اولاد رکھنا چاہتا ہے۔ لہٰذا مایوس ہونے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی مشیت پر راضی ہو جائیے، کیونکہ اس کے فیصلہ اور تقسیم میں ہمیشہ انسانوں کی بہتری ہی پنہاں ہوتی ہے، پھر وہ خالق و مالک اور مختار کل ہونے کی حیثیت سے اپنی مرضی چلانے کا مجاز و مختار ہے اور ہم تو محض اس کے فیصلوں کے پابند اور اس کی تقسیم کو بخوشی و رضا تسلیم کرنے کے مکلف ہیں، سو ہر وقت کڑھنے، قسمت کو کوسنے، ذات باری تعالیٰ کے بارے میں شکوک و شبہات کا شکار ہونے اور غیر اللہ کے در پر بھٹکنے کے بجائے اس کی تقسیم پر راضی ہو جائیں اور صبر کا مظاہرہ کریں۔ کیونکہ صبر ہی سے غم غلط ہوتے اور پریشانیاں معدوم ہوتی ہیں۔ صبر کی توفیق بھی صرف اہل ایمان کو نصیب ہوتی ہے۔ لہٰذا صبر کیجیے اور کامیابی و کامرانی کی راہ ہموار کیجیے۔

صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((عَجَبًا لأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَاكَ لأَحَدٍ إِلاَّ لِلْمُؤْمِنِ ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهُ ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ ، فَكَانَ خَيْرًا لَهُ))

[صحیح مسلم، کتاب الزھد، باب المؤمن أمرہ کلہ خیر: ۲۹۹۹]

"مومن کا معاملہ حیرت انگیز ہے۔ بلا شبہ اس کا تمام معاملہ سراپا خیر ہے اور مومن کے سوا یہ کسی اور کے شایان شان نہیں۔ اگر اسے خوشی پہنچے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہے اور اگر اسے تکلیف پہنچے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے

بہتر ہے۔

پھر بے اولادی کا صدمہ ہوسکتا ہے اس کے لیے بہتر اور تقرب الٰہی کا باعث ہو اس لیے صبر وضبط سے کام لینا چاہیے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُصِبْ مِنْهُ"

[صحیح بخاری، کتاب المرضیٰ، باب ماجاء فی کفارۃ المرض:٥٦٤٥]

"اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کا ارادہ کرے اسے مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔"

نیز جو عوام میں یہ بد دلی پھیلی ہے کہ بے اولادی بدقسمتی اور بدنصیبی کی علامت ہے۔ یہ نظریہ قطعاً بے بنیاد اور اسلامی نظریات کے متصادم ہے، کیونکہ کسی کو بانجھ اور بے اولاد رکھنا کسی کی بدقسمتی کی علامت نہیں، بلکہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارادہ ومشیت ہے، جو نیک لوگ کے لیے بلندی درجات او بھلائی کا باعث ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَآءُ عَقِيمًا إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ﴾ (الشوریٰ:۴۲/۵۰)

"اور وہ جسے چاہے بانجھ کر دیتا ہے، بے شک وہ بہت علم والا، کمال قدرت والا ہے۔"

پھر اللہ تعالیٰ نے کتنے ہی مقدس ہستیوں کو بے اولاد رکھا۔ جیسے یحییٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور نبی ﷺ کی بیویوں میں سے صرف دو بیویاں صاحب اولاد ہوئیں، باقی تمام ازواج مطہرات بے اولاد تھیں۔ لہٰذا یہ بدقسمتی کی علامت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے، جسے ماننے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

غیر اللہ سے اولاد طلبی:

اگر اولاد کے حصول میں تاخیر ہو یا زن وشو میں سے کسی ایک کے بانجھ پن کی وجہ سے

اولاد کا حصول معدوم نظر آئے تو اللہ تبارک و تعالیٰ کا در چھوڑ کر پیروں، فقیروں اور مزارات و خانقاہوں کا رخ کرنا قطعاً درست نہیں۔ یہ نرا ہلاکت کا سودہ اور بربادی کا راستہ ہے۔ کیونکہ اولاد دینے اور چھیننے کا مالک و مختار صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔ یاد رکھیے! اللہ تعالیٰ نے اولاد دینے کا اختیار کسی نبی، ولی، قطب، ابدال اور پیر فقیر کے سپرد نہیں کیا۔ لہٰذا جاہلانہ نظریات کی پیروی اور بدعقیدہ لوگوں کے بہکاوے میں آکر شرک کا ارتکاب نہ کیجیے اور حصول اولاد کی اندھی حرص میں خلاف شرع کاموں کا ارتکاب نہ کیجیے۔ کیونکہ غیر اللہ سے اولاد مانگنے کی صورت میں آپ اللہ تعالیٰ کو ناراض کر لیں گے۔ پھر وہ اولاد دے یا نہ دے یہ اس کی مرضی ہے، لیکن اس جرم کی وجہ سے آپ مقام ایمان و اسلام سے گر گئے ہیں اور جہالت و لاعلمی کی وجہ سے جو اس گناہ کبیرہ کے مرتکب ٹھہرے ہیں اس سے خلوص دل سے تائب ہو جائیں اور اپنی عاقبت کو محفوظ بنانے کی کوشش کریں۔

اولاد دینے کا مختار کل اللہ تعالیٰ:

اولاد سے نوازنا صرف اللہ مالک الملک کا وصف ہے، اس صفت سے صرف وہی متصف ہے اور مذکر و مؤنث سے یا ملی جلی دو قسم کی اولاد عطا کرنا صرف اسی ہی کے اختیار میں ہے۔ لہٰذا اسی سے سوال کریں اور التجاؤں دعاؤں کا محور اسی ذات کو بنائیں۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا وَ يَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴾

[الشوریٰ:۴۲/۴۹، ۵۰]

’’آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کے لیے ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا

ہے۔ جسے چاہتا ہے لڑکیاں عطاء کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے نوازتا ہے۔ یا ان کے لیے مذکر ومؤنث جمع کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے۔ بے شک وہ بہت جاننے والا، کامل قدرت والا ہے۔''

یہ آیت دلیل ہے کہ خالق فقط اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے، اس کے علاوہ کوئی خالق و مالک نہیں اور اولاد دینے کی صلاحیت سے صرف اللہ تعالیٰ ہی متصف ہیں۔ مخلوق میں کوئی ہستی اولاد دینے کا اختیار نہیں رکھتی۔ پھر اللہ کے سوا جن ہستیوں سے اولاد طلب کی جاتی ہے وہ تو طلب گاروں کی ادعیہ، مناجات اور فریادوں ہی سے بے خبر ہیں، اولاد سے نوازنا تو دور کی بات ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ان ہستیوں کی بے بسی اس انداز میں بیان کرتے ہیں:

﴿ يَاۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴾ [الحج: ۲۲/۷۳، ۷۴]

''لوگو! ایک مثال بیان کی گئی ہے اسے غور سے سنو، بے شک وہ لوگ جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تو ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے، خواہ اس کے لیے وہ اکٹھے ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز لے جائے تو یہ اس سے یہ بھی نہیں چھین سکتے، طلب کرنے والا اور طلب کیا جانے والا بہت ہی کمزور ہے۔ انھوں نے اللہ کے مرتبہ کے مطابق اس کی قدر نہیں کی، یقیناً اللہ بہت ہی زور آور، زبردست غالب ہے۔''

یہ مقدس ہستیاں تو ذرہ تک پیدا نہیں کر سکتیں:

کتاب وسنت کی تعلیمات سے نابلد اور تقدس کی آڑ میں باطل نظریات کے حامل لوگ جن ہستیوں سے اولاد و اموال طلب کرتے ہیں اور جن کی کرامات اور کرشمہ سازیوں کی دن رات مالا جپتے ہیں، ان مقدس ہستیوں کی بے بسی کا یہ عالم ہے کہ یہ انسانی بچے کو پیدا کرنا اور ان کی تخلیقی مراحل کی تعمیر تو بڑے دور کی بات ہے یہ تو ذرہ، دانہ یا جو تک پیدا کرنے سے قاصر ہیں اور اگر یہ ان دعوؤں میں سچے ہیں تو ان کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے چیلنج ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں:

((وَ مَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ كَخَلْقِي، فَلْيَخْلُقُوْا ذَرَّةً أَوْ لِيَخْلُقُوْا حَبَّةً أَوْ شَعِيْرَةً))

[صحيح بخاری، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالیٰ، والله خلقكم وما تعلمون:٧٥٥٩، صحيح مسلم، كتاب الباس والزينة ، باب تحريم تصوير صورة الحيوان:٢١١١]

"اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جو میری طرح پیدا کرنا چاہتا ہے (اگر کسی میں یہ قدرت ہے تو) وہ ایک ذرہ پیدا کرے یا ایک دانہ یا جو ہی پیدا کر دے۔"

چنانچہ جو ہستیاں ذرہ تک پیدا کرنے سے قاصر ہیں وہ غریب نواز، داتا، گنج بخش، فیض عالم اور اولاد عطا کرنے کی قدرت کیسے رکھ سکتی ہیں۔ لہٰذا ملحدین اور شرکیہ عقائد کے داعیوں کے بہکاوے میں آکر اس سنگین جرم اور شرک اکبر کا ارتکاب نہ کر لینا کہ دنیا و آخرت کی ناکامیاں مقدر ٹھہریں۔

اولاد طلبی کے جنون میں محرمات کا ارتکاب:

اولاد طلبی کے جنون میں محرمات کا ارتکاب ناجائز وحرام ہے اور غضب الٰہی جوش میں آجائے تو ایسے سفاک لوگ بہت سے دنیاوی مصائب کا شکار ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا اولاد کی تاخیر اور بے اولادی کی صورت میں دین کے دائرہ کار سے باہر نہ نکلیں، تقدیر پر پختہ ایمان لاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے قدر و قضا پر راضی رہیں اور عاملوں، جادوگروں، شیطان کے چیلے بے دین پیروں اور نام نہاد اولیاء کے جھانسے میں آکر نرینہ اولاد کے حصول یا بے اولادی کے علاج کے لیے محرمات کا ارتکاب نہ کیجیے۔ کیونکہ پیر، عامل اور جادوگر اولاد طلبی کے کئی نسخے تجویز کرتے ہیں، جن میں سے کچھ شرک اور کچھ صریح حرام ہیں۔ مثلاً بے اولاد یا نرینہ اولاد سے محروم عورتوں سے کہا جاتا ہے کہ کسی نہر یا دریا کے کنارے قرآن مقدس کے اوراق پر غسل کرو تو تمھارا بانجھ پن ٹھیک ہو جائے گا یا نرینہ اولاد کی بندش ختم ہو جائے گی۔ یہ عمل صریح کفر ہے اور اس سفاکی اور کمینگی پر اللہ تعالیٰ کا غضب حرکت میں آجائے تو انسان کی دنیا و عاقبت دونوں تباہ ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح ان جعلی عاملوں اور دین فروش پیروں کا یہ مشورہ کہ تازہ دم مردہ بچے کی لاش نکال کر اس کی لاش پر نہانے سے بے اولادی کی بندش ختم ہو جائے گی۔ صریح ظلم اور کبیرہ گناہ ہے، اسی طرح دیگر عملیات وغیرہ جو جادو کے زیر اثر ہوں اور وہ کفر وشرک اور کبیرہ گناہ کا باعث ہوں اسے زیر عمل لانے کے لیے بالکل تیار نہ ہوں ، بلکہ اللہ تعالیٰ سے امید استوار رکھیں اور نیک اعمال اور دعاؤں و التجاؤں سے اولاد طلبی کی درخواست وفرمائش کا سلسلہ جاری رکھیں۔

کثرت اولاد خوش بختی کی علامت:

کثرت اولاد خوش قسمتی کی علامت ہے، شریعت اسلامیہ کثرت اولاد کی بھرپور حامی ہے اور اولاد کی کثرت دنیا میں شرف کا باعث ہے اور آخرت میں درجات کی بلندی کا

سبب بھی۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلاَّ مِنْ ثَلاَثَةٍ : إِلاَّ مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهُ))

[صحيح مسلم، كتاب الوصية، باب ما يلحق الانسان من ثواب بعد وفاته: ١٦٣١، سنن ابو داؤد، كتاب الوصايا، باب ما جاء فى الصدقة عن الميت : ٢٨٨٠، جامع ترمذی:١٣٧٦]

"جب انسان فوت ہو جائے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں سوائے تین قسم کے۔ ① صدقہ جاریہ۔ ② ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہو۔ ③ نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہو۔"

فوائد:

۱۔ اولاد جتنی زیادہ ہوگی ان کی دعائیں اتنی ہی کثرت سے ہوں گی۔ لہٰذا اس سے میت کے درجات زیادہ بلند ہوں گے اور ان کی دعاؤں کے اثر سے میت کو ثواب بہم پہنچتا رہے گا۔

۲۔ روزمرہ کے مشاہدات میں سے ہے کہ اکثر اکلوتا بیٹا یا بیٹی انتہائی ضدی، والدین کے نافرمان اور دین سے بے زار ہوتے ہیں۔ لہٰذا اولاد زیادہ ہوگی تو کوئی ایک تو نیک ہوگا جو والدین کے لیے ایصال ثواب کا باعث ہوگا، کیونکہ کم یا زیادہ بے دین اولاد کا فوت شدہ والدین کو بالکل کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

۳۔ اولاد کی کثرت والدین کے لیے دنیا میں بھی سود مند ہے، کیونکہ ساری اولاد ہی نیک، صالح اور فرماں بردار ہو تو بوڑھے والدین کی خاطر مدارات بھی اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے اور اگر ایک دو بگڑ بھی جائیں تو کوئی نہ کوئی بڑھاپے کا سہارا ضرور بن جاتا ہے۔

لہٰذا اس حکومتی نعرے کہ بچے دو ہی اچھے سے متاثر ہو کر اپنی دنیا اور آخرت کا نقصان نہ کریں۔

امت کی کثرت روز قیامت فخر کا باعث :

نبی کریم ﷺ نے زیادہ بچے جننے والی عورتوں سے شادی کی ترغیب دی ہے، کیونکہ ایسی بیویاں امت کی تعداد میں اضافے کا باعث ہیں اور امت کی کثرت کی وجہ سے نبی مکرم ﷺ روز قیامت دیگر امتوں پر فخر کریں گے۔ لہٰذا محبان رسول کو چاہیے کہ وہ زیادہ بچے جننے والی عورتوں سے شادی کریں، اولاد کے تسلسل کو برقرار رکھیں اور امت میں اضافے کا سبب بن کر رسول اللہ ﷺ کی عظمت و رفعت کا باعث بنیں۔

معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: میں نے ایک خوبصورت اور اچھے خاندان کی عورت تلاش کی ہے، لیکن وہ بچے جننے کی صلاحیت سے محروم ہے، کیا میں اس سے شادی کرلوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، وہ دوبارہ آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ ﷺ نے دوبارہ اسے منع کر دیا۔ جب وہ تیسری مرتبہ آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((تَزَوَّجُوْا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَإِنِّيْ مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ))

[سنن ابو داؤد: کتاب النکاح، باب النهی عن تزویج من لم یلد من النساء: ۲۰۵۰، سنن نسائی، کتاب النکاح، باب کراهیة تزویج العقیم: ۳۲۲۹، طبرانی کبیر: ۵۰۸، سنن بیهقی: ۸۱/۷] حسن

مستلم بن سعید ثقفی صدوق راوی ہیں اور باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔

فقہ الحدیث :

۱۔ انتخاب نکاح کے وقت عورت کی دیگر خوبیوں کے ساتھ ساتھ اس کا اس وصف سے متصف

ہونا بھی ضروری ہے کہ وہ زیادہ بچے جننے کے قابل ہو، یہ چیزیں اس کے خاندان کی عورتوں سے بخوبی معلوم ہو جاتی ہے۔

۲۔ جو عورت زیادہ بچے جننے کی صلاحیت رکھتی ہو ایک دو بچے کی پیدائش کے بعد اس کی نس بندی یا طویل وقفہ قطعاً درست نہیں، کیونکہ اس سے کثرت امت کا حصول ممکن نہیں۔ لہٰذا اس غیر فطری طریقے سے نسل انسانی کا انقطاع درست نہیں۔

۳۔ قدرتی اور مصنوعی بانجھ عورت سے شادی کرنا مکروہ ہے اور اس سے نکاح کا اصل مقصود بقائے نوع انسانی فوت ہو جاتا ہے۔

جنت میں اولاد کا حصول:

جنت میں جنتیوں کی ہر خواہش کی تکمیل ہوگی اور جنتی جو چاہیں گے ان کی مطلوبہ فرمائش ضرور پوری ہوگی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ﴾

[حم السجدہ: ۳۱/۴۱]

''اور تمھارے لیے اس (جنت میں) ہر وہ چیز ہے جو تمھارے نفوس چاہیں گے اور اس میں تمھارے لیے وہ ہے جو تم طلب کرو گے۔''

لہٰذا جنت میں اولاد کا خواہش مند جوڑا اگر اولاد چاہے گا تو اس کی یہ خواہش بھی پوری ہوگی۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلْمُؤْمِنُ إِذَا اشْتَهَى الْوَلَدَ فِي الْجَنَّةِ كَانَ حَمْلُهُ وَوَضْعُهُ وَ سِنُّهُ فِي سَاعَةٍ كَمَا يَشْتَهِيْ))

[جامع ترمذی، کتاب صفة الجنة، باب ماجاء لادنی اهل الجنة فی الجنة: ۲۵۶۳، سنن ابن ماجه، کتاب الزهد، باب صفة الجنة: ۴۳۳۸، مسند ابو یعلی: ۱۰۵۱، صحیح ابن حبان: ۷۴۰۴) حسن۔ معاذ بن ہشام دستوائی صدوق راوی ہیں اور باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔

''مومن جب جنت میں اولاد کی خواہش کرے گا تو اس کی خواہش کے مطابق پل بھر میں حمل، وضع حمل اور بچہ بڑا ہو جائے گا۔''

نیز وہ روایات جن میں صراحت ہے کہ جنت میں اولاد میسر نہ ہو گی، وہ ضعیف و نا قابل احتجاج ہیں۔

۱۔ ابو رزین عقیلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ لاَ يَكُوْنُ لَهُمْ فِيهَا وَلَدٌ))

''جنتیوں کی جنت میں اولاد نہیں ہو گی۔''

(جامع ترمذی: تحت حدیث: ۲۵۶۳) ضعیف

یہ معلق روایت ہے، جس کی متصل سند کتب احادیث میں موجود نہیں۔ حافظ عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث نقل کرنے والے کسی شخص کا علم نہیں۔ (تحفۃ الاحوذی: ۲۴۱/۷)

ابو رزین عقیلی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلصَّالِحَاتُ لِلصَّالِحِيْنَ تَلَذُّوْنَهُنَّ مِثْلَ لَذَّتِكُمْ فِي الدُّنْيَا، وَيَلْذُذْنَ بِكُمْ غَيْرَ أَنْ لاَ تَوَالُدَ))

[مسند احمد: ۱۳/۴، طبرانی کبیر: ۴۷۷۔ مستدرک حاکم: ۶۰۵/۴] ضعیف

عبد الرحمن بن عیاش السمعی، دلہم بن اسود بن عبداللہ بن حاجب عقیلی اور اسود بن عبداللہ بن حاجب مجہول راوی ہیں۔

''جنت میں نیک عورتیں نیک مردوں کے لیے ہوں گی، تم ان سے اس طرح لطف اندوز ہوں گے جیسے دنیا میں لطف اندوز ہوتے تھے اور وہ تم سے لذت حاصل کریں گی البتہ اولاد نہ ہو گی۔''

خلاصۃ التحقیق:

جنت میں وہی لوگ نعمت اولاد سے فیض یاب ہوں گے جو اولاد کی آرزو کریں گے البتہ جو اولاد کے خواہش مند نہ ہوں گے، انھیں اولاد سے نہیں نوازا جائے گا۔

حمل کے احکام ومسائل

جنین کو شیطانی حملے سے بچاؤ کا وظیفہ:

نیک صالح والدین کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی اولاد نیک، پارسا اور شیطانی دسترس سے محفوظ ہو۔ اس حوالے سے صالح اولاد کی دعا کرنا مشروع ہے اور ان اسلامی تعلیمات کی تعمیل بھی ضروری ہے، جن سے اولاد شیطانی تسلط سے محفوظ رہ سکے۔ ذیل میں ایک مسنون وظیفہ ہے، جس کے اہتمام سے مستقبل میں پیدا ہونے والی اولاد شیطانی حملوں سے محفوظ رہ سکتی ہے۔ لہٰذا اس مسنون دعا کو اپنی زندگی کا معمول بنائیں اور ہم بستری سے قبل زن وشو اس وظیفہ کا اہتمام ضرور کریں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا أَتَى أَهْلَهُ قَالَ : بِسْمِ اللهِ اللَّهُمَّ ! جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا، فَقُضِيَ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ لَمْ يَضُرَّهُ))

جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی سے مباشرت کرے اور یہ کلمات کہے:

((بِسْمِ اللهِ، اَللّٰهُمَّ ! جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ، وَ جَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا))

”اللہ کے نام سے اے اللہ! ہمیں شیطان سے بچا اور شیطان کو اس (اولاد) سے دور رکھ جو تم ہمیں عطا کرے۔“

پھر انھیں اولاد نصیب ہو تو شیطان اسے گزند نہ پہنچائے گا۔

[صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب التحیة علی کل حال وعند الوقاع : ۱۴۱۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب ما یستجب ان یقال عند الجماع : ۱۴۳۴]

حاملہ کے احکام:

۱۔ خوراک وصحت کا خیال رکھنا:

دوران حمل چونکہ عورت کو کافی تکلیف اٹھانا پڑتی اور کافی پیچیدہ مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، اس لیے شوہر یا سر پرست کی ذمہ داری ہے کہ اس کی مناسب خوراک، صحت اور ضروریات کا خیال رکھے اور اس پر زیادہ توجہ دے نیز دوران حمل حاملہ کو کھانے پینے کی وہ چیزیں جو اسے مرغوب لگتی ہیں فراہم کی جائیں اور متوازن خوراک دی جائے جو اس کی صحت اور جنین (حمل) کے لیے مفید ہو

۲۔ مطلقہ حاملہ کا نان ونفقہ:

رجعی یا دائمی طلاق یافتہ حاملہ کا نان ونفقہ کا انتظام کرنا سابق شوہر کی ذمہ داری ہے اور اگر خاوند فوت ہو چکا ہے تو خاوند کے قریبی رشتہ دار ذمہ دار ہوں گے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے :

﴿وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾
[الطلاق:۶۵/۶]

”اور اگر وہ (طلاق یافتہ عورتیں) حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرو حتیٰ کہ وہ وضع حمل سے گزر جائیں۔“

تفسیر الآیۃ:

یہ آیت دلیل ہے کے حاملہ جو مطلقہ رجعیہ و بائنہ ہو اسے نان ونفقہ دینا واجب ہے اور طلاق دینے والے کو دوران حمل، حاملہ کے نان ونفقہ اور رہائش کی ذمہ داری قبول کرنی چاہیے۔

۳۔ سزا میں تاخیر:

اگر حاملہ عورت کسی جرم میں ملوث ہے، زنا کی مرتکب ہے یا کسی اور حد کی مرتکب ہو تو اس پر سزا میں تاخیر کرنا اور وضع حمل تک حد کے نفاذ میں تاخیر لازم ہے۔ اس کی دلیل آئندہ حدیث ہے۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں :

((أَنَّ امْرَأَةً مِنْ جُهَيْنَةَ أَتَتْ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ حُبْلَى مِنَ الزِّنٰى، فَقَالَتْ : يَا نَبِيَّ اللهِ ! أَصَبْتُ حَدًّا فَأَقِمْهُ عَلَيَّ ، فَدَعَا النَّبِيُّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِيَّهَا ، فَقَالَ : أَحْسِنْ إِلَيْهَا، فَإِذَا وَضَعَتْ فَأْتِنِيْ بِهَا، فَفَعَلَ))

[صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب من اعترف علی نفسه بالزنی:۱۶۹۶]

''جھینہ قبیلہ کی عورت جو زنا کے سبب حاملہ تھی ۔ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: ''اے اللہ کے نبی ﷺ! میں حد کی مرتکب ہوئی ہوں، آپ ﷺ مجھ پر حد نافذ کریں، اس پر آپ ﷺ نے اس کے ولی کو بلایا اور اسے کہا: اس سے اچھا سلوک کر اور جب یہ بچے کو جنم دے لے تو اسے میرے پاس لے آنا۔ چنانچہ اس نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی۔''

فقہ الحدیث:

۱۔ امام نووی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں یہ حدیث دلیل ہے کہ حاملہ عورت کو رجم نہیں کیا جائے

گا، خواہ حمل زنا کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے اس مسئلہ پر اجماع منقول ہے۔ یہ مہلت اس لیے ہے کہ رجم کی وجہ سے جنین قتل نہ ہو جائے، اسی طرح اگر حاملہ کی حد کوڑے ہوں تو بالا جماع وضع حمل سے قبل اس کا نفاذ بھی ممنوع ہے۔

۲۔ جیسے شادی شدہ زانی مرد کی سزا رجم ہے ایسے ہی شادی شدہ عورت زنا کی مرتکب ہو تو اسے بھی رجم کیا جائے گا۔

۳۔ حاملہ عورت پر اگر قصاص واجب ہو تو بالا جماع اس سے وضع حمل سے قبل قصاص نہ لیا جائے گا۔ [شرح النووی: ۲۰۱/۱۱]

روزہ چھوڑنے کا جواز:

حاملہ عورت دوران حمل اگر رمضان کے فرض روزے رکھنے میں تکلیف محسوس کرے اور روزے اس کی صحت اور جنین کے لیے نقصان کا باعث ہوں تو یہ فرض روزے چھوڑ سکتی ہے اور ان روزوں کی قضا کے بجائے ہر روزے کا فدیہ (مسکین کو کھانا کھلانا) دے گی۔

دلائل حسب ذیل ہیں۔

۱۔ انس بن مالک قشیری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ اللهَ وَضَعَ شَطْرَ الصَّلَاةِ وَالصَّوْمَ عَنِ الْمُسَافِرِ، وَ عَنِ الْمُرْضِعِ أَوِ الْحُبْلَى))

بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے مسافر کو نصف نماز اور روزے کی اور حاملہ اور مرضعہ (دودھ پلانے والی عورت) کو روزے کی چھوٹ دی ہے۔

[سنن أبو داؤد: ۲۴۰۸، جامع ترمذی: ۷۱۵، سنن ابن ماجه: ۱۶۶۷] حسن

۲۔ عکرمہ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((أُثْبِتَتْ لِلْحُبْلَى وَالْمَرْضِعِ))

اس آیت:

﴿ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ﴾

کا حکم حاملہ اور وضع کے لیے باقی ہے۔

[سنن أبو داؤد:۲۳۱۷] صحیح

۳۔ نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک حاملہ عورت نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے (رمضان کے روزوں کے متعلق) پوچھا تو انھوں نے کہا:

((أَفْطِرِيْ وَأَطْعِمِيْ عَنْ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِيْنًا وَلَا تَقْضِيْ))

''رمضان کے روزے چھوڑ دے، ہر دن کے عوض مسکین کو کھانا کھلا اور روزوں کی قضا نہ دے۔''

[سنن الدار قطنی:۲۴۱۳۔ صحیح]

۴۔ نافع رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی دختر نیک ایک قریشی کی زوجیت میں تھیں۔ وہ حاملہ تھیں اور رمضان میں سخت پیاس سے دوچار ہوئیں تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے انھیں روزہ چھوڑنے اور روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلانے کا حکم دیا۔

[سنن الدار قطنی:۲۴۱۴۔ صحیح]

فقہ الحدیث:

مذکورہ بالا احادیث و آثار دلیل ہیں کہ حاملہ اور مرضعہ (دودھ پلانے والی عورت) رمضان کے روزے چھوڑ سکتی ہیں اور روزے چھوڑنے کی صورت میں ان پر فدیہ لاگو ہوگا۔ روزوں کی قضا ان پر لازم نہیں ہوگی۔ لہٰذا اگر حاملہ اور مرضعہ کے لیے رمضان کے روزوں میں دشواری ہو تو وہ فرض روزے ترک کر کے ان کے عوض مساکین کو کھانا کھلا کر اس شرعی رخصت سے فائدہ اٹھا سکتی ہے۔

حاملہ سے ہم بستری کا حکم:

بیوی سے ہم بستری کے عدم جواز کی دو ہی صورتیں۔ ۱۔ حائضہ ہونا۔ ۲۔نفاس میں مبتلا ہونا۔ ان دوصورتوں کے سوا بیوی سے جماع جائز ومباح ہے۔ لہٰذا حالت حمل میں بیوی سے مباشرت جائز ہے۔

اس کی دلیل آئندہ آیات ہیں:

﴿ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ﴾ [البقرہ:۲/۲۲۳]

''تمھاری بیویاں تمھاری کھیتی ہیں، اپنی کھیتی کو جیسے چاہے آؤ۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿ وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴾ [المؤمنون:۵-۶]

''اورمومن وہ ہیں، جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، ماسوا اپنی بیویوں اور باندیوں کے، بلا شبہ یہ ملامتی نہیں ہیں۔''

ان آیات میں اللہ مالک الملک نے بیوی سے مباشرت کی مطلق اجازت دی ہے، لہٰذا استثنائی صورتوں، حیض ونفاس کے علاوہ بیویوں سے ہم بستری کرنا اور جماع سے لطف اندوز ہونا جائز ہے۔ البتہ حمل کی وجہ سے عورت شدید تکلیف میں مبتلا ہو یا عورت طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے ہم بستری کے لیے آمادہ نہ ہوتو ہم بستری سے گریز کرنا چاہیے، کیونکہ بیوی کا خیال رکھنا، اسے تکلیف سے دو چار نہ کرنا، اس کی خواہش کوترجیح دینا حسن معاشرت سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے عورتوں سے حسن معاشرت اختیار کرنے اوراچھے برتاؤ کی تاکید کی ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ [النساء:۴/۱۹]

''اوران بیویوں سے اچھا طرز زندگی اپناؤ۔''

رحم مادر میں بچے کے تخلیقی مراحل

بچے کی پیدائش کے مختلف مراحل اور مختلف دورانیے اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا عظیم کرشمہ اور اس کے تنہا رب ہونے کے روشن دلائل ہیں۔ ان حکمتوں سے وہی بخوبی آگاہ اور اس حکمت کا بہتر راز وہی جانتا ہے۔ کتاب وسنت کے دلائل اور جدید طبی تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ رحم مادر میں بچے کی تکوین و بناوٹ کے درج مراحلے طے پاتے ہیں۔

نطفہ (مذکر و مؤنث کی منی) 40دن

علقہ (جما ہوا خون) 40دن

مضغہ (گوشت کا لوتھڑا) 40دن

رحم مادر میں حمل کے چار ماہ (120) دن دن گزرنے کے بعد جنین میں روح پھونکی جاتی ہے اور اس کا مذکر و مؤنث ہونا، نیک ہونا، رزق اور موت لکھ دی جاتی ہے۔

دلائل درج ذیل ہیں:

① ان مراحل کی توضیح قرآن مقدس میں یوں بیان ہوئی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ ﴿١٢﴾ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ﴿١٣﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً

فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾ [المؤمنون: ۱۲، ۱۳، ۱۴]

”یقیناً ہم نے انسان کو مٹی کے آمیزے سے پیدا کیا، پھر اسے نطفہ کی شکل میں محفوظ جگہ میں رکھا۔ بعد ازاں ہم نے نطفہ (منی) کو جما ہوا خون بنایا، پھر اس جمے ہوئے خون کو لوتھڑا بنایا۔ بعد ازاں گوشت کے لوتھڑے کی ہڈیاں بنائیں۔ پھر اسے دوسری بناوٹ میں پیدا کیا۔ پس بہت برکت والا ہے اللہ جو سب سے عمدہ پیدا کرنے والا ہے۔“

② عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ مَلَكًا وَ يُؤْمَرُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ، وَ يُقَالُ لَهُ: اكْتُبْ عَمَلَهُ وَرِزْقَهُ وَ أَجَلَهُ وَشَقِيٌّ ، أَوْ سَعِيدٌ، ثُمَّ يُنْفَخُ فِيهِ الرُّوحُ))

[صحیح بخاری: ۳۲۰۸، صحیح مسلم: ۲۶۴۳]

”بلا شبہ تمھاری خلقت تمھاری ماں کے پیٹ میں چالیس روز (نطفہ کی صورت میں) جمع کی جاتی ہے۔ پھر وہ اتنے ہی دن جما ہوا خون کی شکل ہو جاتا ہے، اس کے بعد وہ اتنے ہی دن گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرشتہ بھیجتے ہیں اور اسے چار باتوں کا حکم دیا جاتا ہے، اسے کہا جاتا ہے: اس کا عمل، اس کا رزق، اس کی مقررہ مدت اور بد بخت ہے یا خوش بخت، لکھ دے، پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔“

والدین سے مشابہت کی وجوہ

رحم مادر میں جنین کی شکل و مشابہت اور اس کے مذکر و مؤنث ہونے کا اصل فیصلہ تو اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے اور جنین کے مذکر و مؤنث ہونے اور اسے شکل و شباہت عطا کرنے کا وہی مختار ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ﴾

[آل عمران:۳/۶]

”وہ ارحام میں جیسے چاہتا ہے تمھاری صورتیں بناتا ہے۔“

البتہ احادیث میں والدین کے ساتھ مشابہت کے کچھ اسباب بیان ہوئے ہیں، جن کی چار صورتیں بنتی ہیں۔

1. اگر مرد کی منی بیوی سے پہلے خارج ہو اور غالب ہو تو بچہ شکل و صورت میں باپ، چچاؤں یا پھوپھیوں کے مشابہ اور مذکر ہوگا۔
2. اگر عورت کی منی مرد سے پہلے خارج ہو اور اکثر ہو تو جنین ماں، ماموؤں یا خالاؤں کے ہم شکل ہوگا اور جنس مؤنث ہوگی۔
3. اگر مرد کا مادہ منویہ عورت سے پہلے خارج ہو، لیکن عورت کی منی کی مقدار مرد کی منی سے زیادہ ہو تو جنین مذکر ہوگا اور شکل و صورت والدہ یا ننھیال کے مشابہ ہوگی۔
4. اگر عورت کا مادہ منویہ مرد سے پہلے خارج ہو، لیکن مرد کا مادہ منویہ مقدار میں غالب ہو تو

جنین کی جنس مؤنث اور شکل وصورت میں والد یا ددھیال کے مشابہ ہوگا۔

① انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے عورت کے متعلق پوچھا کہ خواب میں وہ دیکھتی ہے (یعنی احتلام) جو مرد دیکھتا ہے۔ (اس کا کیا حکم ہے؟) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب عورت یہ صورت دیکھے تو غسل کرے۔ اس پر ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: جب کہ یہ سوال کرنے سے میں نے حیاء محسوس کی۔ کیا اس طرح کی صورت (عورت کو) پیش آتی ہے؟ (یہ سن کر) نبی ﷺ نے فرمایا:

((نَعَمْ فَمِنْ أَيْنَ يَكُونُ الشَّبَهُ ؟ إِنَّ مَاءَ الرَّجُلِ غَلِيظٌ أَبْيَضُ، وَمَاءَ الْمَرْأَةِ رَقِيقٌ أَصْفَرُ، فَمِنْ أَيِّهِمَا عَلاَ أَوْ سَبَقَ يَكُونُ مِنْهُ الشَّبَهُ)) [صحيح مسلم: ٣١١]

”جی ہاں! (عورت کو احتلام ہوتا ہے) (اگر ایسا نہ ہو) تو (اولاد کی والدہ کے ساتھ) مشابہت کیونکر ہو؟ بلا شبہ مرد کا پانی گاڑھا سفید ہوتا ہے اور عورت کا پانی پتلا زرد ہوتا ہے، پس ان میں سے جو غالب یا سبقت لے جائے تو (بچے کی) اس سے مشابہت ہوتی ہے۔“

② انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ (مشہور سابق یہودی عالم) نے رسول اللہ ﷺ کی آمد کا سنا جب کہ وہ اپنی زمین میں پھل توڑ رہے تھے تو وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میں آپ ﷺ سے تین چیزوں کے متعلق پوچھنے والا ہوں۔ جنھیں نبی کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ قیامت کی پہلی نشانی کون سی ہے، جنتیوں کا پہلا کھانا کونسا ہے اور بچہ باپ یا ماں کے مشابہ کیسے ہوتا ہے؟
آپ ﷺ نے فرمایا: جبرائیل علیہ السلام نے ان چیزوں کے متعلق مجھے ابھی آگاہ کیا ہے۔
اس نے کہا: جبرائیل علیہ السلام نے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، پھر اس نے کہا: فرشتوں میں

سے یہ یہود کا دشمن فرشتہ ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ﴾

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت کی پہلی نشانی آگ ہے، جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف جمع کرے گی۔ جنتیوں کا پہلا کھانا مچھلی کے جگر کا زائد حصہ ہے اور جب مرد کا مادہ منویہ عورت کی منی سے سبقت لے جائے تو بچہ والد کے مشابہ ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی پہلے خارج ہو تو بچہ ماں کے مشابہ ہوتا ہے۔ (یہ سن کر) انھوں نے کلمہ شہادت کا اقرار کر لیا۔
[صحیح بخاری: ۴۴۸۹]

③ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا عورت جب احتلام زدہ ہو اور منی کا پانی دیکھے تو غسل کرے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، (اس پر) عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس عورت سے کہا: تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں اور تیرا ناس ہو، آپ ﷺ نے (عائشہ سے) کہا: اسے برا بھلا نہ کہہ، عورت کو احتلام ہوتا ہے، اسی وجہ سے تو اولاد ماں کے مشابہ ہوتی ہے۔

((إِذَا عَلاَ مَاؤُهَا مَاءَ الرَّجُلِ أَشْبَهَ الْوَلَدُ أَخْوَالَهُ ، وَإِذَا عَلاَ مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَهَا أَشْبَهَ أَعْمَامَهُ)) [صحیح مسلم: ۳۱۴]

"جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آجائے تو بچہ ماموؤں کے ہم شکل ہوتا ہے اور جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آجائے تو نومولود چچاؤں کے ہم شکل ہوتا ہے۔"

خلاصۃ التحقیق:

امام قرطبی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ درج بالا احادیث کو مدنظر رکھتے ہوئے قاضی ابو بکر بن عربی رحمہ اللہ نے مذکر و مؤنث کے مادہ منویہ کو چار حالتوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ دوران مجامعت مرد کی منی عورت سے پہلے خارج ہو جائے۔
۲۔ عورت کی منی مرد سے پہلے خارج ہو جائے۔
۳۔ مرد کی منی عورت سے پہلے خارج ہو اور عورت کی منی سے غالب و اکثر ہو۔
۴۔ عورت کی منی مرد سے پہلے خارج ہو اور مقدار بھی زیادہ ہو۔

چنانچہ جب مرد کی منی عورت سے پہلے خارج ہو اور مقدار بھی زیادہ ہو تو منی پہلے خارج ہونے کی وجہ سے مذکر ہو گا اور مرد کی منی کے غلبے کی وجہ سے وہ اپنے باپ اور چچاؤں کے ہم شکل ہو گا اور اگر عورت کا مادہ منویہ مرد سے پہلے خارج ہو اور منی کی مقدار مرد سے زیادہ ہو تو عورت کی منی پہلے خارج ہونے کی وجہ سے نومولود مؤنث ہو گا اور منی کے غلبہ و کثرت کی وجہ سے بچی اپنے ماموؤں اور خالاؤں کے مشابہ ہو گی۔ پھر اگر مرد کی منی عورت سے پہلے خارج ہو اور عورت کی منی بعد میں خارج ہو، لیکن عورت کی منی کی مقدار زیادہ ہو تو مرد کی منی پہلے خارج ہونے کی وجہ سے بچہ مذکر ہو گا اور عورت کی منی کے غلبہ و کثرت کی وجہ سے بچہ اپنے ماموؤں کے ہم شکل ہو گا۔ لیکن اگر عورت کی منی مرد کی نسب پہلے خارج ہو اور مرد کی منی عورت کے بعد خارج ہو لیکن مرد کی منی کثیر مقدار میں ہو تو حمل مؤنث ہو گا اور بچی کی شکل وصورت چچاؤوں کے مشابہ ہو گی۔

قاضی ابو بکر بن عربی کہتے ہیں مذکورہ تقسیم ہی سے احادیث کا مفہوم واضح ہو سکتا اور احادیث کا تعارض دور ہو سکتا ہے۔

[تفسیر قرطبی:۵۱/۱۶]

خوبصورت والدین کی بدصورت اولاد:

اگر خوبصورت جوڑے کی اولاد بدصورت ہے یا بدصورت جوڑے کے ہاں حسین وجمیل بچے کی پیدائش ہو تو یہ مؤنث کے کردار میں شکوک وشبہات کا باعث نہیں ہو گی۔ بلکہ نبوی

تعلیم کی رو سے اس کی صحیح توجیہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں بچہ کبھی نسب میں ایسے آباؤ واجداد کے مشابہ ہو جاتا ہے، جو بد صورت یا خوبصورت ہوں۔ لہٰذا اس صورت میں نہ تو بچے کی والدین سے مشابہت کی شرعی توجیہات کا انکار لازم آئے گا اور نہ ہی اس غیر متوقع صورت حال پر بچے کی نفی کی جا سکتی ہے اور نہ عورت کے کردار پر تحفظات درست ہیں۔ اس مسئلہ کی وضاحت درج ذیل حدیث میں موجود ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ!

((وُلِدَ لِي غُلَامٌ أَسْوَدُ ، فَقَالَ : هَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ؟ قَالَ : نَعَمْ ! قَالَ مَا أَلْوَانُهَا، قَالَ : حُمْرٌ، قَالَ : هَلْ فِيهَا مِنْ أَوْرَقَ ؟ قَالَ نَعَمْ، قَالَ : فَأَنَّى ذَلِكَ ؟ قَالَ : لَعَلَّهُ نَزَعَهُ عِرْقٌ، قَالَ فَلَعَلَّ ابْنَكَ هَذَا نَزَعَهُ))

”میرے ہاں سیاہ بچہ پیدا ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تیرے اونٹ ہیں؟ اس نے عرض کیا: جی ہاں، آپ ﷺ نے پوچھا: ان کا رنگ کیا ہے؟ اس نے کہا: سرخ رنگ کے ہیں، آپ ﷺ نے دریافت کیا، کیا ان میں کوئی خاکستری رنگ کا اونٹ ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں، آپ ﷺ نے پوچھا: یہ (یہ سرخ اونٹوں میں خاکستری اونٹ کیسے ہوا؟ اس نے کہا: ممکن ہے وہ کسی اصل کے مشابہ ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ممکن ہے تیرا یہ بیٹا بھی کسی اصل (آپ کی نسل میں کسی گزشتہ فرد) کے ہم شکل ہو۔“

[صحیح بخاری: ۵۳۰۵، صحیح مسلم: ۱۵۰۰]

فقہ الحدیث:

امام نووی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: یہ حدیث دلیل ہے کہ بچے کو والد کی طرف منسوب کیا جائے گا، خواہ بچے کا رنگ باپ کے رنگ کے خلاف ہو، حتیٰ کہ اگر باپ سفید اور بیٹا سیاہ ہے، یا اس کے برعکس تو ہر صورت بچے کو باپ ہی کی طرف منسوب کیا جائے گا اور صرف رنگ کے اختلاف کی وجہ سے بچے کا انکار درست نہیں۔ ایسے ہی اگر خاوند بیوی سفید رنگ کے ہوں اور بچہ سیاہ پیدا ہو یا صورت اس کے برعکس ہو تو بھی بچے کے نسب کا انکار درست نہیں کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ وہ اپنے گزشتہ آباء واجداد میں سے کسی کے مشابہ ہو۔
[شرح النووی: ۱۰/۱۳۴]

آیت "وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ" کی تفسیر:

رحم مادر میں بچے کے مذکر ومؤنث، خوبصورت و بدصورت اور خوش بخت و بد بخت ہونے کے احوال کا کامل علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ جس سے رحم مادر پر مقرر فرشتوں کے علاوہ صحیح احوال سے کوئی بھی شخص مکمل طور پر واقف نہیں۔ البتہ جدید طبی آلات، ڈاکٹروں، نرسوں اور دایوں کے تجربات و مشاہدات اور تخمینوں سے جنین کے مذکر ومؤنث کے بارے میں حقیقت کے قریب قریب نتائج حاصل ہو جاتے ہیں۔ لیکن ان تجربات و مشاہدات اور جدید طبی آلات کی معلومات کی فراہمی میں غلطی کے مواقع بہرحال موجود ہیں، اس لیے اسے سو فیصد علم (غلطی سے مبرا چیز) نہیں کہا جا سکتا اور حالات و واقعات اور بے شمار مشاہدات شاہد ہیں کہ ماہر ڈاکٹروں کی رپورٹوں اور الٹرا ساؤنڈ مشینوں کی معلومات کے باوجود جنین کے مذکر ومؤنث ہونے کے نتائج حقیقی رپورٹوں کے مخالف ثابت ہوئے ہیں۔ اس لیے ماہر ڈاکٹرز کی جنین کی جنسیت میں آراء اور الٹرا ساؤنڈ مشینوں کی رپورٹیں حتمی نہیں بلکہ ظن و تخمینے ہیں۔ انھیں واقعی علم سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا رحم مادر میں جنین کی جنسیت کا بھی صحیح اور

کامل علم اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کو ہے۔ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ، وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ، وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ، وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا، وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ، اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴾ [لقمان:٣١/٣٤]

''بلا شبہ اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم اور وہ بارش اتارتا ہے اور وہ رحم مادر میں جو ہے اسے جانتا ہے اور کسی نفس کو یہ معلوم نہیں کہ وہ کل کیا کمائے گا، نہ کسی کو یہ معلوم ہے کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔ بے شک اللہ خوب جاننے والا، بہت باخبر ہے۔''

۲۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَفَاتِحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ : ﴿ إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ، وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ، وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا، وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ، إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴾

[صحيح بخاري، كتاب التفسير، باب عنده مفاتح الغيب لا يعلمها الا هو: ٤٦٢٧]

''غیب کی کنجیاں پانچ ہیں (جن کی تفصیل درج ذیل ہے) بلا شبہ اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم، وہ بارش نازل کرتا ہے اور وہی جانتا ہے جو ماؤں کے پیٹوں میں ہے اور کسی نفس کو معلوم نہیں وہ کل کیا کمائے گا اور کسی جان کو علم نہیں وہ کسی زمین میں فوت ہوگی۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت جاننے والا بڑا باخبر ہے۔''

۳۔ حدیث جبریل علیہ السلام میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ غیبی امور جن کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے، بے شک قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے اور وہ بارش برساتا ہے اور وہ جانتا ہے

جو ماؤں کے رحموں میں ہے (سے لے کر آخر تک) [صحیح بخاری:۴۷۷۷]

فوائد:

مذکورہ بالا دلائل سے ثابت ہوا کہ ان پانچ غیبی امور کا قطعی اور یقینی علم صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہے، اس کے علاوہ ان غیبی امور کے یقینی وقطعی علم سے کوئی واقف نہیں اور جن لوگوں کا دعویٰ ہے کہ وہ رحم مادر میں بچے کی جنسیت اور بارش برسنے سے قبل از وقت مطلع ہو جاتے ہیں۔ یہ تمام دعوے محض ظن وتخمینہ اور ذاتی تجربات پر موقوف ہیں، کیونکہ بارہا ایسا ہو چکا ہے اور یہ سلسلہ تا حال جاری ہے کہ بچے کے مذکر ومؤنث کے بارے میں اسپیشلسٹ ڈاکٹرز کی اطلاعات غیر معیاری اور حقیقت کے مخالف ثابت ہوئی ہیں۔

اگر الٹرا ساؤنڈ مشینوں اور جدید طبی آلات سے جنس جنین کا سو فیصد صحیح علم ہو تو ایسی فاش غلطیوں کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ جب کہ لیڈی ڈیانا کے پہلے بچے کی پیدائش پر تمام سینئرز ڈاکٹر نے اس کے ہاں بیٹی کی ولادت کی پیشین گوئی کی تھی حالانکہ اس نے ڈاکٹرز کی رپورٹس کے برعکس بیٹے کو جنم دیا تھا۔ اسی طرح بے نظیر بھٹو کے ہاں پہلی بچی پیدا ہونے والی تھی تو ماہر ڈاکٹروں نے الٹرا ساؤنڈ مشینوں کی مدد سے یہ مژدہ سنایا تھا کہ ان کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا جب کہ ان کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی تھی۔ ملتان سے میرے دوست کے ہاں بچے کی پیدائش سے قبل ڈاکٹروں نے تینوں رپورٹوں میں متضاد بیان دیے۔ پہلی رپورٹ میں تھا کہ بیٹی ہوگی، دوسری رپورٹ میں بیٹے کی خوش خبری دی گئی اور تیسری رپورٹ میں کہا گیا کہ بیٹی ہوگی وہ ولادت سے قبل بیٹی کی پیدائش کا مکمل ذہن بنا چکے تھے کہ پیدائش کے بعد معلوم ہوا کہ نومولود بیٹا ہے۔ اسی طرح میرے ایک دوست نے اپنا ذاتی واقعہ بیان کیا کہ اس کے ہاں دوسرا بیٹا پیدا ہوا تو اس کی پیدائش سے قبل ڈاکٹر حضرات نے الٹرا ساؤنڈ کے بعد اطلاع دی تھی کہ بیٹی پیدا ہوگی، وہ بیان کرتے ہیں ہم آپریشن کے وقت گھر سے

بچی کے کپڑے بنوا کر لے گئے تھے، لیکن پیدائش کے بعد علم ہوا کہ مہمان تو بچہ ہے۔ پھر ظلم و بربریت کی یہ مثالیں تو گاہے بگاہے اخبارات میں آتی رہتی ہیں کہ کئی بچیوں کے والدین کو الٹرا ساؤنڈ مشینوں کی مدد سے یہ اطلاع ملتی ہے کہ رحم مادر میں پروان چڑھنے والا حمل جنس مؤنث ہے تو یہ غم ناک خبر سن کر وہ رحم کی صفائی کرواتے اور جنین کو ضائع کرا دیتے ہیں پھر یہ خبر پہلی خبر سے بھی اندوہ ناک ہوتی ہے۔ جب ان پر یہ آشکارا ہوتا ہے کہ ضائع حمل لڑکی نہیں بلکہ لڑکا تھا، لیکن ''اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت'' کے مصداق کف افسوس ملنے اور اس جرم پر واویلا کرنے کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔

قول فیصل:

راجح قول کے مطابق تین چیزوں کا قطعی علم نہ کسی فرشتے کو ہے نہ کسی نبی و رسول کو اور نہ کسی ولی وغیرہ۔ یہ غیبی امور درج ذیل ہیں۔

۱۔ قیامت کا علم ۔ ۲۔ آئندہ روز کیا کمائے گا ۔ ۳۔ کس زمین پر موت واقع ہوگی ۔ یہ غیبی امور کا قطعی اور یقینی علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے، باقی بارش کے نزول کا وقت اور رحم مادر میں جنین کی تذکر و تانیث کا قطعی اور کامل علم اللہ تعالیٰ کے پاس اس وقت تک محدود ہوتا ہے، جب تک اللہ تعالیٰ بارش کے نزول کا وقت اور جنین کے تذکیر و تانیث کا حکم مقررہ فرشتوں کو جاری نہیں کرتے ہیں، چنانچہ جب ان چیزوں کی اطلاع متعلقہ فرشتوں کو دی جاتی ہے تو فرشتوں کے ساتھ دیگر مخلوق کو بھی ان چیزوں کا علم ہوسکتا ہے۔ دلائل کی رو سے یہی موقف راجح معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ عربی قواعد کی رو سے مَا فِي الْأَرْحَامِ کا تعلق جنین میں روح پھونکے جانے سے پہلے کا ہے، جب اس میں روح پھونک دی جائے تو یہ ''ما'' کی حدود سے نکل جاتا ہے اور جب بچے میں روح پھونک دی جائے تو اس کے بعد فرشتے اور ڈاکٹرز وغیرہ بچے کی

جنسیت کا علم ہو جاتا ہے۔

۲۔ ان پانچ امور کے متعلق حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی تفسیر قول فیصل کی حیثیت رکھتی ہے اور موجودہ دور میں عوام الناس میں اس آیت کے متعلق پائے جانے والے شکوک و شبہات کا خوب ازالہ کرتی ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

((هَذِهِ مَفَاتِيْحُ الْغَيْبِ الَّتِيْ اَسْتَأْثَرَ اللهُ تَعَالَى بِعِلْمِهَا فَلاَ يَعْلَمُهَا بَعْدَ إِعْلاَمِهِ تَعَالَى بِهَا فَعِلْمُ وَقْتِ السَّاعَةِ لاَ يَعْلَمُهُ نَبِيٌّ مُرْسَلُ وَلاَ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلاَ يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَا إِلاَّ هُوَ (الأعراف : ١٨٧) وَلِذَلِكَ إِنْزَالُ الْغَيْثِ لاَ يَعْلَمُهُ إِلاَّ هُوَ ، وَلٰكِنْ إِذَا أَمَرَ بِهِ عَلِمَتْهُ الْمَلاَئِكَةِ الْمُوَكَّلُوْن بِذٰلِكَ وَ مَنْ شَأَ مِنْ خَلْقِهِ، وَ كَذَلِكَ لاَ يَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ مِمَّا يُرِيْدُ أَنْ يَخْلُقَهُ اللهُ تَعَالَى سِوَاهُ ، وَلٰكِنْ إِذَا أَمَرَ بَكَوْنِهِ ذَكَرًا أَوْ أَنْثٰى أَوْ شَقِيًّا أَوْ سَعِيْدًا، عَلِمَ الْمَلاَئِكَةُ الْمُوَكَّلُوْنَ بِذِلِكَ وَ مَنْ شَآءَ مِنْ خَلْقِهِ، وَكَذَلِكَ لاَ تدْرِى نَفْسٌ مَا ذَا تَكْسِبُ غَدًا فِيْ دُنْيَاها وَ أُخْراهَا وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوْتُ فِي بَلَدِها أَوْ غَيْرِهِ مِنْ أَيِّ بِلاَدٍ ، كَانَ لاَ عَلِم لأَحَدٍ بِذٰلِكَ))

''یہ پانچ چیزیں غیب کی ان کنجیوں سے ہیں، جن کے علم کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو ترجیح دی ۔ چنانچہ ان چیزوں کا کوئی علم نہیں رکھتا، اللہ تعالیٰ بتا دیں تو کسی ذی روح کو علم ہوسکتا ہے ۔ قیامت کے علم کے بارے میں نہ تو کوئی رسول

جانتا ہے اور نہ کوئی مقرب فرشتہ اس سے آگاہ ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ﴾ [الاعراف:۱۸۷]

''قیامت کے وقت کو اللہ ہی ظاہر کرے گا۔''

(یعنی قیامت کے ظہور کا کلی علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، کسی نبی، ولی، فرشتے کو ظہور قیامت کے وقت کا کوئی علم نہیں) اسی طرح نزول بارش کا علم اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ البتہ جب وہ نزول بارش کا حکم دیتا ہے تو بارش کی ڈیوٹی پر عائد فرشتے اور مخلوق میں اللہ تعالیٰ جسے چاہے انھیں بارش کے نزول کے وقت کا پتا چل جاتا ہے۔ (یعنی نزول بارش کے وقت متعلق حکم ربانی سے فرشتے اور محکمہ موسمیات والے قطعاً مطلع نہیں ہوتے اور جب اللہ تعالیٰ بارش کے نزول کا حکم دے دیں اس وقت یہ غیب رہتا ہی نہیں) ایسے ہی رحم مادر میں جنین جس کی تخلیق کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کرتے ہیں (اس کے مذکر و مؤنث، زندہ و مردہ) صحیح الاعضاء یا معذور، خوش شکل یا بدشکل اور خوش بخت یا بد بخت ہونے کے بارے میں اللہ کے سوا کوئی کچھ نہیں جانتا، لیکن جب وہ (رحم مادر پر ذمہ دار فرشتے کو) جنین کے مذکر و مؤنث، متقی و سعید ہونے کا حکم دیتا ہے تو ان چیزوں کا علم فرشتوں اور مخلوق میں سے جسے اللہ چاہے اسے اس کا علم ہو سکتا ہے۔ (یعنی چار ماہ کے حمل سے پہلے جنین کے بارے مکمل علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہوتا ہے کہ یہ مذکر ہوگا یا مؤنث، متقی ہوگا یا سعید، وغیرہ وغیرہ) اور جب بچے میں روح پھونک دی جائے تو اس کے مذکر و مؤنث اور خوش قسمت و نامراد وغیرہ ہونے کا فرشتے کو حکم دیا جاتا ہے تو وہ غیب کی خبر رہتی ہی نہیں، اس لیے روح کے پھونکے جانے کے بعد الٹرا ساؤنڈ مشینوں

اور جدید طبی آلات سے بچے کے مذکر و مؤنث کی معلومات حاصل کرنا یہ غیب کی خبر ہے ہی نہیں اس لیے اہل مغرب کا یہ دعویٰ کہ ہم اس غیبی امر سے پردہ ہٹا چکے ہیں مزید تحقیق سے باقی غیبی امور سے بھی پردے ہٹ جائیں گے کتاب و سنت کے فہم و مراد سے قطعی ناواقفیت کا نتیجہ ہے اور ان سے متاثر عامۃ المسلمین کی کتاب وسنت کے دلائل سے متزلزل ایمان اور عدم وابستگی کا نتیجہ ہے) حالانکہ الٹراساؤنڈ مشینوں کے ذریعے دی جانے والی معلومات کا انحصار بھی ظن و تخمینے اور تجربات پر ہے۔ ایسے ہی کسی نفس کو معلوم نہیں کہ کل وہ دنیا و آخرت میں کیا حاصل کرے گا اور کسی بھی جان کو علم نہیں کہ اس کی موت کہاں واقع ہوگی۔ اپنے شہر میں یا کسی اور علاقے میں (ان آخری دو چیزوں) کا علم بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔'' [تفسیر ابن کثیر: ۳۵۲/۶]

جنین کے صحیح و سالم اور صالح ہونے کی دعا کرنا:

رحم مادر میں حمل کے قرار پانے کے بعد زوجین کو چاہیے کہ وہ اس کے نیک و صالح ہونے، سالم الاعضاء اور صحت مند و تندرست ہونے کی دعا کریں اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ حمل کے مراحل کو بحسن و خوبی پایہ تکمیل تک پہنچائے اور جنین کو رحم کی بیماریوں (اٹھرا) وغیرہ سے محفوظ و سالم رکھے اور اسے ظاہری و باطنی عوارض سے محفوظ رکھے۔ ان نیک دعاؤں سے زچہ و بچہ کو پیش آمدہ عوارض سے محفوظ بنایا جا سکتا ہے، لہٰذا زوجین خصوصی دعاؤں میں بچے کی صحت و تندرستی اور سلامتی کی دعا کریں۔ ایسی دعاؤں کی ترغیب قرآن حکیم کی آئندہ آیت سے ثابت ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ

اِلَيۡهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتۡ حَمۡلًا خَفِيۡفًا فَمَرَّتۡ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثۡقَلَتۡ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنۡ اٰتَيۡتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيۡنَ ﴾

[الأعراف: ۷/۱۸۹]

”(اللہ) وہ ذات ہے جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی کو بنایا تاکہ وہ اس سے سکون حاصل کرے، پھر جب اس نے اس سے ہم بستری کی تو اسے ہلکا سا حمل ہوا جسے وہ لیے پھرتی رہی، پھر جب وہ بوجھل ہوگئی تو وہ دونوں (زن و شو) اللہ سے جو ان کا رب ہے دعا کرنے لگے، اگر تو نے ہمیں سالم اولاد دی تو ہم ضرور شکر کرنے والوں سے ہوں گے۔“

لہٰذا دوران حمل زوجین کو بچے کی سلامتی اور مختلف عوارض سے حفاظت کی دعا کرتے رہنا چاہیے۔

پیٹ کے حمل کو وقف کرنا:

پیٹ کے حمل کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف کرنے کا ارادہ کرنا اور اسے دین کی سربلندی، غلبہ اسلام کے لیے استعمال کرنے اور دینی کاموں کے لیے محدود کرنے کی نذر ماننا جائز و مباح اور مستحب عمل ہے۔ بشرطیکہ سوچ پختہ، عزائم غیر متزلزل ہوں اور نذر ماننے والا مستقبل کی چکا چوند سے غیر متاثر ہو اور نفسانی خواہشات کا مقابلہ کرنے کی ہمت اور حوصلہ رکھتا ہو۔ اس صورت میں خدمت دین اور غلبہ اسلام کے جذبہ سے جنین کے وقف کی نیت کرنا درست ہے۔ اس کے جواز کی دلیل آئندہ آیت ہے:

﴿ اِذۡ قَالَتِ امۡرَاَتُ عِمۡرٰنَ رَبِّ اِنِّىۡ نَذَرۡتُ لَكَ مَا فِىۡ بَطۡنِىۡ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلۡ مِنِّىۡ ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴾

[آل عمران: ۳/۳۵]

”جب عمران کی بیوی نے کہا: اے میرے رب! میرے پیٹ میں جو کچھ ہے اس کو تیرے نام پر آزاد کرنے کی نذر مانی ہے، میری طرف سے (یہ نذر) قبول کر، بلاشبہ تو خوب سننے والا، بہت جاننے والا ہے۔“

فقہ التفسیر:

یہ آیت دلیل ہے کہ اولاد کو دین کے لیے وقف کرنا اور دوران حمل بچے کو اللہ کے نام پر آزاد و وقف کرنے کا ارادہ رکھنا جائز و مباح ہے۔ چنانچہ قاضی ابو یعلی رحمہ اللہ اپنی کتاب احکام القرآن میں بیان کرتے ہیں:

((هَذَا النَّذْرُ صَحِيْحٌ فِيْ شَرِيْعَتِنَا، فَإِنَّهُ إِذَا نَذَرَ الْإِنْسَانُ أَنْ يُنْشِئَ وَلَدَهُ الصَّغِيْرَ عَلَى عِبَادَ اللهِ وَطَاعَتِهِ، وَ أَنْ يُعَلِّمَ الْقُرْآنَ والْفِقْهَ وَ عُلُوْمَ الدِّيْنِ صَحَّ النَّذْرُ، وَ هَذَا الَّذِى قَالَهُ حَقٌّ، فَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيْعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ)) [1]

[فتح الباری لابن رجب: ۵۳۵/۲]

”شریعت اسلامیہ میں ایسی (اولاد کو وقف کرنے کی) نذر درست ہے۔ چنانچہ جو شخص یہ نذر مانے کہ وہ اپنے چھوٹے بچے کی تربیت عبادت و اطاعت الٰہیہ پر کرے گا اور وہ اپنے چھوٹے بچے کو قرآن، فقہ اور علوم دین کی تعلیم دے گا تو ایسی نذر ماننا صحیح ہے۔ حافظ ابن رجب کہتے ہیں یہی موقف برحق ہے کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے (جو اس بات کی تائید کرتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے تو وہ اس کی اطاعت کرے۔“

---

[1] صحیح بخاری: ۶۶۹۶۔

جدید طبی آلات سے حاملہ کا معائنہ:

اگر حاملہ رحم کے امراض میں مبتلا ہے، یا حمل کی پرورش اور افزائش صحیح نہ ہو رہی ہو یا حاملہ کو حمل کے مسائل کا مسئلہ درپیش ہو تو حفظ ما تقدم کے تحت امراض کی نوعیت جانچنے اور ان کے ممکنہ علاج کے تحت الٹرا ساؤنڈ مشینوں اور جدید طبی آلات سے کسی ماہر ڈاکٹر سے معائنہ کرانا جائز ہے۔ شریعت میں اس کی ممانعت وارد نہیں ہوئی، بلکہ بیماریوں کے علاج کی ترغیب وارد ہے، لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ لیڈی ڈاکٹر کی دستیابی کی صورت میں بلا وجہ کسی مرد ڈاکٹر سے معائنہ کرانے سے اجتناب برتا جائے، پھر حمل لڑکا ہو گا یا لڑکی یہ معلومات حاصل کرنے کے فضول شوق کی غرض سے پیسے خرچ کرنا اور ڈاکٹروں کے سامنے اپنا آپ ظاہر کرنا حماقت اور بیوقوفی کے سوا کچھ نہیں۔ لہٰذا یہ فضول شوق سے پرہیز بہتر ہے۔

ناتمام بچے کے مسائل

۱۔ ناتمام بچے کے ضیاع پر صبر کرنا:

اگر حمل کی مدت مکمل ہونے سے قبل حمل ضائع ہو جائے اور قبل از تخلیق ناتمام بچے کی موت کے صدمہ سے دو چار ہونا پڑے تو صبر کا دامن تھامنا، مشیت و رضائے الٰہی پر راضی ہونا اور طلب ثواب کی نیت سے حوصلہ و برداشت سے کام لینا چاہیے۔ کیونکہ رحم مادر میں حمل کا ضیاع اور تکمیل مدت سے قبل حمل کا نقصان اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادے کے تحت ہے۔ ایسے مصائب سے فرار ناممکن ہے، سو ایسی صورت میں صبر ہی بہتر نتائج کا حامل ہوسکتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ﴾ [الرعد:۱۳/۸]

”اللہ تعالیٰ جانتا ہے اس چیز کو جو ہر مؤنث حمل اٹھاتی ہے اور ارحام جو کمی بیشی کرتے ہیں (اس کا بھی علم رکھتا ہے) اور ہر چیز اس کے پاس اندازے کے مطابق ہے۔“

بعض مفسرین نے ”تغیض الارحام“ کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ اس سے مراد حمل کی مدت مکمل ہونے سے قبل عورت کا مردہ بچہ ساقط کرنا ہے۔ چونکہ یہ صدمہ بھی مشیت الٰہی کے تحت ہے، اس لیے اس پریشانی سے دو چار جوڑے کو صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتے

ہوئے طلب وثواب کی نیت رکھنی چاہیے۔

ناتمام بچے کی نماز جنازہ:

اگر ضائع ہونے والے بچے کی عمر چار ماہ سے زیادہ ہو تو اسے غسل دینا، کفن پہنانا، اورنماز جنازہ کا اہتمام کرنا جائز ومسنون ہے۔ دلائل حسب ذیل ہیں:

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((الرَّاكِبُ يَسِيرُ خَلْفَ الْجَنَازَةِ والْمَاشِيْ يَمْشِيْ خَلْفَهَا وَ أَمَامَهَا، وَ عَنْ يَمِيْنِهَا وَ عَنْ يَسَارِهَا قَرِيْبًا مِنْهَا، وَالسِّقْطُ يُصَلَّىٰ عَلَيْهِ، وَ يُدْعَى لِوَالِدَيْهِ بِالْمَغْفِرَةِ وَالرَّحْمَةِ))

[سنن أبو داؤد : ٣١٨٠، جامع ترمذی :١٠٣١، سنن نسائی :١٩٥٠، سنن ابن ماجه:١٥٠٧]حسن

''سوار جنازے کے پیچھے چلے اور پیادہ اس کے پیچھے، آگے اور دائیں، بائیں اس کے قریب چل سکتا ہے اور ناتمام بچے کی نماز جنازہ پڑھائی جائے اور اس کے والدین کے لیے بخشش اور رحمت کی دعا کی جائے۔''

فقہ الحدیث:

① یہ حدیث دلیل ہے کہ ناتمام بچے کی نماز جنازہ پڑھنا مشروع ہے اور اس سے مراد وہ جنین ہے جو چار ماہ کی مدت پوری کر چکا ہے۔ کیونکہ چار ماہ کی مدت کے بعد حمل میں روح پھونکی جاتی ہے اور اس صورت ہی میں وہ میت قرار پاتا ہے۔ چنانچہ علامہ البانی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں۔

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ ناتمام بچے کی نماز جنازہ اسی صورت میں پڑھی جائے گی، جب اس میں روح پھونک دی گئی ہو پھر وہ فوت ہو۔ اس کے چار ماہ مکمل ہونے پر

روح پھونکی جاتی ہے، لیکن اگر وہ اس مدت سے قبل فوت ہو جائے تو اس کی نماز جنازہ مشروع نہیں کیونکہ یہ میت ہے ہی نہیں جیسا کہ یہ حقیقت عیاں ہے اور اس کا مداوا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی آئندہ مرفوع روایت میں ہے۔ تمھاری پیدائش کی تیاری ماں کے پیٹ میں چالیس دن (منی کی شکل میں) جمع ہوتی ہے۔ پھر وہ اتنی مدت جما ہوا خون ہوتا ہے۔ پھر اتنی مدت خون کا لوتھڑا رہتا ہے۔ پھر اس کی طرف فرشتہ بھیجا جاتا ہے اور اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔

(متفق علیہ)[احکام الجنائز وبدعہا ص:۸۱]

② کچھ علماء کا قول ہے کہ جب نا تمام بچے کی تخلیق مکمل ہو چکی ہو تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، خواہ وہ وقت ولادت نہ چیخے، احمد اور اسحاق کا بھی یہی موقف ہے۔

امام خطابی رحمہ اللہ معالم السنن میں بیان کرتے ہیں۔ نا تمام بچے کی نماز جنازہ پڑھنے کے متعلق لوگوں کا اختلاف ہے، چنانچہ ابن عمر سے مروی ہے کہ وہ نا تمام بچے کی نماز جنازہ پڑھا کرتے تھے، اگرچہ اس نے ولادت کے وقت چیخ نہ ماری ہو۔ ابن سیر ین اور سعید بن مسیب کا بھی یہی قول ہے اور احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کا قول ہے کہ ہر وہ حمل جس میں روح پھونک دی گئی ہو اور مدت حمل چار ماہ دس دن ہو چکی ہو، اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ [تحفۃ الاحوذی:۱۰۲/۴]

نیز جس روایت میں وضاحت ہے کہ مردہ بچے کی نماز تب پڑھی جائے گی جب وہ پیدائش کے وقت زندہ ہو پھر ایک یا کچھ سانس لینے کے بعد فوت ہو، ضعیف اور نا قابل احتجاج ہے۔ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلطِّفْلُ لاَ يُصَلَّى عَلَيْهِ وَلاَ يَرِثُ وَلاَ يُوْرَثُ حَتَّى يَسْتَهِلَّ))

[جامع ترمذی:۱۰۳۲، سنن ابن ماجہ:۲۷۵۰، مستدرک حاکم:۳۴۹/۴]

ضعیف ابوزبیر مکی کی تدلیس ہے۔

مردہ بچے کا نام رکھنا:

عوام الناس میں یہ بات مشہور ہے کہ نا تمام مردہ بچے کا بھی نام رکھنا چاہیے تا کہ روز قیامت مردہ اولاد کی نشاندہی ممکن ہے، یہ محض قیاس آرائیاں اور مفروضے ہیں۔ حالانکہ ناتمام بچے کا نام رکھنے کے لیے ہمیں شریعت سے راہنمائی درکار ہے، جب کہ دلائل شریعہ کی رو سے نا تمام بچے کا نام رکھنے کے بارے میں کوئی صریح دلیل موجود نہیں۔ لہٰذا مردہ بچے کا نام تجویز کرنے اور کسی متعین نام سے موسوم کرنا ثابت نہیں ۔ نیز جن روایات میں مردہ بچوں کا نام رکھنے کا حکم یا ترغیب ہے وہ تمام روایات ضعیف و نا قابل احتجاج ہیں۔

① ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((سَمُّوْا أَسْقَاطَكُمْ فَإِنَّهُمْ مِنْ أَفْرَاطِكُمْ))

[معجم ابن عساکر:۲/۲۴۹/۱۲، الضعیفه:۲۰۰۶] موضوع

یہ روایت من گھڑت ہے۔ اس میں بختری بن عبید متھم بالکذب اور وضاع ہے۔ ابونعیم، حاکم اور نقاش کہتے ہیں یہ عن أبیہ عن ابی ہریرہ کی سند سے موضوع روایات نقل کیا کرتا تھا۔

[الضعیفه:۱۹/۵]

② عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتی ہیں:

((أَسْقَطْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمَّاهُ عَبْدَ اللهِ وَ كَنَّانِيْ بِأُمِّ عَبْدِ اللهِ))

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا حمل ضائع ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نا تمام بچے) کا نام عبداللہ رکھا اور میری کنیت ام عبداللہ رکھی۔ محمد بن عروہ (راوی حدیث) بیان کرتے ہیں۔ ہمارے خاندان میں جس بھی عورت کا نام عائشہ ہوتا اسے ام عبداللہ کنیت سے موسوم کیا جاتا ہے۔

[عمل اليوم والليلة لابن السنى:۴۱۶، اللآلى المصنوعة:۳۷۲/۱، كتاب

الموضوعات لابن الجوزی: ۹/۲، الضعفة: ۱۳۷/۴] موضوع

''ابن جوزی ؒ بیان کرتے ہیں یہ حدیث من گھڑت ہے۔ ابو حاتم ابن حبان کہتے ہیں: محمد بن عروہ بن ہشام اپنے دادا ہشام سے وہ روایات بیان کرتے ہیں، جو ان کی روایات ہیں ہی نہیں۔ لہٰذا اس سے احتجاج کرنا درست نہیں اور ابن حبان کہتے ہیں: داؤد بن محبر ثقہ راویوں کی طرف موضوع روایات منسوب کرتا ہے اور مجہول راویوں سے مقلوب روایات نقل کرتا ہے اور امام احمد کہتے ہیں یہ کذاب راوی ہے۔''

[کتاب الموضوعات: ۹/۲، اللآلی المصنوعة: ۴۷/۱]

مردہ بچے کو کہاں دفن کیا جائے:

مردہ بچے کو مسلمانوں کے قبرستان میں ہی دفن کیا جائے گا، کیونکہ مردوں کو قبرستان میں دفن کرنا ہی مشروع ہے۔ لیکن کچھ لوگ ناتمام بچوں کو قبرستان میں دفن کرنے کے بجائے کسی ویرانے یا قبرستان کے علاوہ گھر میں یا کسی اور جگہ دفنانے پر زور دیتے ہیں۔ جب کہ یہ عمل کتاب وسنت کے دلائل سے کہیں بھی ثابت نہیں۔ لہٰذا دیگر مردوں کی طرح ناتمام بچوں کو بھی قبرستان ہی میں دفن کیا جائے گا۔

اسقاط حمل

کسی شرعی عذر (مثلاً عورت کا حاملہ ہونا اس کے لیے جان لیوا ثابت ہو، عورت وضع حمل کی سکت نہ رکھتی ہو، عورت کا حاملہ ہونا زچہ و بچہ دونوں کے لیے مہلک ہو وغیرہ) کے بغیر رحم مادر میں حمل ٹھہرنے کے بعد حمل کو ساقط کرنا جائز نہیں۔ حمل کے چار ماہ مکمل ہونے سے قبل کچھ علماء نے اسقاط حمل کو جائز قرار دیا ہے، لیکن اس مدت میں بھی زیادہ محتاط موقف یہی ہے کہ بلا ضرورت شرعی حمل ساقط نہ کیا جائے۔ اس بارے میں حافظ ابن رجب حنبلی رقم طراز ہیں:

((وَ قَدْ رَخَّصَ طَائِفَةٌ مِنَ الْفُقَهَاءِ لِلْمَرْأَةِ فِي إِسْقَاطِ مَا فِيْ بَطْنِهَا مَا لَمْ يُنْفَخْ فِيْهِ الرُّوْحُ، وَجَعَلُوْهُ كَالْعَزْلِ، وَهُوَ قَوْلٌ ضَعِيْفٌ لِأَنَّ الْجَنِيْنَ وَلَدٌ الْعَقَدَ وَ رُبَّمَا تَصَوَّرَ انْعِقَادُهُ بِالْعَزْلِ إِذَا أَرَادَ اللّٰه خَلْقَهُ كَمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا سُئِلَ عَنِ الْعَزْلِ، قَالَ: لَا عَلَيْكُمْ أَنْ تَعْزِلُوْا، إِنَّهُ مَا مِنْ نَفْسٍ مَنْفُوْسَةٍ إِلَّا أَنَّ اللّٰه خَالِقُهَا))

[صحیح بخاری:۲۲۲۹، صحیح مسلم:۱۴۳۸]

"فقہاء کی ایک جماعت نے عورت کو اس وقت تک اسقاط حمل کی اجازت دی

ہے جب تک حمل میں روح نہ پھونکی گئی ہو اور (جنین میں روح پھونکنے سے قبل حمل کو) عزل کی مثل قرار دیا جائے، جب کہ فقہاء کا یہ قول کمزور ہے، کیونکہ جنین (حمل میں) بچے کی پیدائش کی بنیاد پڑ چکی ہوئی ہے اور عزل کی صورت میں بھی بعض اوقات اللہ تعالیٰ کا بچے کی پیدائش کا ارادہ ہو تو اس کی تخلیق بھی متصور ہوتی ہے۔''

جیسا کہ نبی ﷺ سے جب عزل کے متعلق سوال ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''تم عزل نہ ہی کرو، کیونکہ جس نفس نے پیدا ہونا ہے اللہ تعالیٰ اسے ضرور پیدا کریں گے۔''

اور ہمارے اصحاب نے صراحت کی ہے کہ جب حمل علقہ (جمے ہوئے خون) کی شکل اختیار کر لے تو عورت کے لیے اسے گرانا جائز نہیں، کیونکہ نطفہ کے برعکس یہ بچے کی تخلیق کی صورت اختیار کر چکا ہے کیونکہ نطفہ نے ابھی تک پیدائش کی صورت اختیار نہیں کی ہوتی اور نہ بعد میں تخلیق کی شکل اختیار کرے گا۔ [جامع العلوم والحکم ص: ۶۰ا]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ راجح مؤقف کے نزدیک حمل کے کسی بھی مرحلہ میں اسقاط کی رخصت نہیں اور محتاط پہلو یہی ہے کہ حمل ٹھہرنے کے بعد اسے بلا عذر شرعی ضائع کرنے کی گنجائش نہیں، بلکہ جنین میں روح پھونکے جانے کے بعد تو بالاجماع اسقاط حمل حرام ہے۔

شیخ ابن عثیمین کی آئندہ عبارت اس مسئلہ کی بہترین تعبیر و توضیح ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

''جنین میں روح پھونکے جانے کے بعد اسقاط حمل حرام ہے، کیونکہ یہ جان کو ناحق قتل کرنا ہے اور کتاب و سنت کے دلائل اور اجماع کی رو سے حرام جان کو قتل کرنا بالکل حرام ہے۔ لیکن اگر جنین میں روح پھونکنے سے قبل اسقاط ہو تو اس کے جواز میں علماء کا اختلاف ہے۔

چنانچہ کچھ علماء نے اسے ممنوع قرار دیا ہے اور بعض علماء کا قول ہے کہ اس وقت تک حمل کو ضائع کرنا جائز ہے، جب تک وہ علقہ (جمے ہوئے خون) کی شکل اختیار نہ کر چکا ہو، یعنی حمل کی مدت چالیس ایام نہ ہو اور بعض علماء کا موقف ہے کہ جب تک حمل میں تخلیق کے آثار ظاہر نہ ہوں (یعنی نفخ روح نہ ہو) اس وقت تک اسقاط جائز ہے۔ لیکن زیادہ محتاط موقف یہ ہے کہ اسقاط حمل ممنوع ہے، اِلَّا کہ کوئی عارضہ لاحق ہو، مثلاً حاملہ بیمار ہو اور حمل اٹھانے کی سکت نہ رکھتی ہو، اس صورت میں اس شرط پر اسقاط جائز ہے کہ حمل میں تخلیق کے آثار (یعنی نفخ روح) نمایاں نہ ہو، نفخ روح کی صورت میں اسقاط حمل ممنوع ہے۔

[الدماء الطبيعية للنساء: ص ۴۴، ۴۵]

جنین میں نفخ روح کے بعد بالا اتفاق اسقاط حمل حرام ہے، کیونکہ اس حالت میں جنین زندہ نفس کی شکل اختیار کر چکا ہوتا ہے اور کسی بھی زندہ جان کو ناحق قتل کرنا حرام ہے۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾

[الأنعام: ۶/۱۵۱، الاسراء: ۱۷/۳۳]

''اور ایسی جان کو ناحق قتل نہ کرو، جسے مارنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔''

۲۔ آئندہ حدیث میں سات مہلک گناہوں کا ذکر ہے جن میں سے ایک ناحق قتل کرنا ہے۔ لہٰذا اسقاط حمل سے قبل اس فعل کی شناعت کا تصور کیا جائے تو کوئی بھی صحیح العقیدہ مسلمان اس جرم قبیح کا مرتکب نہ ہوگا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ قَالُوا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! وَمَا هُنَّ ؟

قَالَ : الشِّرْكُ بِاللّٰهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلاَّ بِالْحَقِّ، وَأَكْلُ الرِّبَا، وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ، وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلاَتِ))

''سات مہلک گناہوں سے اجتناب کرو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ کون سے گناہ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، کسی جان کو ناحق قتل کرنا، جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، لڑائی کے دن پشت دکھانا اور پاک باز غافل مومن عورتوں پر تہمت لگانا۔''

[صحیح بخاری:٢٧٦٦، صحیح مسلم:٨٩]

نیز اولاد کے قتل حق سے ممانعت خواتین و حضرات کی بیعت کا بنیادی عنصر تھا، چنانچہ عورتوں سے بیعت کے حکم میں اللہ تعالیٰ نے بیعت کی درج ذیل شرائط کا ذکر فرمایا، جن میں اولاد کی قتل سے ممانعت بھی شامل ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾

[الممتحنہ:١٢/٦٠]

''اے نبی! جب تیرے پاس مومن عورتیں آئیں تو وہ اس بات پر تیری بیعت کریں کہ وہ اللہ کے سوا کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گی اور چوری نہ کریں گی اور زنا کا مرتکب نہ ہوں گی اور اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی اور ایسا بہتان نہ باندھیں گی جسے انھوں نے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان سے گھڑا ہو اور کسی بھی نیک

کام میں تیری نافرمانی نہ کریں گی پس (ان شرائط پر) ان سے بیعت لیجیے اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کیجیے۔ بلا شبہ اللہ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

نیز انھی شرائط پر نبی کریم ﷺ نے مرد صحابہ سے بھی بیعت لی۔ چنانچہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب کہ آپ ﷺ کے گرد صحابہ کی ایک جماعت جلوہ افروز تھی، ارشاد فرمایا:

((بَايِعُونِي عَلَى أَنْ لاَ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا، وَلاَ تَسْرِقُوا، وَلاَ تَزْنُوا، وَلاَ تَقْتُلُوا أَوْلاَدَكُمْ، وَلاَ تَأْتُوا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُونَهُ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ، وَلاَ تَعْصُوا فِي مَعْرُوفٍ، فَمَنْ وَفَى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا ثُمَّ سَتَرَهُ اللَّهُ فَهُوَ إِلَى اللَّهِ، إِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَإِنْ شَاءَ عَاقَبَهُ، فَبَايَعْنَاهُ عَلَى ذَلِكَ))[صحيح بخاری : ١٨]

''تم ان باتوں پر میری بیعت کرو کہ تم اللہ کے سوا کسی کو شریک نہ کرو گے، چوری نہ کرو گے، زنا کا ارتکاب نہ کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے، ایسا بہتان نہ باندھو گے جو تم نے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان گھڑا ہو اور نیکی کے کسی کام میں نافرمانی نہ کرو گے، سو تم میں سے جس نے یہ عہد نبھایا اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے اور جو اس میں سے کسی کام کا مرتکب ہوا اور دنیا میں اس کی سزا دیا گیا تو یہ اس کے لیے کفارہ ہے اور جس نے ان میں سے کسی کام کا ارتکاب کیا پھر اللہ

تعالیٰ نے اس پر پردہ ڈالا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، اگر چاہے تو اسے معاف کر دے اور اگر چاہے تو اسے سزا دے گا، چنانچہ اس عہد پر ہم نے آپ ﷺ کی بیعت کی۔"

درج بالا دلائل بین ثبوت ہیں کہ نفخ روح کے بعد اسقاط ناجائز و حرام ہے اور مغربی پراپیگنڈہ سے متاثر ہو کر اس حرام فعل کے مرتکب ہو کر آخرت کو برباد نہیں کرنا چاہیے۔

زنا سے ٹھہرنے والے حمل کو ضائع کرنا:

اگر زنا کی وجہ سے زانیہ حاملہ ہو جائے تو زنا سے تولد حمل کا اسقاط حرام ہے۔ موجودہ دور میں مغربی ممالک میں ایسے کیسز کی بہتات ہے کہ زنا کے ارتکاب کے بعد زنا کی وجہ سے حاملہ ہونے والی عورت کے حمل ضائع کر دیے جاتے ہیں، کیونکہ زانی جوڑے کو صرف جنسی تلذذ سے واسطہ ہوتا اور اولاد اور حمل سے سخت نفرت ہوتی ہے۔ چنانچہ یورپی ممالک کے جنسی جراثیم اسلامی ممالک میں بڑی تیزی سے پھیل رہے ہیں، سو مغربی ممالک کی تقلید میں اسلامی ممالک میں بھی روشن خیالی، مخلوط تعلیم اور جنسی آزادی کی آڑ میں فحاشی و عریانی اور زنا کاری کی بہتات ہو چکی ہے۔ پھر چونکہ زانی جوڑے کی رغبت صرف جنسی تسکین تک ہوتی ہے، سو زانی مرد اور عورت زنا سے قرار پانے والے حمل کے تدارک کے لیے منع حمل کی کئی تدبیریں اختیار کرتے ہیں اور پھر بھی مؤنث کو حمل ٹھہر جائے تو اسقاط حمل کی ادویات وغیرہ سے فوراً رحم کی صفائی کی جاتی ہے اور اگر حمل کو چار پانچ چھ ماہ بھی ہو چکے ہوں تو ہر ممکن طریقے سے حمل ضائع کر دیا جاتا ہے اور خاندان کو بدنامی سے بچانے کے لیے دین سے وابستہ لوگ بھی زانیہ کے حمل کو گرانے میں عار محسوس نہیں کرتے۔ یاد رکھیں! زنا کا ارتکاب سنگین جرم ہے، لیکن اس سے بڑا جرم زانیہ کا حمل گرانا اور جنین کو ناحق قتل کرنا ہے، جس پر سنگین سزا وارد ہے۔ لہٰذا دنیا کی بدنامی اور روسیاہی سے بچنے کے لیے رب تعالیٰ

کو ناراض کرنا، شرعی حدود توڑنا اور غیرت کے نام پر معصوم جان کو ناحق قتل کرنا سنگین جرم اور آخرت میں ہلاکت کا باعث ہے۔ چنانچہ ایسی صورت حال میں بھی شرعی تعلیمات کو ملحوظ رکھنا چاہیے اور محض دنیوی کمائی کی خاطر ڈاکٹروں، نرسوں اور دائیوں کو ایسے فعل سے اجتناب کرنا چاہیے اور اسقاط حمل کے معاملہ میں بالکل تعاون نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾

[المائدۃ:۵/۲]

''اور نیکی اور تقویٰ پر باہمی تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کا تعاون مت کرو۔''

نیز شرعی اعتبار سے زنا کا حمل ساقط کرنا اور جنین کو ناحق قتل کرنا حرام ہے، جیسا کہ گزشتہ دلائل سے ثابت ہے اور اس کی مزید تفصیل آئندہ روایت میں منقول ہے۔ بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غامدی عورت نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے، مجھے پاک کر دیجیے، آپ ﷺ نے اسے واپس بھیج دیا۔ پھر اگلے دن (وہ آئی اور) عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ مجھے واپس کیوں بھیج رہے ہیں، لگتا ہے آپ مجھے یوں ٹال رہے ہیں، جیسے آپ ﷺ نے ماعز رضی اللہ عنہ کو ٹالا تھا، حالانکہ اللہ کی قسم! میں (زنا کے سبب) حاملہ ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ابھی نہیں، تو چلی جا (اس وقت تک حد قائم نہ ہوگی) جب تک تو اسے جنم نہ دے لے، راوی کہتے ہیں، پھر جب اس نے بچے کو جنم دیا تو وہ عورت بچے کو ایک کپڑے میں لے کر حاضر ہوئی اور کہا: میں اس بچے کو جنم دے چکی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: واپس جا، اسے دودھ پلا، حتیٰ کہ اسے دودھ چھڑا لے۔ پھر جب اس نے اسے دودھ چھڑایا تو وہ بچے کو لے کر حاضر ہوئی، جب کہ بچے کے ہاتھ

میں روٹی کا ٹکڑا تھا، اس عورت نے کہا اے اللہ کے نبی ﷺ! یقیناً میں اسے دودھ چھڑا چکی ہوں اور اس نے کھانا شروع کر دیا ہے پھر آپ ﷺ نے وہ بچہ ایک مسلمان کو دیا اور اس عورت کے متعلق (رجم کا) حکم دیا اور اس کے سینے تک گھڑا کھودا گیا، پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا تو انھوں نے اسے رجم کیا۔ اس دوران خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک پتھر لے کر آئے اور اس عورت کے سر پر دے مارا تو خون کے چھینٹے خالد رضی اللہ عنہ کے چہرے پر پڑے، اس پر انھوں نے عورت کو گالی دی۔ نبی ﷺ نے گالی سن لی اور فرمایا: ''خالد چھوڑیے، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس عورت نے اتنے خلوص سے توبہ کی ہے، اگر ایسی توبہ ٹیکس لینے والا کرے تو اس کی بھی معافی ہو جائے۔ پھر آپ ﷺ نے اس کے بارے میں (اس کی نماز جنازہ کا) حکم دیا، اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور اسے دفن کر دیا گیا۔
[صحیح مسلم: ۱۶۹۵]

فقہ الحدیث:

۱۔ ناجائز حمل کو ضائع کرنا اور معاشرے میں بدنامی کے ڈر سے ناجائز حمل اور بچوں کا بے دریغ قتل حرام فعل ہے، جس سے اجتناب لازم ہے۔ لہٰذا کسی صورت بھی ناجائز بچے کو قتل کرنا جائز نہیں، یہ ناحق قتل ہے جس کی کتاب و سنت میں سخت مذمت وارد ہوئی ہے۔

۲۔ امام نووی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں اس مسئلہ پر اجماع منقول ہے کہ حاملہ کو رجم نہیں کیا جائے گا، خواہ اس کا حمل زنا کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے ہو، اس خطرہ کے پیش نظر کہ جنین (پیٹ کا حمل) قتل نہ ہو جائے۔ [شرح النووی: ۱۱/ ۲۰۱]

لہٰذا کسی بھی صورت ناجائز حمل کو گرانا اور نفخ روح کے بعد ناجائز حمل کو قتل کرنا حرام فعل

ہے، اس سفا کی سے گریز کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونے سے ڈرنا چاہیے کہ اس قتل ناحق کا کیا عذر پیش کیا جائے گا۔ پھر اس معاملہ میں ڈاکٹروں اور نرسوں کو بھی تعاون سے اجتناب کرنا چاہیے کہ محض دنیاوی دولت کی خاطر وہ اتنے قبیح فعل کا مرتکب ہوتے ہیں، جن کی آخرت میں سخت سزا مقرر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب اور دردناک عذاب سے خوف کھاتے ہوئے اس سنگین جرم سے اجتناب لازم ہے۔

خاندانی منصوبہ بندی اور اسلام

مذہب اسلام نسل انسانی کے بقاء کا حامی اور کثرت نسل کا پر زور داعی ہے۔ معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((تَزَوَّجُوْا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ، فَإِنِّيْ مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ))

''تم بہت محبت کرنے والی، زیادہ بچے جننے والی عورت سے شادی کرو، کیونکہ میں تمھاری کثرت کے باعث (روز قیامت) دیگر امتوں پر فخر کروں گا۔''

[سنن أبو داؤد: ۲۰۵۰، سنن نسائی: ۳۲۲۹، معجم طبرانی کبیر: ۵۰۸، سنن بیہقی: ۸۱/۸] إسناده حسن

اس لیے مستقبل کی پیش بندیوں، بچے دو ہی اچھے کے بظاہر سہانے نعرے اور مختصر اولاد عورت کی صحت کے ضامن کے دل ربا خواب، یا کوئی بھی پروگرام تحدید نسل اور منصوبہ بندی کو سند جواز نہیں بخش سکتا۔ آئندہ سطور میں نسل کشی کی حرمت اور منصوبہ بندی کے جواز میں دیے جانے والے مختلف دلائل کا شرعی جائزہ پیش خدمت ہے۔

نس بندی اور نسل کشی کا حکم:

حکومتی سرپرستی میں تقریباً تمام سرکاری اسپتالوں میں اور منصوبہ بندی کے پروگرام کے تحت کام کرنے والے مخصوص اداروں میں مرد و زن کی نس بندی کے آپریشن وغیرہ کا اہتمام کیا جاتا اور آپریشن کے ذریعہ اور مختلف ادویہ کے استعمال سے مرد و زن سے بچہ جننے کی صلاحیت

ختم کر دی جاتی ہے۔ منصوبہ بندی کی یہ مہم اتنے منظم طریقے سے چلائی جا رہی ہے کہ مغرب زدہ عورتوں اور مردوں کے علاوہ عام گھریلو اور دیہاتی اَن پڑھ عورتیں بھی محکمہ منصوبہ بندی والوں کے جھانسے میں آ کر دو تین بچوں کی ولادت کے بعد منصوبہ بندی کے لیے تیار ہو جاتی ہیں اور ڈاکٹرز اور نرسیں عورت کی بچہ دانی نکال کر اسے بچہ جننے کی صلاحیت سے ہمیشہ کے لیے محروم کر دیتے ہیں یا مرد کی نس بندی کر دی جاتی ہے۔ منصوبہ بندی کروانے والے مرد حضرات بظاہر بڑے خوش ہوتے ہیں کہ اب بچوں کا مزید بوجھ نہ اٹھانا پڑے گا اور دو تین بچوں کی بہتر انداز میں تعلیم و تربیت کا اہتمام کر سکیں گے۔ جب کہ ان کا یہ فعل شریعت اسلامیہ کی تعلیمات کے متصادم اور ناجائز و حرام ہے۔

دلائل حسب ذیل ہیں:

۱۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((رَدَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُونٍ التَّبَتُّلَ، وَلَوْ أَذِنَ لَهُ لَاخْتَصَيْنَا))

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ پر مجرد (بلا نکاح) رہنے کے مطالبہ کو رد کر دیا اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اجازت دیتے تو ہم ضرور خصی ہو جاتے۔"

[صحیح بخاری:۵۰۷۳، صحیح مسلم:۱۴۰۲، جامع ترمذی:۱۰۸۳، سنن نسائی:۳۲۱۴، سنن ابن ماجہ:۱۸۴۸]

۲۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

((كُنَّا نَغْزُو مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ لَيْسَ لَنَا شَيْءٌ، فَقُلْنَا : أَلَا نَسْتَخْصِيْ ؟ فَنَهَانَا عَنْ ذٰلِكَ، ثُمَّ رَخَّصَ لَنَا أَنْ نَنْكِحَ الْمَرْأَةَ بِالثَّوْبِ ثُمَّ قَرَأَ عَلَيْنَا :

﴿يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبٰتِ مَآ أَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ﴾

[المائدہ:۵/۸۷]

[صحیح بخاری:۵۰۷۵، صحیح مسلم:۳۴۱۰]

''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتے جب کہ ہماری بیویاں نہ تھیں۔ چنانچہ ہم نے عرض کیا: کیا ہم خصی نہ ہو جائیں؟ آپ ﷺ نے ہمیں اس کام سے منع کر دیا، پھر ہمیں رخصت دی گئی کہ ہم کپڑے کے عوض عورت سے نکاح کر لیں بعد ازاں آپ ﷺ نے ہم پر یہ آیت تلاوت کی: اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں کو حرام نہ کرو، جنھیں اللہ نے تمھارے لیے حلال کیا ہے۔''
(یعنی متعہ کو حرام قرار دے دیا)

فقہ الحدیث:

۱۔ یہ احادیث دلیل ہیں کہ خصی ہونا، نس بندی کروانا یا آپریشن کے ذریعے اعضائے توالد و تناسل میں سے ان اعضاء کو تلف کرنا جن سے بقائے انسانی کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے ناجائز و حرام ہے۔ البتہ وہ عورتیں جو واقعی مزید بچے جننے سے معذور ہیں اور کسی عذر شرعی اور ماہر مسلمان ڈاکٹرز کی رپورٹ کے مطابق کہ حمل اور وضع حمل عورت کے لیے جان لیوا ہو سکتا ہے تو ایسی عورت کو رحم نکلوانے، منصوبہ بندی کروانے کی رخصت ہے۔ محض حیلوں، بہانوں یا دیگر خود ساختہ علتوں اور دلیلوں کے پیش نظر منصوبہ بندی کی قطعی اجازت نہیں۔

۲۔ منصوبہ بندی یا نس بندی سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ شریعت کا مقصود امت اسلامیہ کی بہتات ہے کہ امت کی کثرت دیگر امتوں پر غلبے کا باعث ہو اور امت کے افراد کی بہتات سے فریضہ جہاد قائم و دائم رہے۔ ان اسباب کی آئندہ سطور میں وضاحت ملاحظہ کریں۔

۱۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خصی ہونے سے منع کرنے کی حکمت میں امت مسلمہ کی کثرت نسل مقصود ہے تا کہ کفار سے جہاد میں تسلسل باقی رہے ۔کیونکہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں خصی ہونے کی اجازت دے دیتے تو ممکن ہے وہ یہ کام کر گزرتے اور نسل مسلم میں تعطل و انقطاع واقع ہوتا، جس سے مسلمانوں کی تعداد کم اور کفار کی تعداد زیادہ ہو جاتی۔ جب کہ یہ چیز (مسلمانوں کی قلت اور کفار کی بہتات) بعثت محمدیہ کے مقصود ہی کے خلاف ہے۔

[فتح الباری: ۱۱۸/۹]

۲۔ مہلب رحمہ اللہ کہتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو بغیر نکاح کے رہنے اور رہبانیت اختیار کرنے سے اس لیے منع کیا ہے کہ روز قیامت امت محمدیہ کی تعداد دیگر امتوں سے زیادہ ہو اور (دوسرا سبب یہ ہے کہ) دنیا میں امت مسلمہ کی مختلف کفار سے لڑائی ہے اور آخر زمانے میں یہ دجال سے بھی قتال کریں گے، سو ان اسباب کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کی کثرت مقصود ہے۔ [شرح ابن بطال: ۱۶/۷]

مستقبل کی بہتر پیش بندی کے طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت اولاد اور امت کی بہتات کا حکم دیا تا کہ کثرت کے پیش نظر ایک تو امت دیگر امتوں پر غالب ہو، ان کی طاقت مسلم رہے اور فریضہ جہاد کو قائم و دائم رکھنا امت کے لیے آسان ہو، لیکن مسلمان اس نکتہ کو سمجھنے سے قاصر رہے جب کہ یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار اس بنیادی نکتہ سے خوب واقف ہیں۔ اس لیے منصوبہ بندی کے دلفریب نعروں کی آڑ میں وہ امت مسلمہ کی افزائش اور بہتات کا راستہ روکنے میں کافی حد تک کامیاب نظر آتے ہیں اور یہ حقیقت ہے جس شخص کے چار، آٹھ بیٹے ہوں گے وہی کسی کو دینی تعلیم اور کسی کو جہاد کے لیے وقف کرنے کی سوچ گا۔ جس کا ایک یا دو بیٹے ہوں وہ نا تو خود دنیاوی جھمیلوں سے نکل سکے گا اور بچے کا معاشی مستقبل اور

خود بوڑھا ہونے کی سوچ بچے کو دنیاوی مقاصد تک محدود رکھنے پر مجبور کر دے گی۔ لہٰذا مستقبل میں معاشی مسائل اور کثرت نسل سے وسائل کی کمی کے فرسودہ اعتقادات سے خائف ہو کر منصوبہ بندی کا شکار ہوکر زوال امت کا شکار نہ ہوں۔ بلکہ مسلمانوں کو موجودہ کسمپرسی سے نکالنے، ان کی آزادیاں واپس لوٹانے، کفار کا زور توڑنے اور غلبہ اسلام کے لیے امت مسلمہ کی تعداد میں اضافے کا باعث بنیں اور جہادی تنظیموں، مذہبی جماعتوں اور سربکف مجاہدین کو اسلامی فکر کے حامل اور دین اسلام کے غلبہ کے لیے سرفروش سپوت فراہم کیجیے۔ یہی عظیم لوگ امت مسلمہ کی سربلندی، اسلام کے فروغ اور غلبہ کا باعث ہوں گے۔ ورنہ ایک بیٹا اور ایک بیٹی پر مشتمل خاندان مغرب کا گرویدہ، دنیا کا حریص اور مستقبل کے انجانے خوف سے سہا ہوا ہی نظر آتا ہے، ان لوگوں میں دین اور اسلام کی خدمت اور عظمت کا تصور ہی محال ہے۔

کثرتِ نسل معاشی بدحالی کا باعث:

منصوبہ بندی کے جواز اور مستقبل میں معاشی بحران سے بچاؤ کی خاطر یہ بات بڑے زور وشور سے بیان کی جاتی ہے کہ آبادی میں اضافہ مستقبل میں سخت افلاس اور معاشی بحران کا سبب بن سکتا ہے، کیونکہ زندگی کے ضروری وسائل کا تیزی سے خاتمہ ہو رہا ہے، اس لیے اتنے افراد ہی پیدا کرنے چاہئیں، مستقبل میں جن کی ضروریات سے ہم عہدہ برآ ہوسکیں۔ لہٰذا برتھ کنٹرول (منصوبہ بندی) کے ذریعے ہی آبادی میں کنٹرول ممکن ہے۔ یوں دنیا میں امریکہ و یورپ نے یہ مہم تیز کی ہوئی ہے جب کہ ان کا اصل ہدف مسلمان ممالک ہیں۔ اس کے برعکس انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو موجودہ دور میں آسائشیں، سہولیات اور معیار زندگی اتنا بلند ہے کہ ماضی کے لوگ ایسی آسائشوں کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ماضی میں

فی ایکڑ گندم وغیرہ اجناس دس ، پندرہ من تھیں ۔ جب کہ اس وقت گندم کی غیر ترقی یافتہ ممالک میں فی ایکڑ گندم تقریباً ساٹھ سے ستر من اور ترقی یافتہ ممالک میں فی ایکڑ پیداوار سو من کے لگ بھگ اور سائنسی رپورٹوں کے مطابق اس میں کئی گنا اضافہ متوقع ہے۔

پھر سمندر اور زمین جس تیزی سے خزانے اگل رہی ہے، یہ مستقبل میں معاشی ترقی کی طرف اشارے ہیں، نہ کے تنزلی کی طرف اور مستقبل میں فقر و فاقہ او مفلسی سے ڈرنا آج کے کفار ومشرکین کا وتیرہ نہیں، بلکہ شروع ہی سے شیطان انسانوں کو افلاس سے ڈراتا رہا ہے اور دور جاہلیت میں بچوں کے قتل کے پیچھے مفلسی اور معاشی بحران کا خوف ہی کارفرما تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے رزق کی ذمہ داری اپنے ذمہ لے کر انسانوں کو رزق و معاش کے معاملہ سے بے خوف کر دیا۔ بس تھوڑے سے صبر اور ذات الٰہیہ پر توکل کی ضرورت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴾ [هود: ١١/٦]

''اور زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں ان کا رزق اللہ ہی کے ذمہ ہے اور وہ ان کے رہنے کی جگہ اور سونپے جانے کی جگہ کو جانتا ہے۔ ہر چیز واضح کتاب میں ہے۔''

اس آیت کریمہ میں تمام مخلوقات کے رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لی ہے، اب آبادی میں بے تحاشا اضافہ ہو رہا ہے تو اس کے باوجود شریعت بہبود آبادی کا حکم دیتی ہے۔ اس لیے مستقبل میں معاشی مسائل کی ہمیں فکر کی چنداں ضرورت نہیں۔ یہ ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی ہے وہ اس کا خود انتظام کر لے گا۔ ہاں مستقبل کی پیش بندی کے طور پر رزق کی بہتات کے لیے وسائل بروئے کار لانا، زمین کو زیادہ کاشت کے قابل بنانا اور زمین میں مدفون

خزانے دریافت کرنا، اس پر محنت کی جا سکتی ہے اور کوشش اور محنت سے معیار زندگی کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔لیکن ان ترقیاتی کاموں سے صرف نظر کر کے صرف برتھ کنٹرول پر زور دینا اور بہبود آبادی ہی کو مستقبل میں زوال دنیا کا سبب قرار دینا نری حماقت اور اللہ تعالیٰ پر عدم بھروسا کا شاخسانہ ہے، نیز مستقبل میں فقر وفاقہ سے ڈرانے کا اصل محرک شیطان ابلیس ہے۔ جس کے بہکاوے میں آ کر مسلم و غیر مسلم حکومتیں اور عوام آبادی کو کنٹرول کرنے کے درپے ہیں اور انسانی جانوں کے ضیاع پر اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے اپنی موت کا خود سامان کر رہے ہیں۔ مستقبل میں فقر و فاقہ اور ضروریات زندگی کی قلت کے بارے میں خوف میں مبتلا کرنا شیطان کی کارستانی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ يَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ، وَ اللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَ فَضْلًا، وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾ [البقرہ: ۲/۲٦۸]

''شیطان تمھیں فقیری سے دھمکاتا اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا، بہت جاننے والا ہے۔''

لہٰذا کسی بھی مسلمان اور سلیم الفطرت شخص کو شیطان کے معاشی فریب میں آ کر نسل انسانی کا سلسلہ منقطع نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ مسلمانوں کی بہبود آبادی غلبہ اسلام کی خشت اول اور والدین کے لیے دنیا و آخرت میں عظیم سرمایہ ہے۔ سو آبادی میں جس قدر اضافہ ہوگا اگر اس کا صحیح استعمال کیا جائے تو یہ معاش کی بہتات اور زمین و جائیداد اور مال و ثروت میں اضافہ ہی کا باعث ہوگا۔ضرورت اسلامی نظریات سے شدید وابستگی اور مسلمانوں کی آزادی کے ضامن فریضہ جہاد کو باقاعدہ قائم کرنے اور کفار کی غلامیوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کی ہے۔ (واللہ المستعان)

منصوبہ بندی کی غرض سے بچوں کا قتل:

آبادی میں کنٹرول اور رزق کی کمی کے خوف سے بچوں کو قتل کرنا یا مرد و عورت کے اعضائے تولید تلف کرنا حرام ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ﴾ [الانعام:۱۵۱/۶]

''کہیے، آؤ میں تمھیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جنھیں تمھارے رب نے تم پر حرام کیا ہے یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور والدین کے ساتھ احسان کرو اور اپنی اولاد کو افلاس کی وجہ سے قتل نہ کرو۔''

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۚ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِيَّاكُمْ ۚ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴾ [الاسراء:۳۱/۱۷]

''اور مفلسی کے ڈر سے یعنی اولاد کو قتل نہ کرو، ہم انھیں اور تمھیں رزق دیں گے، بلاشبہ انھیں قتل کرنا کبیرہ گناہ ہے۔''

اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کا شریک پکارے جب کہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے۔ اس نے کہا: پھر کون سا گناہ (زیادہ بڑا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: اس خوف سے اپنی اولاد کو قتل کرنا کہ وہ تیرے ساتھ کھائیں گے۔ اس نے عرض کیا: اس کے بعد کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیرا اپنے ہمسائے کی بیوی کے ساتھ باہم رضامندی سے زنا کرنا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق نازل کی اور

وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ دیگر معبودان کو نہیں پکارتے اور نہ ایسی جان کو جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، ناحق قتل کرتے ہیں اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو یہ کام کرے گا وہ گناہ کو ملے گا۔

[صحیح بخاری:٦٨٦١، صحیح مسلم:٨٦]

درج بالا دلائل کی رو سے مروجہ منصوبہ بندی اور ضبط ولادت کی تمام صورتیں حرام ہیں اور آبادی کنٹرول کرنے، حسن کو دوبالا رکھنے اور ملازمت کی مجبوریوں کے پیش نظر خودساختہ تاویلیں تراش کر ضبط ولادت کے جواز کی راہیں ہموار کرنا ناجائز وحرام ہیں۔ عافیت اس میں ہے کہ کتاب وسنت کے دلائل کی تعمیل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کو من وعن تسلیم کیا جائے اور امت میں اضافے کا باعث بن کر دین میں اسلام اور آخرت میں نبی کریم ﷺ کی عظمت ورفعت کا باعث بنا جائے۔

فلاحی تنظیمیں اور کرنے کے کام:

اس وقت کئی مذہبی وملی تنظیمیں ملکی وبین الاقوامی سطح پر رفاہ عامہ کے کام کر رہی ہیں اور انسانیت کی خیر وفلاح کے لیے مختلف منصوبوں پر کام ہو رہا ہے، زلزلہ، سیلاب یا کسی آسمانی آفت کی صورت میں یہ فلاحی تنظیمیں مصیبت زدہ افراد کی بے کسی و بے بسی میں انسانی ہمدردی کی خاطر ان کے شانہ بشانہ کھڑی ہوتی ہیں اور انھیں مصیبت میں ممکن حد تک ریلیف مہیا کرتی ہیں۔ ایسے ہی تقریباً تحصیل وضلع کی سطح تک ایمبولینس سروسز بحال ہیں اور بڑے شہروں میں انسانی ہمدردی کے جذبہ سے کئی ہسپتال قائم ہیں، جو عوام کی صحت بحالی اور حادثات کی صورت میں مدد وتعاون کر رہے ہیں۔ یہ خوش آئند منصوبے ہیں جن کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ البتہ فلاحی تنظیموں اور اداروں کو ان سے بڑا کام انسانی نسل کا بقا اور منصوبہ بندی اور اسقاط کی صورت میں دنیا میں آنے سے قبل ہی موت سے ہمکنار کردی

جانے والی معصوم روحوں کی بقائے حیات کے پروگرام بھی تشکیل دینے چاہئیں۔ منصوبہ بندی اور اسقاط کے خلاف منظم مہم چلانی چاہیے۔ منصوبہ بندی و اسقاط کی قباحتوں سے عوام میں آگاہی پیدا کرنی چاہیے اور غربت اور بہبود آبادی کے کنٹرول کی آڑ میں نونہالوں کے زندہ درگور کرنے کے انسانیت کش منصوبے کو فلاپ کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے اور اگر والدین بچے جننے پر قائل ہوں، لیکن معاش، اولاد کی تعلیم و تربیت اور مستقبل میں ان کی شادی کے اخراجات کے بارے میں پریشانی کا شکار ہوں تو فلاحی تنظیموں کو ایسے ادارے قائم کرنے چاہئیں، جن میں ایسے بچوں کو موت کی وادی سے نکال کر ان کی پرورش، تعلیم و تربیت اور ضروریات زندگی کا انتظام کیا جائے ۔ موجودہ دور میں تو ایسا تعاون کرنے کے لیے لوگوں کی اکثریت حمایت وتعاون کے لیے میسر ہے۔ جب کہ یہی کام دور جاہلیت میں نبوت کا آفتاب طلوع ہونے سے قبل دنیا کا اکیلا توحید پرست زید بن عمرو بن نفیل تن تنہا کیا کرتا تھا، جب کہ زیر کفالت اولاد مشرکین کی تھی۔ اب تو مسلمان بچوں کی بقاء کا مسئلہ ہے، اس میں مذہبی تنظیموں اور خدا ترس لوگوں کو دلچسپی لینی چاہیے اور امت مسلمہ کے اس عظیم سرمائے کے بقاء کے منظم وفعال ادارے قائم کرنے چاہئیں۔

دور جاہلیت میں زید بن عمرو بن نفیل کا طرز عمل کیا تھا اس کی وضاحت آئندہ حدیث میں مذکور ہے۔ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں:

((رَأَيْتُ زَيْدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ قَائِمًا مُسْنِدًا ظَهْرَهُ إِلَى الْكَعْبَةِ يَقُولُ : يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ ! وَاللّٰهِ، مَا مِنْكُمْ عَلَى دِينِ إِبْرَاهِيمَ غَيْرِي ، وَكَانَ يُحْيِي الْمَوْؤُودَةَ يَقُولُ لِلرَّجُلِ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَقْتُلَ ابْنَتَهُ : لاَ تَقْتُلْهَا، أَنَا أَكْفِيكَهَا مَؤُونَتَهَا، فَيَأْخُذُهَا

فَإِذَا تَرَعْرَعَتْ قَالَ لأَبِيهَا : إِنْ شِئْتَ دَفَعْتُهَا إِلَيْكَ، وَإِنْ شِئْتَ كَفَيْتُكَ مَؤُونَتَهَا)) [صحيح بخاري: ٣٨٢٨]

''میں نے زید بن عمرو بن نفیل رحمہ اللہ کو کعبہ کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑے دیکھا وہ کہہ رہے تھے : اے قریشیو! اللہ کی قسم ! میرے سوا تم میں سے کوئی بھی دین ابراہیم پر نہیں ہے۔ وہ زندہ دفن کی جانے والی بچی کو زندگی سے نوازتے تھے، وہ ایسے آدمی سے جو اپنی بچی کو قتل کرنا چاہتا کہتے : اسے قتل نہ کر، میں اس کے بوجھ سے تجھے بے نیاز کرتا ہوں۔ پھر وہ اسے اپنی ذمہ داری میں لے لیتے۔ بعد ازاں جب وہ جوان ہو جاتی تو اس کے باپ سے کہتے تو چاہے تو میں اسے واپس کر دیتا ہوں اور اگر چاہے تو اس کی کلفت (شادی بیاہ) سے تجھے کافی ہوتا ہوں۔''

نوٹ! زید بن عمرو بن نفیل عشرہ مبشرہ میں سے سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے والد محترم تھے۔

جنین کی دیت:

اگر حاملہ عورت کے اسقاط حمل کا سبب کوئی دوسرا انسان ہے مثلاً عورتوں کی باہمی لڑائی میں کوئی عورت حاملہ عورت کے پیٹ میں چوٹ لگائے یا گرا دے کہ اس سے اس کا حمل ضائع ہو جائے یا مخالفین یا ڈاکوؤں کے تشدد سے، یا غلط ادویات کے سبب عورت کا حمل ضائع ہو جائے تو اسقاط حمل کے مرتکب پر جنین کی دیت لازم ہے اور حمل کی دیت ایک غلام یا لونڈی ہے موجودہ دور میں غلام و لونڈی کا وجود ناممکن ہے۔ لہٰذا اندازاً غلام یا لونڈی کی قیمت ادا کی جائے گی۔ دلائل حسب ذیل ہیں :

۱۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں :

((أَنَّ امْرَأَتَيْنِ رَمَتْ إِحْدَاهُمَا الأُخْرَى بِحَجَرٍ فَطَرَحَتْ

جَنِينَهَا، فَقَضَى فِيهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِغُرَّةٍ عَبْدٍ، أَوْ وَلِيدَةٍ))

''بلاشبہ دو عورتوں میں سے ایک عورت نے دوسری عورت کو پتھر مارا (پتھر لگنے والی عورت حاملہ تھی) اس نے حمل گرا دیا، پھر آپ ﷺ نے اس (جنین کے اسقاط) میں غلام یا لونڈی کی دیت کا فیصلہ کیا۔''

[صحیح بخاری:۵۷۵۹، صحیح مسلم:۱۶۸۱]

۲۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام سے عورت کے کسی ضرب سے ساقط شدہ حمل کے بارے میں مشاورت کی تو مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی ﷺ نے (اس میں) غلام یا لونڈی کی دیت کا فیصلہ کیا تھا۔

[صحیح بخاری:۶۹۰۵، صحیح مسلم:۱۶۸۳]

حمل کی کم از کم مدت:

شرعی دلائل کی رو سے حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے۔ لہٰذا چھ ماہ کے بعد پیدا ہونے والا بچہ جائز و حلال اور زوجین ہی کا متصور ہوگا۔ بشرطیکہ زنا و بدکاری کے ظاہری و باطنی قرائن موجود نہ ہوں اور چھ ماہ سے کم مدت میں پیدا ہونے والا بچہ حرامی اور ولد الزنا متصور ہوگا، اسے حلال قرار دینا قطعاً درست نہیں۔ دلائل حسب ذیل ہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ﴾

[الاحقاف:۴۶/۱۵]

''اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے،

اس کی ماں نے تکلیف میں اسے اٹھایا اور تکلیف میں اسے جنم دیا اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہے۔''

ا۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ﴾ [البقرہ: ۲/۲۳۳]

''اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال مکمل دودھ پلائیں (یہ حکم اس کے لیے ہے) جو مدت رضاعت پوری کرنا چاہے۔''

مزید فرمایا:

﴿ وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴾ [لقمان: ۳۱/۱۴]

''اور ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا، اس کی ماں نے انتہائی کمزوری اور تکلیف میں اس کا بوجھ اٹھایا اور اس کی دودھ چھڑائی دو سال میں ہے۔''

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ مدت رضاعت دو سال ہے اور مدت رضاعت کے بعد حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ بنتی ہے، کیونکہ سورہ احقاف میں جو دودھ اور حمل کی اکٹھی مدت بیان ہوتی ہے، رضاعت کی مدت نکالنے سے حمل کی مدت چھ ماہ باقی رہتی ہے۔ ان آیات کی تفسیر حافظ ابن قیم رحمہ اللہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے سورہ احقاف میں حمل اور دودھ چھڑائی کی مدت تیس ماہ بیان کی ہے اور سورہ بقرہ میں بیان کیا ہے کہ دودھ پلانے کی مکمل مدت دو سال ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دودھ پلائی کی مدت کے بعد باقی مدت حمل کی ہے اور وہ چھ مال کا عرصہ ہے۔ چنانچہ تمام فقہاء کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے

کہ عورت چھ ماہ سے کم مدت میں بچے کو جنم نہیں دے سکتی سوائے نا تمام (ساقط) بچے کے اور فقہاء نے یہ مفہوم صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین سے اخذ کیا ہے۔
[تحفة المودود، ص: ۱۷۸]

۲۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ مذکورہ آیات سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے یہ موقف مشہور اور استدلال قوی اور راجح ہے۔ نیز عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ نے ان کی موافقت کی ہے۔
[تفسیر ابن کثیر: ۲۸۰/۷]

۳۔ علامہ شنقیطی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ تمام علماء کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے۔ [اضواء البیان: ۲۲۶/۲]

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے۔ چھ ماہ کے بعد پیدا ہونے والے بچے کی پیدائش پر حمل کے حلال ہونے میں شکوک وشبہات پیدا کرنا، مختلف قسم کی چہ مگوئیاں کرنا اور بدکرداری کے بین ثبوت معدوم ہونے کی صورت میں عورت کے کردار پر شک کرنا قطعاً درست نہیں۔

پھر وضع حمل کی عام مدت ساتھ، آٹھ اور نو ماہ ہے اور حمل کی اکثر مدت کے بارے میں کوئی حد متعین نہیں، اس لیے کبھی کبھار حمل کی مدت سال اور دو سال بھی ہو جاتی ہے، لیکن ایسا کم ہی ہوتا ہے۔

حاملہ کا آپریشن اور شرعی حکم:

موجودہ دور میں وضع حمل کے لیے حاملہ کا آپریشن کروانا ایک رواج بن چکا ہے اور سرکاری وغیر سرکاری ہسپتالوں میں ایسے کیسز کی بہتات ہے۔ اس میں اول تو عورتیں وضع حمل کی تکلیف سے بچنے کے لیے یہ اقدام بخوشی کرتی ہیں، دوسرا پرائیویٹ ہسپتالوں کے لیے یہ منافع بخش کاروبار ہے۔ اس لیے حمل کے آغاز ہی سے پرائیویٹ ڈاکٹرز حاملہ عورتوں

کو اس بات پر قائل کر لیتے ہیں کہ تمھاری عافیت اور نومولود کی بہتری آپریشن ہی میں ہے۔ اس لیے کئی لوگ ڈاکٹرز کی ہدایات پر مجبوراً آپریشن کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھیں، بلا عذر آپریشن کرنا اور کروانا جائز نہیں۔ البتہ عورت کا واقعی بچے کو جنم دینا مشکل یا ناممکن ہو جائے تو لاچاری کی صورت میں آپریشن کیا جا سکتا ہے۔ کسی بھی مجبوری اور عسرت کے بغیر یہ عمل درست نہیں، کیونکہ آپریشن کا عمل انتہائی حساس ہوتا ہے، جس میں جسم کی چیر پھاڑ ہوتی ہے، حتیٰ کہ مریضہ کی جان کو شدید خطرہ لاحق ہوتا ہے اور کسی سخت مجبوری کے بغیر اپنی جان یا کسی کی جان کو خطرے میں ڈالنا اور جسم کی چیر پھاڑ کرانا اور موت کے منہ میں خود کو پہنچانا یا کسی کو پہنچانا ناجائز حرام ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تُلْقُوْا بِأَيْدِيْكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ [البقرہ:۲/۱۹۵]

''اور اپنے ہاتھوں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔'' لہٰذا کسی سخت مجبوری ہی میں آپریشن کروانا چاہیے اور اس کے لیے حتی الامکان لیڈی ڈاکٹرز ہی کی خدمات حاصل کرنی چاہییں۔

حاملہ کی موت کی صورت میں آپریشن:

اگر حمل کی مدت چھ ماہ مکمل ہونے کے بعد حاملہ کی موت واقع ہو تو جنین کی زندگی یقینی ہوتی ہے۔ اس صورت میں مردہ حاملہ کا آپریشن کر کے بچے کو نکالنا جائز و مباح ہے۔ علماء و فقہاء نے اس عمل کی رخصت دی ہے۔ اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ شافعیہ کا موقف:

ابو اسحاق ابراہیم بن علی شافعی فیروز آبادی کہتے ہیں:

((وَ إِنْ مَاتَتْ امْرَأَةٌ وَ فِيْ جَوْفِهَا جَنِيْنٌ حَيٌّ شُقَّ جَوْفُهَا، لِأَنَّهَا اسْتَبْقَاءُ حَيٍّ بِإِتْلَافِ جُزْءٍ مِنَ الْمَيِّتِ فَأَشْبَهَ إِذَا اضْطُرَّ إِلَى أَكْلِ جُزْءٍ مِنَ الْمَيِّتِ)) [المهذب:۱/۱۳۸]

''اگر عورت فوت ہو جائے اور اس کے پیٹ میں زندہ حمل ہو تو اس کا پیٹ چاک کیا جائے گا، کیونکہ میت کے جزء کو تلف کرنے سے زندہ جان بچانا مقصود ہے (یہ اضطراری صورت میں جائز ہے) اس صورت میں یہ مجبوری میں مردار کا کوئی حصہ کھانے کے مشابہ ہوگا۔''

۲۔ امام نووی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

((وَ مُخْتَصَرُ الْمَسْأَلَةِ إِنْ رُجِیَ حَيَاةُ الْجَنِيْنِ وَجَبَ شَقُّ جَوْفِهَا وَ إِخْرَاجُهُ))

''اس مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ اگر جنین کے زندہ ہونے کی امید ہو تو مردہ حاملہ کا پیٹ چاک کرنا اور جنین کو پیٹ سے نکلانا واجب ہے۔''

[المجموع شرح المہذب: (۳۰۲/۵)]

۲۔ احناف کا موقف

((وَلَوْ مَاتَتْ حَامِلٌ وَأَكْبَرُ رَأْيِهِمْ أَنَّ الْوَلَدَ حَيٌّ شُقَّ بَطْنُهَا مِنَ الْجَانِبِ الْأَيْسَرِ)) [حاشیہ ابن العابدین: ۳۸۹/۶]

''اگر حاملہ فوت ہو جائے اور ظن غالب یہ ہو کہ بچہ زندہ ہے تو حاملہ کا بائیں جانب سے پیٹ چاک کیا جائے۔''

۳۔ حافظ ابن حزم رحمہ اللہ کی رائے۔

حافظ ابن حزم رحمہ اللہ اس بارے اپنی رائے ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

((وَلَوْ مَاتَتِ الْمَرْأَةُ حَامِلاً وَالْوَلَدُ حَيٌّ يَتَحَرَّكُ قَدْ تَجَاوَزَ سِتَّةَ أَشْهُرٍ، فَإِنَّهُ يُشَقُّ بَطْنُهَا طُوْلاً وَ يُخْرَجُ الْوَلَدُ بِقَوْلِ اللهِ تَعَالَى:

﴿ وَمَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ﴾ [المائدہ:۵/۳۲]

وَ مَنْ تَرَكَهُ عَمْدًا حَتَّى يَمُوْتَ عُدَّ قَاتِلُ نَفْسٍ))

''اگر حاملہ عورت فوت ہو جائے اور بچہ زندہ ہو، حرکت کر رہا ہو اور اس کی عمر چھ ماہ سے تجاوز کر چکی ہو تو حاملہ کا لمبائی رخ میں پیٹ چاک کر کے بچہ نکال لیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: جس نے کسی جان کو زندگی دی تو گویا اس نے تمام انسانیت کو حیات بخشی (المائدہ:۳۲) اور جس نے بچے کو پیٹ میں چھوڑا حتی کہ وہ فوت ہو جائے تو ایسا شخص قاتل شمار کیا جائے گا۔'' (المحلی ابن حزم:۵/۱۶۶)

چنانچہ حاملہ کی موت کی صورت میں حمل کی مدت چھ ماہ مکمل ہو چکی ہو اور بچے کی حرکت اور الٹرا ساؤنڈ مشینوں کے ذریعے بچے کی زندگی کا پتا چل جائے تو اس صورت میں مردہ حاملہ کا آپریشن وغیرہ کرا کے بچے کو نکالنا جائز ومباح اور مستحسن فعل ہے۔

آپریشن سے بچاؤ کا وظیفہ:

حاملہ کے آپریشن کا فیصلہ قرار پا چکنے کے بعد آپریشن سے بچاؤ کے لیے اور شدت حمل سے بچاؤ کے لیے درج ذیل ادعیہ کا اہتمام مستقبل کی پریشانیوں سے ازالہ کا باعث بن سکتا اور پیش آمدہ خطرات سے بچاؤ کا وسیلہ بن سکتا ہے۔

غم اور پریشانی کا وظیفہ:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ، وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ، وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ، وَضَلَعِ الدَّيْنِ وَ غَلَبَةِ الرِّجَالِ))

''اے اللہ! یقینا میں فکر وغم، عاجزی وسستی، بزدلی وبخل اور قرضہ چڑھنے اور آدمیوں کے غلبہ سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔'' [صحیح بخاری:٦٣٦٩]

مشکل دور کرنے کا بہترین وظیفہ:

درج ذیل وظیفہ تیر بہدف ہے اور کسی بھی مشکل میں مبتلا شخص آئندہ وظیفہ کا اہتمام کرکے مشکل و پریشانی سے نکل سکتا ہے اور آئندہ خطرات ٹل سکتے ہیں۔ لہٰذا وہ عورت جیسے وضع حمل کی دشواریوں کا خوف ہو اور آپریشن کے جان لیوا مرحلہ کے خوف کا سامنا ہو وہ اس وظیفہ کے اہتمام کے بعد وضع حمل کی دشواریوں سے بچاؤ اور آپریشن کے عمل سے حفاظت کی دعا مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا ضرور قبول کریں گے اور وہ مستقبل کے خدشات سے محفوظ و مامون رہے گی۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ذوالنون (یونس علیہ السلام) کی دعا جب وہ مچھلی کے پیٹ میں تھے (یہ کلمات پڑھے):

((لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ))

''تیرے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں، تو پاک ہے بلا شبہ میں ہی ظالموں سے ہوں۔''

جو بھی مسلمان کسی بھی معاملہ میں ان کلمات کے ساتھ دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا ضرور قبول کرتے ہیں۔ [مسند أحمد: ١/١٧٠، مسند ابو یعلی: ٧٧٢، جامع ترمذی: ٣٥٠٥، الصحیحۃ: ١٧٤٤] حسن

ولادت کے مسائل

وضع حمل کی سخت تکلیف پر صبر کرنا:

وضع حمل کا مرحلہ حاملہ کے لیے انتہائی تکلیف دہ ہے، اس شدت تکلیف کو اللہ تعالیٰ خود بیان کرتے ہیں:

﴿ وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ﴾
[الأحقاف:٤٦/١٤]

''اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا۔ اس کی ماں نے تکلیف کی حالت میں اس کا حمل اٹھا اور تکلیف کی حالت میں اسے جنا۔''

یہ آیت دلیل ہے کہ وضع حمل کا مرحلہ بہت اذیت ناک اور سخت تکلیف کا باعث ہے، لیکن اس مرحلہ پر صبر کا دامن تھامنا اور طلب ثواب کی نیت سے صبر کا مظاہرہ کرنا بہت زیادہ اجر وثواب کا باعث ہے اور اس کا انجام کار اخروی فلاح پر منتج ہوگا۔

صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((عَجَبًا لأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذَاكَ لأَحَدٍ إِلاَّ لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ))

[صحیح مسلم، کتاب الزهد، باب المؤمن أمره كله خير:٢٩٩٩]

''مومن کا معاملہ حیرت انگیز ہے۔ بلاشبہ اس کا تمام معاملہ سراپا خیر ہے اور یہ وصف صرف مومن ہی کو زیبا ہے۔ اگر اسے خوشی پہنچے تو شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہے اور اگر اسے تکلیف پہنچے تو صبر کرتا ہے اور (یہ پریشانی میں صبر کرنا) اس کے لیے بہتر ہے۔''

وضع حمل کی تکلیف گناہوں کا کفارہ:

حاملہ کے ذہن میں یہ بات راسخ ہونی چاہیے کہ وضع حمل کی تکلیف اس کے گناہوں کا کفارہ اور درجات کی بلندی کا ذریعہ ہے، اس لیے اس تکلیف پر آہ وزاری اور شکوہ وشکایت کے کلمات کہنے کے بجائے صبر کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور طلب ثواب کی نیت رکھنی چاہیے۔

۱۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيبُهُ أَذًى مِنْ مَرَضٍ فَمَا سِوَاهُ، إِلاَّ حَطَّ اللهُ بِهِ سَيِّئَاتِهِ كَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا))

[صحیح بخاری:۵۶۴۷، صحیح مسلم:۲۵۷۱]

''کسی بھی مسلمان کو کسی بیماری یا اس کے علاوہ کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ ایسے مٹاتا ہے جیسے درخت اپنے پتے گراتا ہے۔''

۲۔ ابوسعید خدری اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَا يُصِيبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ ، وَلاَ وَصَبٍ ، وَلاَ هَمٍّ ، وَلاَ حُزْنٍ ، وَلاَ أَذًى ، وَلاَ غَمٍّ حَتَّى الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا إِلاَّ كَفَّرَ اللَّهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ))

[صحیح بخاری:۵۶۴۱، ۵۶۴۲۔ صحیح مسلم:۲۵۷۳]

''مسلمان کو جو بھی دکھ درد، فکر و غم، تکلیف و پریشانی پہنچتی ہے حتیٰ کہ اسے کانٹا چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے اس کے گناہ محو کر دیتے ہیں۔''

لہٰذا وضع حمل کی تکلیف اور پریشانی کی حالت میں صبر و برداشت سے کام لینا چاہیے، کیونکہ یہ تکلیف حاملہ کے گناہ کا کفارہ بھی ہے اور درجات کی بلندی کا باعث بھی۔

وضع حمل کی شدتِ تکلیف سے بچاؤ کے وظیفے:

درج ذیل ادعیہ کے اہتمام سے شدت تکلیف اور پریشانی کا ازالہ ممکن ہے، لہٰذا دردِ زہ میں مبتلا عورت کو ان ادعیہ کا اہتمام کرنا چاہیے۔

«اَللّٰهُمَّ لاَ سَهْلَ اِلاَّ مَا جَعَلْتَهُ سَهْلاً، وَ أَنْتَ تَجْعَلُ الْحُزْنَ إِذَا شِئْتَ سَهْلاً »

''اے اللہ! کوئی کام سہل نہیں مگر جسے تو آسان بنا دے اور تو جب چاہے غم کو آسان کر دیتا ہے۔''

[صحیح ابن حبان : ۲۴۲۷، عمل الیوم واللیلة لابن السنی:۳۵۰، المختارہ : ۱۶۸۳، الصحیحہ:۲۸۸۶] حسن

۲۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت پریشانی کے وقت یہ کلمات کہا کرتے تھے:

« لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللّٰهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ، لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، لاَ إِلَهَ إِلاَّ الله رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَرَبُّ الأَرْضِ ، وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ »

''اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں، جو بہت عظمت والا، انتہائی بردبار ہے۔ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، جو عرش عظیم کا رب ہے، اللہ ہی معبود برحق ہے، جو

آسمان اور زمین کا رب اور عرش معلّٰی کا رب ہے۔"

[صحیح بخاری: ۶۳۴۶، صحیح مسلم: ۲۷۳۰]

شدتِ تکلیف میں موت کی تمنا کرنا:

وضع حمل کی سخت تکلیف اور بے بسی کے عالم میں موت کی خواہش اور آرزو کرنا قطعاً ناجائز ہے۔ اس لیے ایسی آرزو سے احتراز کرنا چاہیے اور زبان پر ناشکری کے کلمات لانے سے گریز کرنا چاہیے۔

۱۔ قیس رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم خباب رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی عیادت کے لیے گئے جب کہ انھوں نے پیٹ میں سات داغ لگوائے تھے، تو انھوں نے کہا:

((لَوْلاَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَانَا أَنْ نَدْعُوَ بِالْمَوْتِ لَدَعَوْتُ بِهِ))

"اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں موت کی دعا کرنے سے منع نہ کیا ہوتا تو میں ضرور اس کی دعا کرتا۔"

[صحیح بخاری: ۷۲۳۴۔ صحیح مسلم: ۲۶۸۱]

لیکن اگر زیادہ ہی بے بسی اور لاچاری ہو تو یہ مشروط دعا کی جا سکتی ہے، جس کی وضاحت آئندہ حدیث میں ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص کسی مصیبت کے لاحق ہونے کی وجہ سے موت کی ہرگز آرزو نہ کرے۔ پھر اگر اس نے ضرور ہی موت کی آرزو کرنی ہے تو یہ کلمات کہے۔

((أَللّٰهُمَّ أَحْيِنِيْ مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِيْ، وَ تَوَفَّنِيْ إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِيْ)) [صحیح بخاری: ۵۶۷۱، صحیح مسلم: ۲۶۸۰]

"اے اللہ! مجھے اس وقت تک حیات دے جب تک زندگی میرے لیے مفید

ہے اور جب وفات میرے لیے زیادہ موزوں ہو تو مجھے موت سے دوچار کر دے۔"

خوشی کے موقع کا عمل:

بچے اور بچی کی ولادت کی خوشی میں والدین اور اعزو اقارب کو سجدہ شکر بجالانا چاہیے، کیونکہ خوشی کے موقع پر اور خوش کن خبر سن کر سجدہ شکر بجالانا مشروع ہے، دلائل حسب ذیل ہیں:

۱۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں:

((أَنَّهُ إِذَا جَاءَهُ أَمْرُ سُرُوْرٍ أَوْ بُشِّرَبِهِ خَرَّ سَاجِدًا شَاكِرًا لِلّٰهِ))

"بے شک جب آپ ﷺ کو خوشی کا معاملہ پیش ہوتا یا کسی خوش کن بات کی بشارت دی جاتی تو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے شکریہ کے طور پر سجدہ میں گر پڑتے۔"

[سنن أبو داؤد:۲۷۷۴، جامع ترمذی:۱۵۷۸، سنن ابن ماجه:۱۳۹۴] حسن

۲۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب انھیں توبہ کی قبولیت کی خوش خبری ملی۔

"فَخَرَرْتُ سَاجِدًا"

"تو میں (شکرانے کے طور پر) سجدہ میں گر پڑا۔"

[صحیح بخاری:۴۴۱۸، سنن ابن ماجه:۱۳۹۳]

نیز آئندہ روایت جس میں کلمات شکر کا بیان ہے ضعیف ہے، اس لیے حدیث میں مذکور دعا کا اہتمام مشروع نہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کوئی پسندیدہ چیز دیکھتے تو یہ کلمات کہتے:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بِنِعْمَتِهِ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ"

"سب تعریف اللہ کے لیے جس کی نعمت کے ساتھ اچھے کام پایہ تکمیل کو پہنچتے ہیں۔"

اور جب پسندیدہ کام دیکھتے تو کہتے:

"اَلْحَمْدُلِلّٰهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ"

''ہر حال میں تمام تعریف اللہ کے لیے ہے۔''

[سنن ابن ماجه:٣٨٠٣، مستدرک حاکم:١/٤٩٩، عمل الیوم واللیلة لابن السنی:٣٧٢] ضعیف

اس روایت میں ولید بن مسلم کی تدلیس ہے۔ یہ تدلیس تسویہ کیا کرتے تھے، اس حدیث کا شاہد (حلیۃ الاولیاء لابی نعیم:٣/١٥٧) میں ہے لیکن وہ روایت سخت ضعیف ہے۔ اس میں فضل بن عیسی بن ابان رقاشی منکر الحدیث ہے۔ [تقریب التھذیب:٥٤١٣]
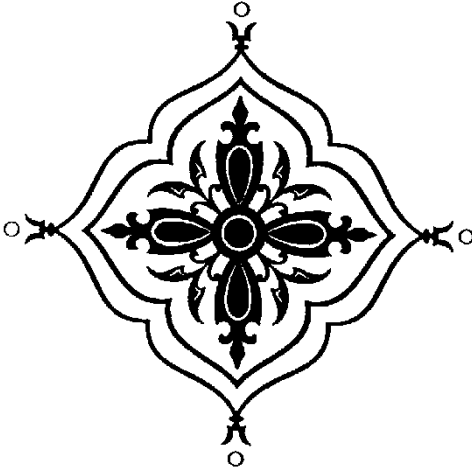
نومولود کے والدین کو خوش خبری دینا

نومولود کی ولادت پر اس کے والدین اور دیگر اقرباء کو خوش خبری دینا مستحب عمل ہے، لہٰذا آئندہ دلائل کی رو سے اس مستحسن عمل کا اہتمام کرنا مشروع ہے۔

① اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش سے قبل ابراہیم علیہ السلام کو ان الفاظ میں خوش خبری دی۔

﴿ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴾ [الصّٰفّٰت:۱۰۱/۳۷]

''پس ہم نے انھیں ایک بردبار بچے کی بشارت دی۔''

② اسحاق علیہ السلام کی ولادت سے قبل فرمایا:

﴿ وَ بَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴾ [الذاریات:۲۸/۵۱]

''اور انھوں (فرشتوں) نے اسے (ابراہیم علیہ السلام کو) ایک صاحب علم لڑکے کی بشارت دی۔''

③ اللہ تعالیٰ نے زکریا علیہ السلام کی فرمائش پر انھیں بیٹے کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ﴾

[مریم:۷/۱۹]

''اے زکریا! ہم تجھے ایک بچے کی بشارت دیتے ہیں، جس کا نام یحییٰ ہے۔ ہم نے اس سے قبل کسی کا یہ نام نہیں رکھا۔''

والدہ کو بچے کی ولادت کی خوش خبری دینا:

والدہ کو بھی بچے کی ولادت کی خوشخبری دینا اور نومولود کی پیدائش پر تہنیتی کلمات کہنا مشروع ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿٦٩﴾ فَلَمَّا رَآ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿٧٠﴾ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ﴾

[هود: ١١/ ٦٩، ٧٠، ٧١]

’’اور یقیناً ہمارے پیغمبر ابراہیم علیہ السلام کے پاس خوش خبری لے کر پہنچے اور انھوں نے سلام کیا، اس نے جواباً سلام کہا اور زیادہ دیر نہ لگائی کہ ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔ پھر جب اس نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس (کھانے) کی طرف نہیں بڑھ رہے تو انھیں انجان جانا اور ان سے خوف محسوس کیا۔ انھوں نے کہا: ڈرو نہیں، بلاشبہ ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں اور اس کی بیوی کھڑی تھی، وہ ہنس پڑی تو ہم نے اسے (سارہ علیہا السلام) اسحاق کی اور اسحاق کے پیچھے یعقوب کی خوش خبری دی ہے۔‘‘

ان قرآنی دلائل کی رو سے نومولود کے والد اور والدہ دونوں کو بچے کی پیدائش پر خوش خبری دینا مشروع ہے۔

چنانچہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: ’’کسی کے ہاں نومولود کی ولادت پر اسے خوش خبری دینا اس انسان کے لیے خوشی و فرحت کا باعث ہے۔ لہٰذا مسلمان کے لیے مستحب

ہے کہ وہ اپنے بھائی کو خوش خبری دینے میں عجلت سے کام لے۔" (تحفة المودود، ص: ۴۵)

بیٹے اور بیٹی ہر دو کی پیدائش پر تہنیتی کلمات کہنا:

بیٹے اور بیٹی ہر دو کی ولادت پر نومولود کے والدین کو خوش خبری بھی دینی چاہیے اور تہنیتی کلمات بھی کہنے چاہییں۔ موجودہ زمانہ میں عوام کی یہ روش کہ بچے کی پیدائش پر تہنیتی پیغامات کا تانتا بندھا رہتا ہے اور بچی کی پیدائش پر پژمردگی اور افسردگی کی وجہ سے فضا سوگوار رہتی ہے، یہ دور جاہلیت کی عادت ہے، اس سے احتراز کرنا چاہیے اور بچوں اور بچیوں دونوں کی پیدائش پر مبارک بادی کلمات کہنے چاہییں۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: اہل جاہلیت نکاح کے وقت (دلہا، دلہن) کو یہ تہنیتی کلمات کہتے تھے کہ تم اتفاق و اتحاد سے رہو اور تمھیں بیٹے نصیب ہوں۔ لہٰذا مسلمان شخص کو زیبا نہیں کہ وہ بیٹے کی ولادت پر تو مبارک باد دے اور بیٹی کی پیدائش پر مبارک باد نہ دے، بلکہ اسے بیٹے اور بیٹی ہر دو کی پیدائش پر مبارک باد دینی چاہیے یا دونوں ہی کی پیدائش پر مبارک باد نہ دے تاکہ جاہلیت کی رسم بد سے گلوخلاصی تو ہو، کیونکہ اہل جاہلیت کی اکثریت بیٹے کی ولادت پر اور بیٹی کی وفات پر مبارک باد کہا کرتے تھے۔ (تحفة المودود، ص: ۴۶)

ولادت کے وقت بچے کے رونے کا سبب:

نئی دنیا میں تشریف آوری کے وقت ہر نومولود چیختا ہے، نومولود کے چیخنے کا سبب شیطان کا اسے چوکا لگانا ہے، البتہ وقت ولادت شیطانی چوکے سے مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام مستثنیٰ ہیں۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا مِنْ مُوْلُوْدٍ يُوْلَدُ إِلاَّ وَالشَّيْطَانُ يَمَسُّهُ حِيْنَ يُوْلَدُ، فَيَسْتَهِلُّ صَارِخًا مِنْ مَسِّ الشَّيْطَانِ إِيَّاهُ، إِلاَّ مَرْيَمَ وَابْنَهَا،

ثُمَّ يَقُوْلُ أَبُوْ هُرَيْرَةَ : وَاقْرَءُوْا إِنْ شِئْتُمْ : وَ إِنِّيْ أُعِيْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ))

[صحیح بخاری: ۴۵۴۸، صحیح مسلم: ۲۳۶۶]

''جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے وقت ولادت شیطان اسے چھوتا ہے اور شیطان کے اسے چھونے کی وجہ سے وہ چیخ کر روتا ہے، سوائے مریم اور اس کے بیٹے کے۔ پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں (اس کے ثبوت کے لیے) چاہو تو یہ آیت پڑھ لو، (عمران کی بیوی نے کہا) بلاشبہ میں اسے (مریم) اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔''

نومولود کی پیدائش پر مبارک باد کے کلمات:

نومولود کی پیدائش پر مبارک باد دینا اور تہنیتی کلمات مستحسن عمل ہے۔ البتہ نبی ﷺ سے بچے کی پیدائش پر مبارکباد کے متعین الفاظ ثابت نہیں، اس لیے مبارک باد کے کوئی بھی کلمات کہے جا سکتے ہیں۔ اس بارے میں ائمہ سلف سے کچھ الفاظ منقول ہیں، جنھیں زیر استعمال لایا جا سکتا ہے۔

۱۔ سری بن یحییٰ بیان کرتے ہیں کہ حسن بصری رحمہ اللہ کے ایک مجلسی کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو ایک شخص نے اسے ان الفاظ سے مبارک دی کہ تجھے شہ سوار بیٹا مبارک ہو۔ اس پر حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا: تجھے کیا معلوم کہ وہ شہ سوار ہوگا؟ ممکن ہے وہ بڑھئی یا درزی ہو۔ اس شخص نے عرض کیا: پھر میں کن کلمات سے مبارک باد کہوں؟ انھوں نے کہا: یہ کلمات کہہ:

'' جَعَلَهُ اللّٰهُ مُبَارَكًا عَلَيْكَ وَ عَلَى أُمَّةِ مُحَمَّدٍ ''

''اللہ تعالیٰ اسے تیرے لیے اور امت محمد ﷺ کے لیے باعث برکت بنائے۔''

[کتاب الدعاء للطبرانی: ۹۴۵] حسن

اس کی سند میں یحییٰ بن عثمان بن صالح صدوق راوی ہیں اور باقی راوی ثقہ ہیں۔

۲۔ حماد بن زید رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایوب سختیانی رحمہ اللہ جب کسی کو نومولود کی ولادت پر مبارک باد دیتے تو یہ کلمات کہتے:

" جَعَلَهُ اللهُ تَعَالٰى مُبَارَكًا عَلَيْكَ وَ عَلَى أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "

''اللہ تعالیٰ اسے تیرے لیے اور امت محمد ﷺ کے لیے خیر و برکت کا ذریعہ بنائے۔''

[حلیۃ الاولیاء لابی نعیم: ۸/۳] حسن

اس کی سند میں محمد بن نضر اور خالد بن خداش صدوق راوی ہیں۔ نیز حصن المسلم وغیرہ میں جو تہنیتی کلمات مذکور ہیں کہ نومولود کو ان الفاظ سے مبارک باد دی جائے۔

((بَارَكَ اللهُ لَكَ فِي الْمَوْهُوبِ لَكَ، وَ شَكَرْتَ الْوَاهِبَ، وَ بَلَغَ أَشُدَّهُ، وَ رُزِقْتَ بِرَّهُ))

''اللہ تعالیٰ تجھے عطا کردہ بچے میں تیرے لیے برکت کرے، تو عطا کرنے والے (رب) کا شکر ادا کرے، یہ نومولود اپنی جوانی کو پہنچے اور تجھے اس کی بھلائی نصیب ہو۔''

دوسرا شخص اس کے جواب میں کہے:

((بَارَكَ اللهُ لَكَ وَ بَارَكَ عَلَيْكَ، فَجَزَاكَ اللهُ خَيْرًا، وَ رَزَقَكَ اللهُ مِثْلَهُ، وَ أَجْزَلَ ثَوَابَكَ))

''اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے، تجھ خیر و برکت والا بنائے، تجھے اچھا بدلہ دے اور تجھے اسی جیسے (بچے) سے نوازے اور تجھے بے تحاشا ثواب دے۔''

[یہ الفاظ امام نووی کی کتاب الاذکار: قبل حدیث: ۸۳۴]

میں مذکور ہیں۔ لیکن اس کی متصل سند نہیں مل سکی جب کہ حسن بصری رحمہ اللہ سے اس جیسے جو کلمات مروی ہیں وہ سخت ضعیف ہیں، حسن بصری رحمہ اللہ سے یہ تہنیتی کلمات منقول ہیں:

((شَكَرْتَ الْوَاهِبَ، بُوْرِكَ لَكَ فِيْ الْمَوْهُوبِ، وَ بَلَغَ أَشُدَّهُ، وَ رُزِقْتَ بِرَّهُ))

تو عطاء کرنے والے کا شکر کرے، عطاء کردہ بچے میں تیرے لیے برکت ہو، یہ اپنی جوانی کو پہنچے، اور تجھے اس کا حسن سلوک نصیب ہو۔

[مسند ابن الجعد: ۱/۴۸۸: ۳۳۹۸] ضعیف جِدًا

اس کی سند میں ہیثم بن جماز متروک راوی ہے۔

بچے کی پیدائش اور امت کا طرز عمل:

بچے کی پیدائش سے قبل زن و شو دن رات محو دعا ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے اس کے سالم الاعضاء اور نیک و صالح ہونے کی مسلسل دعائیں کی جاتی ہیں اور بچے کے صحیح و سالم پیدا ہونے کے لیے کئی منتیں مانی جاتی ہیں۔ لیکن جب یہ دعائیں رنگ لاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نقائص و عیوب سے پاک پھول جیسا بچہ یا بچی عطا کرتا ہے تو پیدائش کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کو بھول کر مزاروں پر نذرانے دینے کے پروگرام بننا شروع ہو جاتے ہیں اور حد یہ کہ بچے کی نسبت اللہ تعالیٰ کے بجائے پیروں اور ولیوں کی طرف کی جاتی ہے اور اسے کسی ولی یا پیر کی عنایت قرار دیا جاتا ہے۔ یہ سارے شرکیہ کام اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والے عوامل ہیں، جو انتہائی شرمناک ہیں اور اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس طرز عمل کی مذمت

ان الفاظ میں بیان کی ہے:

﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿١٨٩﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾ [الأعراف:٧/١٨٩، ١٩٠]

''وہ ذات جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی بنائی تاکہ وہ اس سے سکون حاصل کرے۔ پھر جب اس نے اس سے قربت حاصل کی تو اس نے ہلکا سا حمل اٹھایا اور اسے لیے چلتی پھرتی رہی۔ پھر جب وہ بوجھل ہو گئی۔ تو دونوں (میاں بیوی) اللہ تعالیٰ سے جو ان کا رب ہے، دعا کرنے لگے اگر تو نے ہمیں صحیح سالم اولاد دی تو ضرور شکر کرنے والوں سے ہوں گے۔ سو جب اللہ نے ان دونوں کو صحیح سالم اولاد دی تو جو اولاد اللہ نے انھیں عطا کی اس میں وہ اللہ کے شریک بنانے لگے۔ اللہ اس چیز سے بلند ہے جو وہ شریک کرتے ہیں۔''

اس لیے ہر والدین پر لازم ہے کہ اولاد کی نعمت میسر آنے کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور بچے کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی نبی، ولی، پیر، دستگیر کی طرف منسوب نہ کریں۔

نومولود کو تحفہ دینا:

اس وقت معاشرے میں یہ ایک رسم بن چکی ہے کہ نومولود کی پیدائش پر اعزاء واقارب ، ہمسائے اور دوست احباب بچے کو دیکھنے کے بعد اسے کوئی سوٹ یا روپے پیسے ضرور دیتے ہیں ۔ بلکہ اگر گنجائش نہ ہو تو ادھار لے کر یا تنخواہ وغیرہ میسر آنے کی صورت میں اس رسم کو

ادا کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ نومولود کے والدین نومولود کو تحائف نہ دینے والوں سے ناراض ہو جاتے ہیں اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ انھیں ہمارے بچے کی ولادت کی خوشی نہیں تھی تبھی تو یہ اسے دیکھنے نہیں آئے اور تحفہ کی صورت میں کوئی چیز ہدیہ نہیں کی۔ اس رسم کی وجہ سے سفید پوش لوگوں کو اپنی عزت نفس بحال رکھنا مشکل ہو جاتا ہے اور جبراً خرچ کنٹرول کر کے یا قرض اٹھا کر نومولود کو تحائف پیش کیے جاتے ہیں، جب کہ شریعت میں اس کا کہیں کوئی ثبوت موجود نہیں اور نیز شریعت اسلامیہ انسانوں پر جبر اور خود ساختہ تہذیب و تمدن کے نام پر قائم رسوم و رواج کا خاتمہ کرتی ہے۔ لہٰذا ممکن ہو تو ہمت کر کے اس رسم کا اختتام کرنا چاہیے، جو عوام الناس کے لیے بہتر ہوگا اور مفت میں پیدا ہونے والی نفرتوں اور پریشانیوں کا مداوا بھی ہوگا۔ اسی طرح لڑکی کے والدین بچے (نواسی نواسے) کی پیدائش پر بچے کے کئی سوٹ، اپنی بیٹی اور داماد سمیت لڑکی کی ساس، سسر، نندوں اور دیوروں تک کے سوٹ مجبوراً خریدتے ہیں تاکہ سسرال والوں میں لڑکی کی عزت بحال رہے۔ یہ ساری رسمیں جن کو ناک کا مسئلہ بنا کر تمام معاشرہ ہی جبر کی چکی میں پس رہا ہے اور اس سلسلہ میں قرض کا بوجھ بھی برداشت کیا جاتا ہے، ایسے تمام کام معاشرے کی اپنی ایجاد ہیں، جسے اسلام مسترد کرتا ہے۔ لہٰذا معاشرتی رسوم کو ترک کر کے اس بارے میں میں جو ہمیں دینی راہنمائی میسر ہو اس پر عمل کرنا چاہیے۔ جس سے ہم خود بھی سکون میں ہوں گے اور اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی صورت میں ہم ذہنی تشویش اور قلبی اضطراب سے بھی محفوظ ہوں گے۔

زچہ کی صحت بحالی کے لیے مفید مشورے:

وضع حمل انتہائی مشکل مرحلہ ہے، جس سے زچہ کی تمام توانائیاں صرف ہوتی ہیں، بدن انتہائی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتا اور جوڑ اور ہڈیاں انتہائی کمزور ہو جاتی ہیں۔ اس لیے زچہ کی صحت بحالی کے لیے مقوی اور زود ہضم اغذیہ کا انتظام کرنا چاہیے اور زچہ کو ایسی طاقتور اغذیہ دی جائیں جس سے اس کی توانائی بھی پوری ہو، صحت بھی بحال ہو اور کمزوری کا ازالہ بھی

ہو۔ اس کے لیے عورتیں مختلف مقوی چیزیں تیار کرتی ہیں، جن میں مختلف چیزوں کو پیس کر پنیری نما مرکب تیار کیا جاتا ہے۔ یہ بھی زچہ کی صحت توانائی پورا کرنے کے لیے مفید ہے، ایسے ہی دوران نفاس دیسی مرغی اور بکرے کا گوشت اور سوپ بھی از حد مفید ہیں، لیکن ان میں سے افضل وعمدہ ترین خوراک تر کھجور ہے۔ کیونکہ مریم علیہا السلام کو تازہ کھجور کھانے کی راہنمائی کی گئی تھی۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ زچہ کے لیے بہترین خوراک تازہ کھجور ہے، جو زچہ کے مزاج اور صحت کے لیے نہایت مناسب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زچگی کے دوران مریم علیہا السلام کو حکم دیا:

﴿وَهُزِّيٓ إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا﴾

[مریم: ۱۹/۲۵]

”اور اپنی طرف کھجور کا تنا ہلا وہ تجھ پر تازہ پکی کھجوریں گرائے گا۔“

یہ آیت دلیل ہے کہ زچگی کے بعد زچہ کے لیے مناسب اور بہترین خوراک کھجور ہے۔

چنانچہ:

۱۔ عمرو بن میمون رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں:

”زچہ کے لیے تازہ اور خشک کھجور سے بہتر کوئی غذا نہیں، پھر اس کے ثبوت کے لیے انھوں نے مذکورہ آیت تلاوت کی۔ [تفسیر ابن کثیر]

۲۔ ربیع بن خثیم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں زچہ کے لیے تازہ کھجور سے بہتر کوئی چیز ہوتی تو وہ مریم علیہا السلام کو ضرور کھلاتے، اس لیے علماء کہتے ہیں: اس وقت سے زچگان کے لیے کھجور کا استعمال ایک عادت بنی ہوئی ہے۔

[تفسیر قرطبی: ۱۱/۹۶]

نفاس کے احکام ومسائل

نفاس کی تعریف:

بچے کی ولادت یا اسقاط حمل کے بعد عورت کی شرمگاہ سے نکلنے والے خون کو نفاس کہا جاتا ہے۔ (فقہ السنۃ:۱/۸۰)

چنانچہ نفاس کی شرعی مدت اور احکام کو سمجھنا ہر مسلمان عورت پر لازم ہے، اس لیے عورتوں کی راہنمائی کے لیے نفاس کے متعلقہ احکام سپرد قرطاس کیے جاتے ہیں۔

نفاس کے خون کی زیادہ سے زیادہ مدت:

نفاس کے خون کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے۔ اگر چالیس دن سے پہلے نفاس کا خون رک جائے تو خون کی بندش کے ساتھ ہی عورت پاک ہوجائے گی اور غسل کر کے نماز، روزہ وغیرہ احکام اس پر لاگو ہوں گے۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

((كَانَتِ النُّفَسَاءُ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجْلِسُ أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا، وَ كُنَّا نَطْلِيْ وُجُوْهَنَا بِالْوَرْسِ مِنَ الْكَلَفِ))

''عہد رسالت میں نفاس والی عورت چالیس دن بیٹھی رہتی تھی اور ہم چھائیوں کے علاج کے لیے اپنے چہروں پر ورس (بوٹی) لگایا کرتی تھیں۔''

[سنن أبوداؤد: ۳۱۱، جامع ترمذی: ۱۳۹، سنن ابن ماجہ: ۶۴۸] حسن

مُسّہ ازدیہ صدق رادیہ ہیں۔

علامہ البانی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے، امام حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے، امام ذہبی نے امام حاکم کی موافقت کی، امام بیہقی نے اسے قوی قرار دیا ہے اور امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں اس حدیث کی سند جید ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے حسن ہونے کو تسلیم کیا ہے۔

(کچھ علماء نے مسّہ ازدیہ کو مجھولۃ العین و مجھولۃ الحال قرار دیا ہے) اس کا جواب ابن ملقن رحمہ اللہ نے البدر المنیر میں ان الفاظ میں دیا ہے۔ہم مسّہ ازدیہ کا مجھولۃ العین ہونا تسلیم نہیں کرتے اور اس کا مجھول الحال ہونے کا بھی ازالہ ہو گیا ہے، کیونکہ اس سے ایک جماعت مثلاً کثیر بن زیاد، حکم بن عتبہ، زید بن علی بن حسین اور حسن نے بھی روایت کی ہے ان لوگوں کا اس سے روایت کرنا اور امام بخاری رحمہ اللہ کا اس کی حدیث کی تعریف کرنا اور امام حاکم کا اس حدیث کی سند کو صحیح کہنا (یہ شواہد دلیل ہیں کہ یہ حدیث کم از کم حسن درجہ کی ہے۔

[صحیح أبو داؤد: ۲/۱۱۷، ۱۱۸]

فقہ الحدیث:

۱۔ علامہ شمس الحق عظیم آبادی کہتے ہیں: یہ حدیث دلیل ہے کہ ولادت کے بعد جاری ہونے والے خون کا حکم چالیس دن تک ہے۔ اس مدت میں عورت نماز اور روزہ چھوڑ دے گی، لیکن اگر وہ چالیس دن سے پہلے پاکی دیکھ لے تو غسل کر کے پاکی حاصل کر لے۔

[عون المعبود: ۱/۳۴۵]

۲۔ امام ترمذی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں، صحابہ، تابعین اور سلف کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ نفاس والی عورت چالیس دن نماز چھوڑے رکھے گی ۔ البتہ اگر وہ اس سے پہلے پاکی دیکھے تو وہ غسل کرے کے نماز ادا کرے اور اگر وہ چالیس دن کے بعد نفاس کا خون

دیکھے تو اکثر اہل علم کا قول ہے کہ وہ چالیس دن کے بعد نماز ترک نہیں کرے گی (بلکہ اسے استحاضہ کا خون سمجھے)، اکثر فقہاء بھی اس کے قائل ہیں۔
[جامع ترمذی: تحت حدیث: ۱۳۹]

۳۔ علامہ شمس الحق عظیم آبادی لکھتے ہیں، دلیل کے لحاظ سے قوی ترین موقف یہ ہے کہ نفاس کی اکثر مدت چالیس دن ہے اور کم از کم مدت کی کوئی حد متعین نہیں، چنانچہ جونہی نفاس کا خون آنا بند ہو تو وہ غسل کر کے نماز شروع کر دے۔[عون المعبود: ۱/۳۴۶]

مدت نفاس اور بے اعتدالی:

گزشتہ بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نفاس کی کم از کم مدت کا کوئی تعین نہیں اور زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے۔ چنانچہ نفاس کا خون آنا بند ہو جائے تو نفاس والی عورت کو مدت نفاس میں از خود طول نہیں دینا چاہیے۔ بلکہ خون کی بندش کے ساتھ غسل کر کے نماز وغیرہ کا اہتمام کر دینا چاہیے۔لیکن ہمارے معاشرہ میں عورتوں کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو چکی ہے کہ بچے کی ولادت کے بعد کم از کم سوا مہینہ نفاس کی مدت پوری کرنا ہے، پھر غسل کر کے وہ پاک ہو گی اور اگر کوئی عورت سوا مہینہ سے پہلے نفاس کا خون بند ہونے پر غسل کر کے نماز شروع کر دے تو اسے معیوب سمجھا جاتا ہے اور ایسی عورت کے متعلق منفی پروپیگنڈہ اور طرح طرح کی باتیں کی جاتی ہیں ۔ یہ تمام جمود جہالت کا شاخسانہ اور اسلامی تعلیمات سے دوری کا نتیجہ ہے ۔ اس لیے جس عورت کا خون، پندرہ، بیس یا پچیس دن کے بعد بند ہو جائے تو اسے فوراً غسل کر کے نماز کا اہتمام ضرور کرنا چاہیے ورنہ پاکی کے بعد وہ جو نمازیں چھوڑے گی، اس کی وجہ سے وہ گناہ گار بھی ہوگی اور ترک نماز اور سنت کی مخالفت کی وجہ سے اسے سخت خمیازہ بھی بھگتنا پڑے گا۔ دوسری طرف اگر نفاس کا خون جاری ہو تب بھی سوا مہینے کے بعد غسل کر کے پاک ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے ۔ اس

بارے میں بھی نظر ثانی کی ضرورت ہے اور غسل نفاس، نفاس کے اختتام پر ہی مشروع ہے۔ جس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے۔

نفاس کے دوران ممنوعہ افعال:

حیض اور نفاس کا ایک ہی حکم ہے۔ چنانچہ دوران حیض عورت کے لیے جو کام ممنوع وحرام ہیں وہ نفاس کے دوران بھی ممنوع وحرام ہیں اور جو احکام حالت حیض میں مسنون ومندوب ہیں وہ حالت نفاس میں بھی مسنون ومندوب ہیں۔ امام شوکانی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں۔ علماء کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ نفاس کا حکم حلال وحرام اور مکروہ ومندوب احکام میں حیض ہی کی مثل ہے۔ [نیل الاوطار: ۱/۳۰۵]

چنانچہ دوران نفاس، نفاس والی عورت کا نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا اور خاوند سے مباشرت کرنا ناجائز وممنوع ہے۔

نماز اور روزہ کی ممانعت:

حیض ونفاس میں عورت نہ نماز پڑھ سکتی ہے اور نہ روزے رکھے گی۔ حیض ونفاس سے فراغت کے بعد وہ روزوں کی قضا تو دے گی، لیکن نماز کی کوئی قضا نہیں ہے۔

۱۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے دین میں نقص کی علت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

((أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَ لَمْ تَصُمْ))

[صحیح بخاری: ۳۰۴، صحیح مسلم: ۷۹]

''اور ایسا نہیں کہ جب وہ حائضہ ہوتی ہے تو نہ وہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے۔''

فقہ الحدیث :

سید سابق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: حیض اور نفاس والی عورت کے لیے روزہ رکھنا حلال نہیں، اگر یہ روزہ رکھے گی تو روزہ واقع نہ ہوگا اور یہ عمل باطل قرار پائے گا اور حیض ونفاس میں چھوٹنے والے رمضان کے روزوں کی وہ قضا دے گی۔ البتہ فوت شدہ نمازوں کی قضا اس پر واجب نہیں۔ (فقہ السنہ: ۱/۸۱)

مباشرت کی ممانعت :

حائضہ اور نفاس والی عورت سے مباشرت کرنا قطعی حرام ہے اور جب تک یہ حیض و نفاس کے خون سے پاک نہ ہو خاوند اس سے جنسی تعلقات قائم نہیں کرسکتا۔ سید سابق رحمہ اللہ کہتے ہیں: کتاب وسنت کی نص اور اجماع کی رو سے نفاس والی عورت سے مباشرت کرنا حرام ہے اور جب تک عورت حیض ونفاس سے پاک نہ ہو اس سے مجامعت کرنا حلال نہیں۔ اس کی دلیل آئندہ حدیث ہے۔ انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، یہودی جب ان میں عورت حائضہ ہو جاتی تو نہ وہ اس کے ساتھ کھاتے اور نہ اس سے جماع کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ کے متعلق پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی:

﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْھُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْھُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّـوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴾

[البقرہ:۲/۲۲۲]

”اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہیے یہ گندگی ہے، پس تم حیض میں بیویوں سے الگ رہو اور اس وقت تک ان کے قریب نہ جاؤ جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں، چنانچہ جب وہ خوب پاک ہو جائیں تو ان کے

پاس وہاں سے آؤ جہاں سے اللہ تعالیٰ نے تمھیں حکم دیا ہے۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور خوب طہارت حاصل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔‘‘

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (حالت حیض میں) بیویوں سے جماع کے سوا ہر طرح کے تعلقات قائم کرو۔

[صحیح مسلم:۳۰۲، سنن أبو داؤد : ۲۵۸، جامع ترمذی:۲۹۷۷، سنن نسائی:۲۸۷، سنن ابن ماجہ: ۶۴۴]

بچپن میں فوت ہونے والے بچے سرمایۂ آخرت

بچپن میں فوت ہونے والے بچوں کی موت انسان کے لیے بہت بڑا صدمہ ہے، جن کا غم ہمیشہ تازہ رہتا ہے اور دل سے ان مرحوم بچوں کی یادیں محو نہیں ہوتیں، لیکن بچوں کی اموات کو اللہ تعالیٰ کی قضاو قدر تسلیم کرتے ہوئے طلب ثواب کی نیت سے صبر کیا جائے تو یہ عمل بہت زیادہ اجر وثواب کا باعث، جہنم سے آزادی اور جنت میں داخلے کا سبب ہوگا۔ اس لیے نابالغ بچوں کی پیدائش پر صبر کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور طلب ثواب کے امیدوار رہنا چاہیے۔

فوت شدہ بچے جہنم سے بچاؤ کا مضبوط حصار:

بچپن میں فوت ہونیوالے بچے والدین کے لیے جہنم سے آزادی کا ذریعہ بنیں گے اور ایسے بچوں کے والدین پر جہنم حرام قرار پائے گی۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَاَ يَمُوْتُ لِمُسْلِمٍ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ فَيَلِجَ النَّارَ إِلاَّ تَحِلَّةَ الْقَسَمِ))

''جس بھی مسلمان کے تین بچے فوت ہوں تو پھر وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا مگر قسم برآری کے لیے (یعنی جنت میں داخلے کے لیے اسے جہنم کے اوپر سے پل صراط سے گزرنا پڑے گا)۔'' [صحیح بخاری: ۱۲۵۱، صحیح مسلم: ۲۶۳۲]

۲۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا مِنَ النَّاسِ مِنْ مُسْلِمٍ يُتَوَفَّى لَهُ ثَلاَثٌ لَمْ يَبْلُغُوا الْحِنْثَ إِلاَّ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِ رَحْمَتِهِ إِيَّاهُمْ))

[صحیح بخاری:۱۲۴۸]

"لوگوں میں سے جس بھی مسلمان کے ایسے تین بچے فوت ہوں جو بلوغت کی عمر کو نہیں پہنچے تو اللہ تعالیٰ ان پر شفقت کے سبب اسے جنت میں داخل کرے گا۔"

۲۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عورتوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہمارے لیے وعظ کا ایک دن مقرر کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں وعظ کیا اور فرمایا:

((أَيُّمَا امْرَأَةٍ مَاتَ لَهَا ثَلاَثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ كَانُوا حِجَابًا مِنَ النَّارِ، قَالَتِ امْرَأَةٌ: وَاثْنَانِ؟ قَالَ: وَاثْنَانِ))

"جس عورت کے تین بچے فوت ہوں تو وہ (بچے) اس کے لیے جہنم سے آڑ ہوں گے ایک عورت نے عرض کیا: دو بچے بھی (آڑ ہوں گے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو بھی (جہنم سے آڑ ہوں گے)۔"

[صحیح بخاری:۱۲٤۹، صحیح مسلم:۲٦۳۳]

اکیلا فوت شدہ بچہ بھی جنت میں داخلے کا باعث:

قرہ بن ایاس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنے بیٹے کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پوچھا کیا تو اس (اپنے بیٹے) سے محبت کرتا ہے؟ اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح محبت کرے، جیسے میں اس سے محبت کرتا ہوں (یعنی بے تحاشا محبت کرتا ہوں)، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے کو گم پایا تو پوچھا: فلاں شخص کے بیٹے کا کیا ہوا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس

کا بیٹا فوت ہو گیا ہے۔'' تو نبی ﷺ نے اس کے والد سے کہا:

((أَمَا تُحِبُّ أَنْ لاَ تَأْتِيَ بَابًا مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ إِلاَّ وَجَدْتَهُ يَنْتَظِرُكَ عَلَيْهِ ؟ فَقَالَ رَجُلٌ : أَلَهُ خَاصَّةً يَا رَسُوْلَ اللهِ أَوْ لِكُلِّنَا قَالَ : بَلْ لِكُلِّكُمْ))

''کیا تو پسند کرتا ہے کہ تو جنت کے جس بھی دروازے پر جائے تو اسے اپنا منتظر پائے؟ اس پر ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ بشارت اس کے لیے خاص ہے یا ہم سب کے لیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بشارت تم سب کے لیے ہے۔''

[مسند أحمد: ۳/۴۳۶، صحیح ابن حبان: ۲۹۴۷، مستدرک حاکم: ۱/۱/۵۴۱، مسند بزار: ۳۳۰۲، مسند ابن الجعد: ۱۰۷۵۔ حسن]

بچپن میں فوت ہونے والے بچے جنتی سیاح:

بچپن میں فوت ہونے والے بچوں کے مسلمان والدین کے لیے یہ عظیم خوشخبری ہے کہ ان کے بچے جنت میں جہاں چاہتے سیر و سیاحت کرتے ہیں اور روز آخرت وہ اپنے والدین کو جنت میں پہنچا کر دم لیں گے۔ اس مناسبت سے بھی والدین کو بچوں کی وفات پر صبر سے کام لینا چاہیے، کیونکہ بچپن میں بچوں کی وفات خود بچوں کے لیے اور والدین کے لیے بھی مفید ہے۔ ابو حسان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میرے دو بیٹے فوت ہو گئے ہیں، کیا تم رسول اللہ ﷺ سے مجھے کوئی ایسی حدیث بیان کرو گے، جو ہمارے فوت شدگان کے بارے میں ہمارے دل خوش کر دے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں، (آپ ﷺ کا فرمان ہے):

((صِغَارُهُمْ دَعَامِيصُ الْجَنَّةِ، يَتَلَقَّى أَحَدُهُمْ أَبَاهُ أَوْ أَبَوَيْهِ فَيَأْخُذُ بِثَوْبِهِ، كَمَا آخُذُ بِصَنَفَةِ ثَوْبِكَ هَذَا، فَلاَ يَنْتَهِي حَتَّى يُدْخِلَهُ اللهُ أَبَاهُ الْجَنَّةَ))

''مسلمانوں کے فوت شدہ چھوٹے بچے جنت کے سیاح ہیں۔ ان میں سے کوئی اپنے والد یا والدین سے (روز قیامت) ملاقات کرے گا اور اس کے کپڑے کو ایسے پکڑے گا جیسے میں نے تیرے اس کپڑے کا پلو پکڑا ہے۔ پھر وہ اس سے اس وقت تک جدا نہ ہوگا، جب تک اللہ تعالیٰ اسے اور اس کے والد کو جنت میں داخل نہ کریں گے۔'' [صحیح مسلم:۲۶۳۵، مسند احمد:۲/۴۸۸]

فقہ الحدیث:

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

دَعَامِيصُ دُعْمُوْصٌ کی جمع ہے اور دعموص ایسے کیڑے کو کہتے ہیں، جو گہرے پانی میں ہوتا ہے، اسی طرح معاملات میں دخل اندازی کرنے والے کو بھی دُعْمُوْص کہا جاتا ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ بچپن میں فوت ہونے والے بچے جنت میں خوب سیر و سیاحت کرتے ہیں اور اپنی منازل میں بلاٹوک داخل ہوتے ہیں اور انھیں جنت میں کسی بھی مقام میں داخلے سے روکا نہیں جاتا۔ جیسے دنیا میں بچوں کو محرم عورتوں کے پاس جانے سے منع نہیں کیا جاتا اور نہ ہی ان سے کوئی حجاب کرتا ہے۔

[النهاية في غريب الحديث والاثر:۲/۲۷۹]

۲۔ امام نووی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ گزشتہ احادیث دلیل ہیں کہ مسلمانوں کے فوت شدہ بچے جنتی ہیں اور علماء کی ایک جماعت نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

[شرح النووی:۱۶/۱۸۳]

۳۔ بچپن میں فوت شدہ بچے والدین کے لیے آخرت میں عظیم سرمایہ ثابت ہوں گے اور ان کے لیے جہنم سے بچاؤ اور جنت میں داخلے کا باعث ہوں گے، اس لیے بچوں کی وفات پر حوصلے سے کام لینا چاہیے۔ تقدیر پر راضی ہونا چاہیے اور جزع فزع اور بے صبری سے آخرت کے اجر کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

کثرت سے فوت ہونے والے بچوں کے والدین مایوس نہ ہوں:

جن والدین کے بچے بچپن ہی میں تیزی سے فوت ہو جاتے اور زندہ نہ بچتے ہوں، انھیں ان کی اموات پر صبر کرنا چاہیے۔ آہ و زاری اور اللہ تعالیٰ سے شکوہ و شکایات سے گریز کرنا چاہیے، کیونکہ ان کی اموات پر صبر آخرت میں جہنم سے آزادی اور جنت میں داخلے کا باعث ہے۔ ان کی مزید حوصلہ افزائی کے لیے آئندہ احادیث نہایت مؤثر ثابت ہوں گی۔

۱۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت اپنے بیٹے کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی اور عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ بیمار ہے (اس کی صحت یابی کی دعا کریں) مجھے اس کی جان کا خطرہ ہے اور (اس سے پہلے) میں تین بچے دفنا چکی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَقَدِ احْتَظَرْتِ بِحِظَارٍ شَدِيْدٍ مِنَ النَّارِ))

”(ان کے ذریعے) تو نے جہنم سے (بچاؤ کے لیے) سخت حفاظتی حصار قائم کر لیا ہے۔“

[صحیح مسلم:۲۶۳۶، سنن نسائی:۱۸۷۸، مسند احمد:۲/۴۱۹]

۲۔ بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ ایک انصاری عورت کا بچہ فوت ہو گیا ہے اور وہ اس کے فراق میں غمگین ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سمیت (تعزیت کرنے کے لیے) اٹھے اور جب

اس عورت کے دروازے پر پہنچے تو اس عورت کو بتایا گیا کہ نبی ﷺ اس کے پاس حاضر ہو کر اس سے تعزیت کرنا چاہتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ اس کے پاس حاضر ہوئے اور فرمایا: مجھے اطلاع ملی ہے کہ تو نے اپنے بیٹے کی وفات پر جزع فزع کی ہے۔ اس نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی ﷺ! میں آہ وزاری کیوں نہ کروں، میں رَقُوْبٌ (جس عورت کے بچے زندہ نہ رہتے ہیں) ہوں۔ میرا کوئی بچہ زندہ نہیں رہتا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّمَا الرَّقُوْبُ الَّذِيْ يَعِيْشُ وَلَدُهَا، إِنَّهُ لَا يَمُوْتُ لِامْرَأَةٍ مُسْلِمَةٍ أَوْ امْرِئٍ مُسْلِمٍ نَسْمَةٌ ، قَالَ : ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ فَيَحْتَسِبُهُمْ إِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ))

”حقیقی رقوب (جس کی اولاد آخرت میں مفید نہ ہو) تو وہ شخص ہے جس کے بچے زندہ رہتے ہیں۔ بلاشبہ جس مسلمان عورت یا مرد کی اولاد فوت ہوتی ہے یا فرمایا: تین بچے فوت ہوتے ہیں اور وہ طلب ثواب کی نیت رکھتا ہے تو اس کے لیے جنت واجب ہو گی۔“

عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے دائیں جانب تھے انھوں نے کہا: ”میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں کیا دو بھی؟“ نبی ﷺ نے فرمایا: ”دو بھی۔“

[مسند بزار: ۱۰۴۴، مستدرک حاکم: ۵۴۰/۱] حسن

۱۔ اسی معنی کی دوسری روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اس انصاری عورت سے کہا:

((إِنَّمَا الرَّقُوْبُ الَّذِيْ يَعِيْشُ وَلَدُهَا، أَمَا تُحِبِّيْنَ أَنْ تَرَيْهِ عَلَى بَابِ الْجَنَّةِ وَ هُوَ يَدْعُوْكِ إِلَيْنَا : قَالَتْ: بَلَى، قَالَ : فَإِنَّهُ كَذٰلِكِ)) [شعب الایمان للبیہقی: ۹۷۵۷/۷: ۱۳۶۔ حسن]

''رقوب (اولاد کے فائدہ سے بے بہرہ) تو وہ ہے جس کی اولاد زندہ رہتی ہے (اور بچپن میں کوئی بھی فوت نہیں ہوتا) کیا تو پسند کرتی ہے تو اسے (فوت شدہ بچے) کو جنت کے دروازے پر دیکھے اور وہ تجھے بلائے کہ ہمارے پاس چلی آؤ، اس عورت نے عرض کیا: ضرور (پسند کرتی ہوں) آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسی طرح ہوگا۔''

[شعب الایمان للبیہقی: ۱۳۶/۷، ح: ۹۷۵۷] حسن

بیٹیوں کی ولادت کا بیان

بیٹے اور بیٹیاں دونوں ہی اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہیں۔ لہٰذا ان دونوں کے میسر آنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے، دونوں کی پیدائش پر خوشی کا اظہار کرنا چاہیے اور تقدیر الٰہی پر رضا مندی کا اظہار کرنا چاہیے۔

بیٹیاں عطیہ خداوندی:

جیسے بیٹے اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہیں، اسی طرح بیٹیاں بھی اللہ تعالیٰ کی دین ہیں اور یہ اس کی قدر و قضا ہے کہ جسے چاہے بیٹے دے، جسے چاہے بیٹے بیٹیاں دو طرح کی اولاد دے، جسے چاہے صرف بیٹیاں دے اور اس کی مشیت میں کچھ لوگوں کو اولاد سے محروم رکھنا ہے۔ مسلمان ہونے کے ناتے ہمیں جو میسر ہو اس پر خوشی کا اظہار کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر رضامندی ظاہر کرنی چاہیے۔ دلیل حسب ذیل ہے، اللہ مالک الملک ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا وَ يَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ﴾

[الشوریٰ:۴۲/ ۴۹، ۵۰]

”آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کے لیے ہے، وہ جو چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے، جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹوں سے نوازتا ہے۔

یا انھیں مذکر ومؤنث ملا کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے، بانجھ کر دیتا ہے۔ بلا شبہ وہ بہت علم والا، کامل قدرت والا ہے۔"

تفسیر الآیۃ:

۱۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی چار قسمیں بیان کی ہیں۔ ایک وہ جنھیں صرف بیٹے دیے جاتے ہیں، دوسرے وہ جنھیں صرف بیٹیاں، تیسرے وہ جنھیں بیٹے بیٹیاں دونوں قسم کی اولاد سے نوازا جاتا ہے اور چوتھے وہ جنھیں بیٹا نہ بیٹی، لوگوں کے درمیان یہ فرق و تفاوت اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے، اس تفاوت الٰہی کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں بدل سکتی۔

[تفسیر ابن کثیر، منقول از تفسیر احسن البیان: ۱۳۴۶]

۲۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اولاد کے لحاظ سے زوجین کی چار قسمیں بیان کی ہیں اور یہ بتایا ہے کہ اس نے انھیں جو اولاد عطا کی ہے وہ عطیہ خداوندی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی حاصل کرنے کے لیے یہی کافی ہے کہ انسان اس کی عطا کو ناپسند کرے۔ پھر اس نے آیت کا آغاز بچیوں سے کیا ہے (جو بچیوں کی عظمت ورفعت کی علامت ہے) اور ایک قول ہے کہ چونکہ والدین بچیوں کو بوجھ سمجھتے ہیں، اس کے لیے ازراہ ہمدردی بچیوں کا ذکر پہلے کیا گیا ہے اور تیسرا اور عمدہ قول یہ ہے کہ آیت کا سیاق بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے، والدین کی مشیت کے مطابق اولاد نہیں ہوتی۔ کیونکہ والدین عموماً لڑکوں ہی کے خواہش مند ہوتے ہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے کہ وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے۔ پھر اس نے آغاز اس صنف سے کیا جس کی پیدائش میں اس کی مشیت ہے، جب کہ والدین اس کی پیدائش کی خواہش نہیں رکھتے۔

[تحفۃ المودود، ص: ۳۹]

بیٹیوں سے نفرت جاہلیت کی روش

بیٹیوں سے نفرت اہل جاہلیت کا وتیرہ اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر ناپسندیدگی کا اظہار ہے۔ اہل جاہلیت بچیوں کو عار اور بوجھ سمجھتے تھے۔ پھر بچیوں سے نفرت کے اسباب میں ایک سبب یہ بھی تھا کہ بچیاں وراثت میں کچھ نہیں دیتیں، اس لیے یہ مالی بوجھ کے سوا کچھ نہیں۔ اسباب ومحرکات کچھ بھی ہوں، اللہ تعالیٰ نے بچیوں سے نفرت کرنے اور ان کی پیدائش کو منحوس سمجھنے کی شدید مذمت کی ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿وَ يَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ وَ لَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ ۝ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ﴾ [النحل:١٦/٥٧، ٥٨، ٥٩]

"اور وہ (مشرکین عرب) اللہ کے لیے بیٹیاں مقرر کرتے ہیں وہ اس (نقص) سے پاک ہے اور اپنے لیے وہ (بیٹے) جو وہ خواہش رکھتے ہیں اور جب ان میں سے کوئی لڑکی کی بشارت دیا جاتا ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ سخت رنجیدہ ہو جاتا ہے۔ وہ اس بری خبر کی وجہ سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے۔ (سوچتا ہے) کیا اس ذلت کو لیے رکھے یا اسے زمین میں دبا دے۔ آہ! کیا برے فیصلے کرتے ہیں۔"

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ﴾ [الزخرف:٤٣/١٧]

"اور جب ان میں سے کسی کو اس چیز (لڑکی) کی خبر دی جاتی ہے، جس کی مثال

اس نے رحمٰن کے لیے بیان کی ہے(کہ اللہ کی بیٹیاں ہیں) تو اس کا چہرہ سخت سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ نہایت غمناک ہو جاتا ہے۔"

فقہ التفسیر:

۱۔ مشرکین عرب صرف بیٹوں کے خواہش مند تھے اور بچیوں کی پیدائش سے سخت نفرت کرتے تھے، جب کہ مسلمان ہونے کے ناتے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ صرف بیٹوں ہی کا حریص نہ ہو بلکہ بیٹی کی پیدائش کا خواہش مند بھی ہو اور جیسے بیٹوں کی پیدائش پر خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے بیٹی کی پیدائش کو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سمجھتے ہوئے خوش ہو اور بیٹی کی پیدائش کو اچھا شگون سمجھے۔

۲۔ اہل جاہلیت بیٹیوں کی پیدائش کو منحوس اور موت کو مبارک سمجھتے تھے اور بیٹیوں کی پیدائش پر گھروں میں صف ماتم بچھ جاتی۔ اسلام نے ان جاہلی رسوم کو ختم کیا ہے، لہٰذا جاہلیت کا یہ طرز عمل اہل اسلام میں نہیں پایا جانا چاہیے اور جیسے بچے کی پیدائش میں گھر خوشی سے مہک اٹھتے ہیں، ایسے ہی بچیوں کی پیدائش پر بھی خوشی کا اظہار کرنا چاہیے۔ کیونکہ نیک اولاد بچے، بچیاں مرنے کے بعد بہترین سرمایہ ہیں۔ اس لیے اصل مقصد ان کی دینی تربیت کرنا ہے۔ دینی تربیت میں کامیاب ہو گئے تو نیک اولاد کی حیات وممات والدین کے لیے بہترین توشہ آخرت ہوگا۔

۳۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ﴾ [النساء:۴/۱۹]

"چنانچہ اگر تم انھیں ناپسند کرتے ہو تو ممکن ہے تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ نے اس میں بہت بھلائی رکھی ہو۔"

یہی معاملہ بیٹیوں کا ہے کیونکہ بعض اوقات انسان کے لیے بیٹیاں دنیا و آخرت میں خیرو برکت کا باعث بنتی ہیں۔ ان سے نفرت کرنے کی قباحت میں سے ہے کہ انسان اس چیز کو ناپسند کرتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے پسند کیا ہے اور اس چیز سے ناپسندیدگی کا اظہار ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کی ہے۔ [تحفۃ المودود، ص: ۴۳]

۴۔ بیٹیوں کی پیدائش پر صبر و برداشت سے کام لینا چاہیے۔ اسے اپنے لیے خیر و برکت کا باعث سمجھنا چاہیے، کیونکہ بیٹیوں کی پیدائش اس لیے بھی مستحسن ہے کہ کئی انبیاء کرام علیہم السلام کو بیٹیوں ہی سے نوازا گیا۔ مثلاً شعیب علیہ السلام، لوط علیہ السلام، اور نبی آخر الزماں کی اولاد بیٹیوں پر ہی مشتمل تھی۔ اگر بیٹیوں کی پیدائش معیوب اور ناپسندیدہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بندوں کو بیٹیوں سے کبھی نہ نوازتا۔ پھر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بچیوں کی پیدائش پر خود بھی رضامندی کا اظہار کرتے اور باقی لوگوں کو بھی بیٹیوں کی پیدائش پر تسلی دیتے تھے۔

۱۔ صالح بن احمد کہتے ہیں: امام احمد کے ہاں جب کسی بچی کی ولادت ہوتی تو وہ کہتے انبیاء کرام بھی بیٹیوں کے باپ تھے اور وہ کہتے بیٹیوں کی فضیلت کے بارے میں جو دلائل وارد ہیں وہ تمھیں معلوم ہی ہیں۔

۲۔ یعقوب بن بختان کہتے ہیں۔ میرے ہاں سات بچیاں پیدا ہوئیں، چنانچہ جب میرے ہاں کسی بچی کی ولادت ہوتی تو میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے پاس حاضر ہوتا تو وہ مجھے حوصلہ دیتے اور کہتے: ابو یوسف! انبیاء کرام بچیوں کے باپ تھے۔ ان کی یہ بات میرا غم دور کر دیتی۔ [تحفۃ المودود، ص: ۴۳، ۴۴]

بچیوں کو زندہ دفن کرنا قدرت الٰہی سے انتقام:

اہل جاہلیت بچیوں سے شدید نفرت اور عار کے سبب درندگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے

بچیوں کو زندہ دفن کر دیتے۔ جس کی کتاب وسنت میں سخت مذمت وارد ہوئی ہے اور اسلام نے اس قتل ناحق سے سختی سے منع کیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ بچیوں کو زندہ درگور کرنے کی مذمت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

﴿ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىِٕلَتْ ۝ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ﴾ [التحریم:۸۱/۸، ۹]

''اور جب زندہ دفن کی ہوئی سے پوچھا جائے گا، کس گناہ کی پاداش میں وہ قتل کی گئی۔''

ان آیات میں اصل وعید قاتل کے لیے ہے کہ جب معصوم مظلوم مقتول بچی سے قتل ہونے کا سبب پوچھا جائیگا تو قاتل کا کڑا احتساب ہوگا۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے امت مسلمہ کو اس ظالمانہ فعل سے ان الفاظ میں منع فرمایا: مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الأُمَّهَاتِ، وَوَأْدَ الْبَنَاتِ، وَمَنَعَ وَهَاتِ، وَكَرِهَ لَكُمْ قِيلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ وَإِضَاعَةَ الْمَالِ))

[صحیح بخاری: ۲۴۰۸۔ صحیح مسلم: ۵۹۳]

یہ دلائل صریح نص ہیں کہ بچیوں کو زندہ دفنانا قطعاً حرام اور قتل ناحق ہے اور اہل جاہلیت کا یہ طرز عمل انتہائی ظالمانہ اور سفاکانہ تھا۔ لیکن اسلام کے دعویداروں میں بچیوں سے ویسی ہی نفرت اور بچیوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کی وہ وحشیانہ روش آج بھی موجود ہے۔ مسلمان کو اپنا دعویٰ ایمان سچ ثابت کرنے کے لیے اپنی ان عادات بد اور جاہلی رسوم سے کنارہ کرنا چاہیے۔ ورنہ صورت حال یہ ہے کہ بچیوں کی مسلسل پیدائش پر گھر ماتم کدہ بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے شکایات کا تانتا بندھ جاتا ہے۔ بچیاں جننے والی عورت کو طعن و

تشنیع کا ہدف بنایا جاتا ہے، کچھ سفاک لوگ ایسی عورت کو طلاق دے دیتے ہیں اور کچھ وحشی پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ کہتے ہوئے ایسی عورت کو زندہ جلا دیتے ہیں کہ میں بچیاں دینے والی فیکٹری بند کررہا ہوں۔ پھر ظلم کی انتہاء یہ ہے کہ مسلمان خاندانوں اور ڈاکٹروں کی ملی بھگت سے الٹرا ساؤنڈ ٹیسٹ کے بعد یہ معلوم ہونے پر کہ حمل بچی ہے، فوراً حمل ضائع کر دیے جاتے ہیں اور بچیوں کو مؤنث ہونے کے جرم میں دنیا میں آنے سے پہلے ہی دوسرے جہاں بھیج دیا جاتا ہے، ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور اس دن کے عذاب سے خوف کھانا چاہیے جس دن ایسے مظالم کی سخت سزائیں دی جائیں گی اور جرائم کا مکمل حساب دینا پڑے گا۔

زندہ دفن کرنے والے کا انجام:

بچیوں کو ناحق قتل کرنا مہلک کبیرہ گناہ ہے جس کا انجام آتش جہنم ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلْوَائِدَةُ وَ الْمَوؤُدَةُ فِي النَّارِ))

''زندہ درگور کرنیوالی اور زندہ درگور کی ہوئی آگ میں ہیں۔''

[سنن أبو داؤد: ۴۷۱۷، صحیح ابن حبان: ۷۴۸۰۔ صحیح]

۱۔ بچی کو زندہ دفن کرنے والا مرد ہو یا عورت دونوں جہنمی ہیں۔ یہ کام اکثر عورتیں کرتی ہیں اس لیے مؤنث کا صیغہ استعمال کیا گیا۔

۲۔ زندہ دفن کی ہوئی کا ٹھکانہ بھی جہنم ہے۔ علماء نے اس کی دو توجیہات کی ہیں۔

① المؤودۃ (زندہ دفن کی گئی) سے مراد زندہ دفن کی ہوئی بچی کی والدہ ہے کہ بچی کی وفات کے غم میں اس کی حالت بھی زندہ دفن کی ہوئی بچی کی مثل ہی ہے، یہ بھی کفر و شرک کی وجہ سے جہنمی ہوگی۔ ② موؤدہ سے مراد وہ بچی ہے جسے بلوغت کے بعد دفن

کیا گیا ہو۔ یہ بھی بلوغت کے بعد اپنے کفر و شرک کی وجہ سے جہنم کی مستحق قرار پائے گی۔ [تلخیص از مرعاۃ المفاتیح: ۱/۲۰۰]

کیونکہ نابالغ فوت ہونے والے مشرکین کے بچے بھی راجح قول کے مطابق جنتی ہیں۔ اسی لیے قبل از بلوغت زندہ دفن کی ہوئی بچی تو جنتی ہوگی۔ نیز وہ روایت جس میں ہے کہ زندہ درگور کی ہوئی بچی جنتی ہے، وہ سنداً ضعیف ہے۔

حسناء بنت معاویہ رحمہا اللہ بیان کرتی ہیں کہ میرے چچا نے بیان کیا کہ میں نے نبی ﷺ سے پوچھا: جنتی کون ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلنَّبِيُّ فِي الْجَنَّةِ، وَالشَّهِيْدُ فِيْ الْجَنَّةِ ، وَالْمَوْلُوْدُ فِي الْجَنَّةِ، وَالْوَئِيْدُ فِي الْجَنَّةِ))

''نبی جنتی ہے، شہید جنت میں ہے، نومولود جنتی ہے، اور زندہ درگور کی گئی بچی جنتی ہے۔''

[مسند احمد: ۵/۵۸، سنن أبو داؤد: ۲۵۲۱، سنن بیهقی، ۹/۱۶۳، مصنف ابن ابی شیبه: ۱۹۸۵۲] اسناده ضعیف

اس روایت کی سند میں حسناء بنت معاویہ مجہولہ راویہ ہے۔

اس جرم کا ازالہ:

اس جرم کا مرتکب اگر کفر و شرک کو ترک کے دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے تو یہ گناہ محو ہو جاتا ہے۔ اس طرح اگر کسی مسلمان سے اس جرم کا ارتکاب ہو تو اس گناہ سے تائب ہونے سے اس کا یہ گناہ دھل جاتا ہے۔

سلمہ بن یزید جعفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرا بھائی نبی ﷺ کے پاس گئے اور ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ ہماری والدہ ''ملیکہ'' صلہ رحمی کرتیں اور دیگر کئی نیک

کام کیا کرتی تھیں، جاہلیت میں اس کی موت واقع ہوئی ہے کیا یہ نیک اعمال اس کو فائدہ دیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، ہم نے عرض کی: اس نے دور جہالت میں ہماری ایک بہن کو زندہ دفن کر دیا تھا، کیا اس کے نیک اعمال اسے کچھ فائدہ دیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْوَائِدَةُ وَالْمَوْؤُدَةُ فِي النَّارِ، إِلاَّ أَنْ تُدْرِكَ الْوَائِدَةُ الإِسْلاَمَ فَيَعْفُوَ اللّٰهُ عَنْهَا))

''زندہ درگور کرنے والی اور زندہ دفنائی ہوئی آگ میں ہیں، البتہ زندہ دفن کرنے والی اسلام کا زمانہ پالے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیں گے۔''

[مسند أحمد: ۳/۴۷۸، السنن الكبرىٰ للنسائي: ۶/۴۹۳: ۱۱۶۴۹] صحیح

بیٹیاں باعث رحمت و برکت:

بیٹیوں کی پیدائش انسان کے لیے رحمت و برکت کا باعث ہے، ان کی اچھی تربیت کر کے اور ان سے اچھا برتاؤ کر کے انسان بہت سے فوائد سمیٹ سکتا ہے اور بہت سی رفعتیں حاصل کر سکتا ہے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

بچیوں کی اچھی پرورش کرنے والا جنت میں نبی ﷺ کا ہمسایہ:

بچیوں کی بہتر پرورش کرنے والا اور ان کا اچھا خیال رکھنے اور ضروریات پوری کرنے والا روز قیامت نبی ﷺ کے ساتھ ہوگا اور اس دن کی ہولناکی اور گھبراہٹ سے مامون و محفوظ رہے گا۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتَّى تَبْلُغَا، جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ، وَضَمَّ أَصَابِعَهُ))

''جس نے دو بچیوں کی کفالت کی حتیٰ کہ وہ بالغ ہو گئیں تو روز قیامت میں اور وہ

(ایک ساتھ) آئیں گے اور آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کو ملایا۔"

[صحیح مسلم: ۲۶۳۱]

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ عَالَ ابْنَتَيْنِ أَوْ ثَلاَثًا ، أَوْ أُخْتَيْنِ أَوْ ثَلاَثًا ، حَتَّى يَبِنَّ ، أَوْ يَمُوتَ عَنْهُنَّ ، كُنْتُ أَنَا وَهُوَ فِي الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ وَ أَشَارَ بِإِصْبَعَهِ الْوُسْطَى وَالَّتِي تَلِيْهَا))

[صحیح ابن حبان: ۴۴۷، مسند عبد بن حمید: ۱۳۷۸] حسن

"جس نے دو یا تین بیٹیوں یا دو یا تین بہنوں کی پرورش کی حتیٰ کہ ان کی شادی ہو جائے یا فوت ہو جائیں تو میں اور یہ شخص جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح (ایک ساتھ) ہوں گے اور آپ ﷺ نے اپنی درمیانی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔"

بچیوں کی کفالت جہنم سے آزادی کا ذریعہ:

موجودہ معاشرے میں بچیوں کی پیدائش کو ناپسند کیا جاتا ہے اور اکثر بچیوں کی تعلیم و تربیت اور دیگر معاملات میں لاپروائی برتی جاتی ہے اور لڑکیوں کے بجائے لڑکوں کی تعلیم و تربیت، لباس و خوراک اور دیگر ضروریات کا زیادہ خیال رکھا جاتا ہے۔ اس ناانصافی کا محرک یہ ہے کہ دنیا میں جو فوائد بیٹوں سے حاصل ہوں گے وہ بیٹیوں سے نہیں، دوسرا سبب بیٹے جائیداد میں اضافے اور بیٹیوں جائیداد میں کمی کا باعث ہیں۔ لیکن نبوی تعلیمات ہمیں بچیوں سے زیادہ محبت و شفقت اور ان سے خیر خواہی کی زیادہ تاکید کرتی ہیں۔ کیونکہ بچیوں سے ہمدردی ان کی بہترین کفالت دنیا میں ہی نہیں آخرت میں بھی بہترین نتائج کی حامل ہے اور بچیوں کی عمدہ تربیت و کفالت والدین کے لیے جہنم سے آزادی اور جنت میں داخلے

کا باعث ہو گی، جب کہ یہ نوید بچوں کی پرورش و کفالت میں نہیں۔ اس لیے بچیوں کو کمزور اور بوجھ سمجھتے ہوئے ان سے بے اعتنائی نہیں برتنی چاہیے۔

۱۔ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس ایک عورت آئی جس کے ساتھ اس کی دو بچیاں تھیں، اس نے مجھ سے بھیک طلب کی۔ لیکن اسے میرے ہاں ایک کھجور کے سوا کچھ نہ ملا، میں نے وہ کھجور اسے دے دی۔ اس عورت نے وہ کھجور لی اسے تقسیم کر کے اپنی بیٹیوں کو دے دیا اور اس سے خود کچھ نہ کھایا۔ پھر وہ اٹھی اور وہ اور اس کی بیٹیاں چلی گئیں۔ بعد ازاں نبی ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میں نے یہ واقعہ آپ ﷺ کو بیان کیا اس پر نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَنِ ابْتُلِيَ مِنَ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ))

"جو شخص بیٹیوں کے سبب کچھ بھی آزمایا گیا۔ پھر اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو یہ بیٹیاں اس کے لیے جہنم سے آڑ ہوں گی۔"

[صحیح بخاری:۱۴۱۸، صحیح مسلم:۲۶۲۹]

اور صحیح مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے یہ واقعہ سن کر فرمایا:

((إِنَّ اللهَ قَدْ أَوْجَبَ لَهَا الْجَنَّةَ، أَوْ أَعْتَقَهَا بِهَا مِنَ النَّارِ))

"بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے لیے جنت واجب کر دی ہے یا اسے اس حسن سلوک کی وجہ سے جہنم سے آزادی دے دی ہے۔"

[صحیح مسلم:۲۶۳۰]

۲۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ، فَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ، وَ أَطْعَمَهُنَّ وَ

سَقَاهُنَّ، وَكَسَاهُنَّ مِنْ جِدَتِهِ، كُنَّ لَهُ حِجَابًا مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

”جس کی تین بیٹیاں ہوں وہ ان پر صبر کرے اور اپنی طاقت کے مطابق انھیں کھلائے، پلائے اور پہنائے تو روز قیامت وہ اس کے لیے جہنم سے رکاوٹ ہوں گی۔“

[مسند ابو یعلی : ۱۷۶۴، مسند احمد: ۱۵۴/۴، طبرانی کبیر: ۸۲۶، سنن ابن ماجہ: ۳۶۶۹] حسن

نومولود کو گھٹی دینا

نومولود کی ولادت کے بعد بچے کو گھٹی دینا مسنون ومستحب عمل ہے اور اگر گھر میں نیک اور صالح مرد یا عورت میسر ہو تو ٹھیک، ورنہ محلہ میں سے کسی متقی وپرہیزگار سے بچے کو گھٹی دلوائی جائے۔ طریقہ کار یہ ہے کہ کھجور وغیرہ لے کر صالح شخص اسے اپنے منہ میں چبا کر نرم کر لے اور اسے نومولود کے تالو پر لگا دیا جائے۔ مقصود نومولود کے لیے برکت کا حصول ہے اور گھٹی دینے والے کا نومولود کے لیے خیر وبرکت کی دعا کرنا مسنون عمل ہے۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔

① عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

((أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُؤْتَى بِالصِّبْيَانِ، فَيُبَرِّكَ عَلَيْهِمْ وَ يُحَنِّكُهُمْ))

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (نومولود) بچے لائے جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے برکت کی دعا کرتے اور انھیں گھٹی دیتے تھے۔"

[صحیح مسلم:۲۱۴۷]

فقہ الحدیث:

امام نووی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: یہ حدیث دلیل ہے کہ نومولود کو گھٹی دینا مستحب فعل

ہے اور اہل تقویٰ اور اہل فضل سے برکت حاصل کرنا مشروع ہے، نیز حصول برکت کے لیے بچوں کو اہل فضل کی طرف لے جانا مستحب عمل ہے۔

[شرح النووی: ۱۹۴/۳]

② ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((وُلِدَ لِي غُلَامٌ فَأَتَيْتُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمَّاهُ إِبْرَاهِيمَ، فَحَنَّكَهُ بِتَمْرَةٍ، وَ دَعَا لَهُ بِالْبَرَكَةِ وَدَفَعَهُ إِلَيَّ))

''میرے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو میں اسے لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے اس کا نام ابراہیم رکھا، اسے کھجور کے ساتھ گھٹی دی، اس کے لیے برکت کی دعا کی اور اسے میرے حوالے کر دیا۔''

[صحیح بخاری: ۵۴۶۷، صحیح مسلم: ۲۱۴۵]

③ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ بیان کرتی ہیں: عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما مکہ میں حمل کی صورت میں ان کے پیٹ میں تھے۔ وہ بیان کرتی ہیں: پھر میں مدینہ کی طرف ہجرت کے لیے نکلی تو میں قریب الولادت تھی۔ میں مدینہ پہنچی اور قباء میں قیام کیا اور قباء ہی میں میں نے عبد اللہ بن زبیر کو جنم دیا۔ پھر میں اسے لے کر نبی ﷺ کے پاس آئی اور اسے آپ ﷺ کی گود میں رکھا۔ آپ ﷺ نے کھجور منگوائی، اسے چبایا، پھر بچے کے منہ میں لعاب ڈالا۔ چنانچہ سب سے پہلی چیز جو اس کے پیٹ میں داخل ہوئی، وہ آپ ﷺ کا لعاب تھا۔ بعد ازاں آپ ﷺ نے اسے کھجور کی گھٹی دی اور اس کے لیے برکت کی دعا دی۔ یہ پہلا نومولود تھا جو زمانہ اسلام میں پیدا ہوا۔ اس کی ولادت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بے حد شاداں و فرحاں تھے، کیونکہ انھیں کہا گیا تھا کہ یہود نے تم پر جادو کر دیا ہے اور تمھاری اولاد نہ ہوگی۔

[صحیح بخاری: ۵۴۶۹، صحیح مسلم: ۲۱۴۶]

فقہ الحدیث:

① یہ احادیث دلیل ہیں کہ بچے کو گھٹی دینا مستحب فعل ہے اور گھٹی کے لیے کھجور کا استعمال افضل ہے، لیکن اگر کھجور میسر نہ ہو تو شہد یا کسی اور نرم اور میٹھی چیز سے گھٹی دی جا سکتی ہے۔

② گھٹی کے لیے کسی نیک اور صالح شخص کے پاس بچے کو لے جا کر گھٹی دلوائی جا سکتی ہے، امام نووی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

((اِتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلَى اِسْتِحْبَاب تَحْنِيك الْمَوْلُود عِنْدَ وِلَادَتِه بِتَمْرٍ، فَإِنْ تَعَذَّرَ فَمَا فِي مَعْنَاهُ أَوْ قَرِيْبٌ مِنْهُ مِنَ الْحُلْو ، فَيَمْضُغُ الْمُحَنِّكُ التَّمْرَ حَتَّى تَصِيْرَ مَائِعَةً بِحَيْثُ تُبْتَلَعُ ، ثُمَّ يَفْتَحُ فَمَ الْمَوْلُودِ، وَيَضَعُهَا فِيهِ لِيَدْخُل شَيْءٌ مِنْهَا جَوْفَهُ ، وَ يُسْتَحَبُّ أَنْ يَكُونَ الْمُحَنِّكُ مِنَ الصَّالِحِيْنَ وَمِمَّنْ يُتَبَرَّكُ بِهِ رَجُلًا كَانَ أَوْ اِمْرَأَة ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ حَاضِرًا عِنْدَ الْمَوْلُودِ حُمِلَ إِلَيْهِ))

''علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نومولود کی ولادت کے وقت اسے کھجور کی گھٹی دینا مستحب فعل ہے۔ لیکن اگر کھجور کا حصول مشکل ہو تو اس سے ملتی جلتی میٹھی چیز استعمال کی جا سکتی ہے، پھر گھٹی دینے والا کھجور کو چبائے حتیٰ کہ وہ مائع کی شکل اختیار کر لے اور اسے بچے کے لیے نگلنا آسان ہو جائے، ازاں بعد وہ نومولود کا منہ کھول کر اسے اس کے منہ میں ڈال دے تاکہ یہ اس کے پیٹ میں داخل ہو جائے۔ بہتر یہ ہے کہ گھٹی دینے والا صالح اور متبرک ہستیوں سے ہو۔ خواہ مرد ہو

یا عورت، پھر اگر نومولود کے پاس ایسا کوئی فرد موجود نہ ہو، تو کسی ایسی محترم ہستی کے پاس بچے کو لے جانا مستحب ہے۔"

[شرح النووی: ۱۴ / ۱۶۳]

کیا گھٹی کا عمل بچے کی عادات پر اثر انداز ہوتا ہے؟

احادیث میں گھٹی دینے کے جو مقاصد بیان ہوتے ہیں، وہ بچے کو ماں کا دودھ پلانے سے قبل کھجور وغیرہ کا استعمال کرانا ہے اور کسی صالح آدمی سے بچے کے لیے خیر و برکت کی دعا کرانا مذکور ہے۔ احادیث میں اس بات کا بالکل ذکر نہیں کہ نومولود کی عادات و خصائل گھٹی دینے والی شخصیت کے موافق ہوتی ہیں۔ ممکن ہے نیک فال لی جا سکتی ہو، لیکن ہمارے معاشرے میں بچہ ضدی، ہٹ دھرم یا بد اخلاق واقع ہو تو مائیں اور خاندان کے دیگر افراد بچے کو لعن طعن کرنے کے ساتھ گھٹی دینے والے کو بھی کوستے اور ہدف طعن بناتے ہیں۔ کسی بھی شخص پر بلا وجہ لعن طعن کرنا قطعاً درست نہیں، اس پر سخت وعید وارد ہوئی ہے۔ لہٰذا اس برے فعل سے اجتناب کرنا چاہیے، کیونکہ گھٹی دینے والے کے اچھے یا برے اوصاف نومولود میں سرایت ہی نہیں کرتے تو وہ قابل ملامت کیوں کر ہو سکتا ہے۔

نومولود کے کان میں اذان واقامت کا بیان

نومولود کی ولادت پر اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہنا یا صرف دائیں کان میں اذان کہنا کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں اور اس بارے میں جتنی روایات منقول ہیں وہ ضعیف و نا قابل احتجاج ہیں، شریعت میں کسی بھی مسئلے کی حقانیت کی دلیل اس کا کتاب اللہ یا حسن وصحیح حدیث سے ثابت ہونا ہے۔ جو مسئلہ اس معیار پہ پورا نہ اترے اس کی مشروعیت مشکوک اور اسے حیطۂ عمل میں لانا غیر معتبر ہے۔ لہٰذا بچوں کے کان میں اذان و اقامت کہنا جو شرعی حکم کا درجہ حاصل کر چکا ہے، روایات کی اسنادی حیثیت کا علم ہونے کے بعد اس سے احتراز لازم ہے اور کچھ لوگ اجماع امت کے نام پر عوام کے بے وقوف بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے محققین سے اجماع کی باقاعدہ دلیل طلب کی جائے، ورنہ یہ اجماع بھی ویسے ہی بے حیثیت ہے، جیسے نماز کے بعد اجتماعی دعا پر اجماع بے معنی ہے۔

ذیل میں بچے کے کان میں اذان واقامت کہنے کے ثبوت میں جو روایات پیش کی جاتی ہیں، ان کی اسنادی حیثیت پر بحث پیش خدمت ہے۔

بچے کے کان میں اذان کہنے کے متعلق روایات:

۱۔ ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((رَأَيْتُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَذَّنَ فِي أُذُنِ

الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ حِيْنَ وَلَدَتْهُ فَاطِمَةُ بِالصَّلَاةِ))

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا: آپ ﷺ نے حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے کان میں نماز والی اذان کہی، جب فاطمہ رضی اللہ عنہا نے انھیں جنا۔''

[مسند احمد:۶/۳۹۱-۱۹۲، مسند بزار:۳۸۷۹، سنن أبو داؤد:۵۱۰۵، جامع ترمذی:۱۵۱۴، سنن بیهقی:۹/۳۰۵، طبرانی کبیر:۲۵۷۸، شعب الایمان للبیهقی:۸۶۱۷،۸۶۲۱، مسند طیالسی : ۹۷۰، ۱۰۱۳، مصنف عبد الرزاق: ۷۹۸۶، معرفة الصحابة لابی نعیم:۱۶۶۳] إسناده ضعيف

اس حدیث کی سند میں عاصم بن عبید اللہ بن عاصم بن عمر بن خطاب ضعیف راوی ہے اور درج ذیل ائمہ ومحدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

۱۔ امام شعبہ کا قول ہے کہ اگر عاصم بن عبید اللہ سے یہ پوچھا جائے کہ بصرہ کی مسجد کس نے تعمیر کی ہے تو یہ سند بنا کر پیش کر دے کہ اسے نبی ﷺ نے تعمیر کیا۔

۲۔ ابن عیینہ کہتے ہیں: شیوخ عاصم کی حدیث سے احتراز کیا کرتے تھے۔

۳۔ امام علی بن مدینی کہتے ہیں: ہم نے یحییٰ بن سعید کے ہاں عاصم کا ذکر کیا تو انھوں نے کہا میرے نزدیک یہ عبداللہ بن عقیل کے پائے کا (یعنی ضعیف راوی) ہے اور علی بن مدینی کہتے ہیں: عبدالرحمن بن مہدی اس کی احادیث کا سخت انکار کرتے تھے۔

۴۔ یعقوب بن شیبہ سے مروی ہے کہ امام احمد نے کہا عاصم اور عبداللہ بن عقیل کی حدیث ضعیف ہے۔

۵۔ عبد اللہ بن احمد اپنے والد احمد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے بیان کیا کہ یہ دونوں درجہ ضعف میں قریب ہیں اور عاصم اس درجہ کا نہیں (یعنی وہ ضعیف راوی ہیں)

۶۔ ابن معین نے اسے ضعیف کہا ہے۔

۷۔ ابن سعد کہتے ہیں۔ یہ کثیر الحدیث ہے اور اس کی حدیث قابل احتجاج نہیں۔

۸۔ جوزجانی کا قول ہے کہ ابن عیینہ نے عاصم کے حفظ میں طعن کیا ہے۔

۹۔ یعقوب بن ابی شیبہ کہتے ہیں: لوگوں نے اس سے روایت لی ہیں، لیکن اس کی احادیث میں ضعف ہے اور اس کی احادیث منکر ہیں۔

۱۰۔ ابن نمیر کہتے ہیں عاصم منکر اور مضطرب الحدیث راوی ہے۔

۱۱۔ ابو حاتم کہتے ہیں۔ عاصم منکر اور مضطرب الحدیث ہے، اس کی کوئی بھی روایت قابل اعتماد نہیں، یہ ضعیف ہے اور عبداللہ بن عقیل کے قریب تر ہے۔

۱۲۔ امام بخاری نے اسے منکر حدیث قرار دیا ہے۔

۱۳۔ امام نسائی کہتے ہیں: ہمیں نہیں معلوم کہ امام مالک نے ضعف میں مشہور کسی راوی سے روایت لی ہو سوائے عاصم بن عبیداللہ کے اس سے انھوں نے ایک روایت بیان کی ہے۔

۱۴۔ ابن خراش وغیرہ کا قول ہے کہ عاصم ضعیف ہے۔

۱۵۔ ابن خزیمہ کہتے ہیں میں عاصم کے حفظ کی خرابی کی وجہ سے اسے حجت تسلیم نہیں کرتا۔

۱۶۔ الدارقطنی کا قول ہے کہ عاصم متروک اور مغفل راوی ہے۔

[تہذیب التہذیب:۳/۳۲۳، ۳۲۲]

اتنے ائمہ کی سخت اور مفصل جرح کے برعکس عجلی کا اسے ''لا باس بہ'' کہنا اور ابن عدی کا یہ کہنا کہ اسے کے ضعف کے باوصف اس کی حدیث (شواہد میں) لکھی جائے گی، کوئی حیثیت نہیں رکھتا ہے۔ کیونکہ ان کے مقابلہ میں ان سے علم وفن میں زیادہ ماہر اور تعداد میں برتر محدثین اس کی حدیث کو ناقابل احتجاج قرار دیتے ہیں اور امام ابو داؤد کہہ رہے ہیں: عاصم لا یکتب حدیث: عاصم کی حدیث لکھی نہ جائے گی۔ لہٰذا عاصم ضعیف و ناقابل احتجاج قرار پاتا ہے اور حافظ ابن حجر نے ائمہ ومحدثین کے اقوال کی روشنی میں تقریب التہذیب میں ضعیف قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حبان کہتے ہیں: عاصم سیئ الحفظ، کثیر الوہم اور

فاش غلطیاں کرنے والا ہے۔ لہٰذا کثرت اغلاط کی وجہ سے اس کی حدیث ترک کر دی گئی۔

[المجروحین: ۲/۱۲۷]

مذکورہ روایت کو ضعیف قرار دینے والے محدثین:

۱۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"وَ مَدَارُهُ عَلَى عَاصِمِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ وَهُوَ ضَعِيفٌ"

اس روایت کا مدار عاصم بن عبید اللہ پر ہے اور وہ ضعیف راوی ہے۔

۲۔ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ امام ترمذی اور امام حاکم کے اس روایت کو صحیح قرار دینے پر نقد کرتے ہوئے کہتے ہیں: لیکن عاصم بن عبید اللہ میں کلام ہے، امام بخاری اسے منکر حدیث کہتے ہیں اور حافظ ابن حبان نے اس کی اس روایت پر نقد کیا اور ابن قطان نے اسے معلول قرار دیا اور کہا: عاصم منکر و مضطرب الحدیث ہے۔ پھر ممکن ہے اب (ترمذی وحاتم) کے نزدیک یہ روایت کسی اور سند سے قوی ہو کر صحیح ہو گئی ہو لیکن مجھے اس سند کے سوا کوئی اور سند نہیں ملی۔

[البدر المنیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر: ۹/۳۴۸]

۳۔ ابن ترکمانی نے الجوہر النقی (۹/۳۰۵) میں اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

۴۔ ابن طاہر مقدسی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اس میں عاصم بن عبید اللہ بن عاصم بن عمر بن خطاب ضعیف راوی ہے۔

[کتاب معرفة التذکرة لابن طاهر مقدسی: ۱/۳۷]

۵۔ قاضی ابوبکر احمد بن مروان دینوری نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

[المجالسة و جواهر العلم: ۶۸۸]

نیز حافظ احمد شاکر اور شعیب ارنؤوط نے مسند احمد کی تحقیق میں اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے ہدایۃ الرواۃ تخریج مشکاۃ میں اور حافظ زبیر علی زئی نے انوار الصحیفہ میں اس روایت کو ضعیف

قرار دیا ہے۔

۱۔ ایک دوسری روایت بطور استشہاد پیش کی جاتی ہے۔ ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں:

((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَذَّنَ فِيْ أُذُنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا حِيْنَ وُلِدَا وَ أَمَرَ بِهِ))

''بلا شبہ نبی ﷺ نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے کانوں میں ان کی ولادت کے وقت اذان کہی اور اس بات کا حکم دیا۔''

[طبرانی کبیر: ۲۹۶، ۲۵۷۹] ضعیف

اس حدیث کی سند میں حماد بن شعیب حمانی کوفی ضعیف و منکر اور عاصم بن عبید اللہ ضعیف راوی ہیں۔

۲۔ حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ وُلِدَ لَهُ مَوْلُوْدٌ، فَأَذَّنَ فِيْ أُذُنِهِ الْيُمْنَى، وَ أَقَامَ فِيْ أُذُنِهِ الْيُسْرَى لَمْ يَضُرَّهُ أُمُّ الصِّبْيَانِ))

''جس کے ہاں نومولود پیدا ہو اور وہ اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہے تو اسے ام صبیان (بچوں کو دورے پڑنے کی بیماری) لاحق نہ ہوگی۔''

[عمل اليوم والليلة لابن السنی: ۲۲۲، مسند ابو يعلی: ۶۷۸۰، ابن عساکر: ۲۸۱/۵، شعب الایمان للبیهقی: ۸۶۱۹۔ الضعيفة: ۳۲۱] موضوع

علامہ البانی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ اس کی سند میں یحییٰ بن العلاء اور مروان بن سالم (وضاع راوی ہیں) احادیث گھڑا کرتے تھے۔

[سلسلة الضعيفة: ۳۹۱/۱]

اور جبار بن مغلس ضعیف راوی ہیں۔

① یحییٰ بن الولاء کذاب وضاع راوی ہے، محدثین نے اس پر سخت جرح کی ہے۔

② امام وکیع اس پر سخت جرح کرتے تھے۔

③ احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہتے ہیں: كَذَّابٌ يَضَعُ الْحَدِيْثَ: یہ کذاب ہے، احادیث گھڑا کرتا تھا۔

④ یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ یہ ثقہ نہیں۔

⑤ عمرو بن علی، نسائی اور ازدی کہتے ہیں کہ یہ متروک الحدیث ہے۔

⑥ دارقطنی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور ابن عدی کا قول ہے کہ اس کی احادیث پر ضعف کا حکم واضح ہے اور اس کی احادیث موضوع ہیں اور ابن حبان کہتے ہیں: ''یہ ثقہ راویوں سے مقلوب روایات نقل کرنے میں منفرد ہے اور اس سے حجت لینا ناجائز ہے۔''

[الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی: ۲۰۰/۳]

⑦ مروان بن سالم غفاری ابوعبداللہ جزری کے متعلق حافظ ابن حجر کہتے ہیں: محدثین نے اسے متروک قرار دیا ہے اور ساجی وغیرہ نے اسے متہم بالوضع قرار دیا ہے۔

[تقریب التهذیب: ٦٥٧٠]

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَذَّنَ فِيْ أُذُنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ يَوْمَ وُلِدَ، فَأَذَّنَ فِي أُذُنِهِ الْيُمْنَى وَ أَقَامَ فِيْ أُذُنِهِ الْيُسْرَىٰ))

''جس دن حسن بن علی پیدا ہوئے نبی ﷺ نے اس کے کان میں اذان کہی چنانچہ آپ ﷺ نے اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی۔''

[شعب الایمان للبیهقی: ۸۶۲۰، الضعیفة: ٦] موضوع

یہ حدیث من گھڑت ہے، اس میں دو راوی وضاع ہیں: ① حافظ ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں۔

محمد بن یونس بن موسیٰ بن سلیمان کدیمی ابوعباس سامی ہالک ہے۔ ابن حبان وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ ثقہ راوی کی طرف موضوع روایات منسوب کرتا تھا۔ المغنی فی الضعفاء : ٦٤٢/٢ ۔

② حسن بن عمرو بن سیف سدوسی : ابن مدینی اور امام بخاری نے اسے کذاب قرار دیا ہے اور ابوحاتم کہتے ہیں، یہ متروک الحدیث ہے۔

[الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی: ۲۰۸/۱، المغنی فی الضعفاء: ۱۶۵/۱]

قاسم بن مطیب عجلی کمزور راوی ہے، حافظ ابن حجر کہتے ہیں : (فِیْهِ لِیْنٌ)اس میں کمزوری ہے۔ [تقریب التھذیب:۵۴۹۶]

اور حافظ ابن حبان کا قول ہے کہ یہ روایات کی قلت کی وجہ سے راویوں سے روایت کرنے میں غلطی کرتا ہے، لہٰذا یہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس سے روایت نہ لی جائے۔

④ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مجھے ام فضل رضی اللہ عنہا نے حدیث بیان کی کہ میں نبی ﷺ کے قریب سے گزری تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّكِ حَامِلٌ بِغُلَامٍ، فَإِذَا وَلَدْتِ فَأْتِيْنِيْ بِهِ، قَالَتْ : فَلَمَّا وَلَدْتُهُ أَتَيْتُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَذَّنَ فِيْ أُذُنِهِ الْيُمْنٰى، وَ أَقَامَ فِيْ أُذُنِهِ الْيُسْرٰى))

[دلائل النبوۃ لابی نعیم:۴۶۷، تاریخ بغداد: ۳۶/۱، الضعیفة:۶۱۴۵] موضوع

اس حدیث کی سند میں حنظلہ السودسی ضعیف راوی ہے۔

[تقریب التھذیب:۱۵۸۳]

اور یہ روایت احمد بن راشد ہلالی کی اختراع ہے۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں : مذکورہ روایت احمد بن راشد ہلالی نے سعید بن خثیم سے باطل خبر بیان کی ۔ پھر اس روایت کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں : یہ روایت احمد بن راشد نے اپنے جہل کی بنا پر تخلیق کی ہے۔

[میزان الاعتدال: ۹۷/۱، لسان المیزان:۲۲۸/۷]

⑤ عبداللہ بن ابی بکر رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

((أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ كَانَ إِذَا وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ أَخَذَهُ كَمَا هُوَ فِيْ خِرْقَتِهِ، فَأَذَّنَ فِيْ أُذُنِهِ الْيُمْنَى، وَ أَقَامَ فِيْ الْيُسْرَىٰ، وَ سَمَّاهُ مَكَانَهُ))

''عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ہاں جب بچے کی پیدائش ہوتو وہ چیتھڑے میں جس حال میں بچہ ہوتا اسی حال میں اسے پکڑتے پھر اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہتے اور اسی جگہ اس کا نام رکھ دیتے تھے۔''

[مصنف عبدالرزاق: ۷۹۸۵] ضعیف جدًا

اس حدیث کی سند میں عبدالرزاق بن ہمام کی تدلیس ہے اور ابراہیم بن ابی یحییٰ متروک راوی ہے۔

حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ کہتے ہیں ابراہیم بن ابی یحییٰ کو امام بخاری اور ابو حاتم رازی نے منکر الحدیث کہا ہے، نسائی نے اسے ضعیف اور دارقطنی نے اسے متروک قرار دیا ہے۔

[الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی: ۱/۳۳]

۱۔ امام مالک کہتے ہیں ابراہیم بن ابی یحییٰ نہ حدیث میں ثقہ ہے نہ دین۔

۲۔ یحییٰ بن معین بیان کرتے ہیں کہ میں نے یحییٰ قطان کو کہتے سنا کہ ابراہیم بن ابی یحییٰ کذاب راوی ہے۔ احمد بن حنبل کا قول ہے کہ لوگوں نے اس سے حدیث لینا ترک کر دی اور ابن معین کہتے ہیں کہ یہ رافضی کذاب ہے۔

[میزان الاعتدال: ۱/۵۸]

درج بالا بحث سے یہ بات بیان ہوتی ہے کہ نومولود کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہنے کے جواز پر دال تمام روایات ضعیف، موضوع اور ناقابل احتجاج ہیں، چنانچہ کسی بھی صحیح حدیث یا اثر سے نومولود کے کان میں اذان یا اقامت کہنے کا

ثبوت موجود نہیں، لہٰذا محض سینہ زوری اور مصنوعی تواتر عملی ثابت کر کے اسے دین کا حصہ بنانا اور اسے شرعی حکم قرار دینا قطعاً درست نہیں، کیونکہ ایسا عمل جو دین میں ثابت نہیں وہ نا قابل عمل اور مردود ہے۔

چنانچہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ))

''جس نے ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہیں تو وہ مردود ہے۔''

[صحیح مسلم:۱۷۱۸]

بچے کے کان میں اذان اور اجماع امت کا شوشہ:

بعض محققین یہ بات تو تسلیم کرتے ہیں کہ بچے کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کے متعلقہ جمیع روایات نا قابل احتجاج ہیں، لیکن وہ اس کے قابل عمل ہونے کے لیے امام ترمذی رحمہ اللہ کے اس قول

'' وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ ''

اس روایت پر عمل ہے، سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس مسئلہ پر اجماع ہے۔ لہٰذا اجماع پر عمل کرتے ہوئے نومولود کے کان میں اذان کہنا ثابت ہے، لیکن امام ترمذی رحمہ اللہ کے اس قول سے اجماع کی دلیل لینا دو وجوہ سے باطل ہے۔

پہلی وجہ: امام ترمذی رحمہ اللہ یہ قول ''والعمل علیہ'' بچے کے کان میں اذان کہنے کی مشروعیت کے متعلق واضح ہے ہی نہیں، بلکہ دارالسلام کی مطبوعہ جامع ترمذی کے نسخہ میں:

وَالْعَمَلُ (فِي الْعَقِيْقَةِ) عَلَيْهِ

(عقیقہ کی مشروعیت میں اس پر عمل ہے) کے الفاظ ہیں، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جامع ترمذی کے کسی نسخہ میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ امام ترمذی اس سے عقیقہ کی مشروعیت کی

دلیل لے رہے ہیں نہ کہ بچے کے کان میں اذان کہنے کا جواز ثابت کر رہے ہیں اور امام ترمذی کے اس کے بعد کے الفاظ بھی اس موقف کو تقویت دیتے ہیں۔ چنانچہ امام ترمذی:

" وَالْعَمَلُ (فِيْ الْعَقِيْقَةِ) عَلَيْهِ" کے الفاظ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

((وَ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ الْعَقِيْقَةِ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ ، عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ مُكَافِئَتَانِ، وَ عَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ وَ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْضًا، أَنَّهُ عَقَّ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ بِشَاةٍ))

''اور نبی ﷺ سے عقیقہ کے بارے میں کئی سندوں سے مروی ہے کہ لڑکے کی طرف سے دو برابر بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ہے اور ایسے ہی نبی ﷺ سے یہ بھی منقول ہے کہ آپ ﷺ نے حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک بکری کا عقیقہ کیا۔''

[جامع ترمذی، تحت حدیث: ۱۵۱۴، ص: ۳۶۸]

یہ عبارت اور نسخہ دارالسلام کے الفاظ: وَالْعَمَلُ (فِيْ الْعَقِيْقَةِ) عَلَيْهِ یہ قوی دلیل ہیں کہ امام ترمذی کا اس سے مرد عقیقہ کی مشروعیت ثابت کرنا ہے، بچے کے کان میں اذان کہنے کی دلیل لینا ہرگز نہیں، جب امام موصوف کا مقصود ہی اور ہے تو سینہ زوری سے ان الفاظ سے اجماع کا ثبوت کیسے ممکن ہے۔

دوسری وجہ:

بالفرض اگر امام ترمذی رحمہ اللہ کے اس قول سے یہی مفہوم کشید کریں کہ وہ اس سے بچے کے کان میں اذان کی مشروعیت اخذ کر رہے ہیں تو وہ بچے کے کان میں اذان کہنے کا جواز اس لیے لے رہے ہیں کہ ان کے نزدیک مذکورہ روایات حسن صحیح ہے۔ اگر ان کے نزدیک

یہ روایت صحیح نہ ہوتی تو بھی ان کا قول یہی ہوتا تھا؟ یا وہ حدیث سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف لوگوں کے عمل کو جواز بنا رہے ہیں یہ سوچ اور مفہوم ہی محل نظر ہے۔ اس بات کی تردید حافظ عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ کے اس قول سے ہوتی ہے، وہ ترمذی کے اس قول والعمل علیہ کی شرح میں لکھتے ہیں: یعنی ولادت کے بعد بچے کے کان میں اذان دینے کے متعلق ابورافع سے مروی روایت پر عمل ہے،لیکن اگر آپ اس پر اعتراض کریں کہ اس ضعیف روایت پر عمل کیسے ہوسکتا ہے؟ کیونکہ اس کی سند میں عاصم بن عبید اللہ ضعیف راوی ہے۔ میں کہتا ہوں: حقیقت ایسے ہی ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

[تحفة الاحوذی:۵/۹۰]

پھر حافظ عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ نے اس روایت کو شواہد کی بنیاد پر قوی قرار دیا ہے۔ وہ تمام شواہد ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں، جن سے روایت میں مزید ضعف پیدا ہوتا ہے، تقویت بالکل ہی نہیں ملتی۔

شارح ترمذی کی اس وضاحت سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ (والعمل علیه)کا تعلق حدیث کی صحت سے مشروط ہے، جب حدیث ہی صحیح نہیں تو (والعمل علیه) کی کیا حیثیت ہے۔ پھر کسی مجتہد فقیہ نے (والعمل علیه)کو اجماع کی دلیل نہیں بنایا تو آج کے محقق کا اس سے اجماع کی دلیل لینا کیسے درست تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

نومولود کے بالوں کے احکام

سر مونڈنا:

ولادت کے ساتویں دن نومولود کے سر کے بال مونڈنا مشروع عمل ہے، لہٰذا ساتویں روز از خود یا حمام سے کہہ کر بچے کا سر منڈوانا چاہیے اور پہلی حجامت میں اس وقت سے تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔

۱۔ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كُلُّ غُلَامٍ رَهِينَةٌ بِعَقِيقَتِهِ، تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهِ، وَ يُحْلَقُ وَ يُسَمَّى))

"ہر بچہ اپنے عقیقہ کے عوض گروی ہے، ساتویں روز اس کی طرف سے (عقیقہ کا) جانور ذبح کیا جائے، اس کا سر منڈوایا جائے اور اس کا نام رکھا جائے۔"

[مسند احمد، ۵/۷، سنن ابوداود: ۲۸۳۸] صحیح

مسند احمد کی سند صحیح ہے اس میں قتادہ بن دعامہ سے شعبہ بن حجاج روایت کر رہے ہیں اور شعبہ کا قتادہ سے روایت کرنا سماع پر محمول ہے۔

۲۔ سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَعَ الْغُلَامِ عَقِيقَةٌ فَأَهْرِيقُوْا عَنْهُ دَمًا، وَ أَمِيطُوْا عَنْهُ

الْأَذَی))

”بچے کے ساتھ عقیقہ ہے، سو اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے میل کچیل دور کرو (یعنی سر منڈاؤ)۔“

[صحیح بخاری: ۵۴۷۲، سنن ابوداؤد: ۲۸۳۹، سنن ابن ماجہ: ۳۱۶۴]

میل کچیل دور کرنے سے مراد یہاں نومولود کے بال منڈوانا ہیں، محمد بن سیرین رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

”إِنْ لَمْ يَكُنْ إِمَاطَةُ الْأَذَىٰ حَلْقُ الرَّأْسِ فَلاَ أَدْرِيْ مَاهُوَ ؟“

”اگر میل کچیل دور کرنے کا معنی سر منڈوانا نہیں تو مجھے نہیں معلوم اس کا اور معنی کیا ہے؟“

[مسند احمد: ۱۸/۴، ۲۱۴/۴۔ صحیح]

سر منڈوانے کے بعد خوشبو لگانا:

دور جاہلیت میں کسی کے ہاں بچہ پیدا ہوتا تو پہلی مرتبہ نومولود کے سر کے بال اتارنے کے بعد عقیقہ کے لیے مذبوحہ جانور کے خون سے بچے کے سر کو ملا جاتا، لیکن اسلام نے اس رسم کو باطل قرار دیا اور بچے کے سر کے پہلے بال اتارنے کے بعد اس کے سر پر خوشبو ملنے کی تلقین کی ہے۔

۱۔ بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں:

((كُنَّا فِي الْجَاهِلِيَّةِ إِذَا وُلِدَ لِأَحَدِنَا غُلاَمٌ، ذَبَحَ شَاةً ، وَ لَطَخَ رَأْسَهُ بِدَمِهَا، فَلَمَّا جَاءَ اللهُ بِالْإِسْلاَمِ كُنَّا نَذْبَحُ شَاةً، وَ نَحْلِقُ رَأْسَهُ، وَ نَلْطَخُهُ بِزَعْفَرَانٍ))

”دور جاہلیت میں ہم میں سے کسی کے ہاں بچے کی ولادت ہوتی تو وہ بکری ذبح

کرتا اور اس کے خون سے نومولود کا سر ملتا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ اسلام لائے تو ہم (بچے کی طرف سے) بکری ذبح کرتے، اس کا سر مونڈتے اور اس پر زعفران ملتے تھے۔"

[سنن ابوداؤد: ۲۸۴۳، مستدرک حاکم: ۲۳۸/۴، سنن بیہقی: ۳۰۲/۹] حسن

۲۔ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں :

((كَانُوا فِي الْجَاهِلِيَّةِ إِذَا عَقُّوا عَنِ الصَّبِيِّ خَضَبُوا قُطْنَةً بِدَمِ الْعَقِيقَةِ ، فَإِذَا حَلَقُوا رَأْسَ الصَّبِيِّ وَضَعُوهَا عَلَى رَأْسِهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اجْعَلُوا مَكَانَ الدَّمِ خَلُوقًا))

"جاہلیت میں لوگ جب بچے کی طرف سے عقیقہ کرتے تو عقیقہ کے لیے ذبح شدہ جانور کے خون سے روئی تر کر لیتے، پھر جب وہ بچے کا سر مونڈتے تو اس کے سر پر وہ (خون آلود روئی) رکھ دیتے تھے۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: "تم خون کی جگہ خلوق (مختلف خوشبوؤں کا مرکب) استعمال کرو۔"

[صحیح ابن حبان: ۵۳۰۸] صحیح

لہٰذا بچے کے سر کے پہلے بال منڈوا کر سر کو زعفران یا خلوق (مختلف خوشبوؤں کے مرکب) سے تر کرنا مشروع ہے۔ قاضی شوکانی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں : یہ حدیث دلیل ہے کہ بچے کے سر کو زعفران یا خلوق ملنا مستحب عمل ہے۔

[نیل الاوطار: ۱۹۵/۵]

بالوں کے برابر چاندی صدقہ کرنا:

عامۃ الناس میں یہ تصور پایا جاتا ہے کہ جب بچے کا سر منڈوایا جائے تو بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کرنا اور بالوں کو دفنانا مشروع ہے۔ عوام میں پایا جانے والا یہ

تصور درست نہیں، کیونکہ اس مسئلہ کے متعلق جتنی روایات ہیں وہ کمزور اور ناقابل احتجاج ہیں، کسی بھی صحیح روایت سے یہ عمل ثابت نہیں، لہٰذا اس مسئلہ پر عمل کرنا درست نہیں۔ ذیل میں وہ روایات مع اسباب ضعف بیان کی جاتی ہیں۔

۱۔ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک بکری عقیقہ کی اور فرمایا:

((يَا فَاطِمَةُ ! احْلِقِيْ رَأْسَهُ، وَ تَصَدَّقِيْ بِزِنَةِ شَعْرِهِ فِضَّةً ، فَوَزَنَتْهُ فَكَانَ وَزْنُهُ دِرْهَمًا ، أَوْ بَعْضَ دِرْهَمٍ))

''اے فاطمہ! اس کا سر منڈواؤ اور اس کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کرو۔ پھر انھوں نے اس کا وزن کیا تو اس کا وزن درہم یا درھم کا کچھ حصہ ہوا۔''

[جامع ترمذی: ۱۵۱۹، سنن بیہقی: ۹/۳۰۴، مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۴۲۳۴]

ضعیف

۱۔ محمد بن اسحاق بن یسار کی تدلیس ہے۔

۲۔ محمد بن علی حسین کی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

" وَ إِسْنَادُهُ لَيْسَ بِمُتَّصِلٍ وَ أَبُوْ جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ ابْنِ الْحُسَيْنِ لَمْ يُدْرِكْ عَلِيَّ بْنَ أَبِيْ طَالِبٍ "

''اس حدیث کی سند متصل نہیں، ابو جعفر محمد بن علی بن حسین نے علی بن ابی طالب کا زمانہ نہیں پایا۔''

۳۔ ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب حسن رضی اللہ عنہ کو ان کی والدہ نے جنم دیا تو انھوں نے (فاطمہ) نے اس کی طرف سے ایک بڑا مینڈھا عقیقہ کرنے کا ارادہ کیا اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کے پاس آئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((لاَ تَعُقِّيْ عَنْهُ بِشَيْءٍ ، وَلٰكِنِ احْلِقِيْ شَعْرَ رَأْسِهِ ، ثُمَّ تَصَدَّقِيْ بِوَزْنِهِ مِنَ الْوَرِقِ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ أَوْ عَلَى ابْنِ السَّبِيْلِ، وَ وَلَدَتْ الْحُسَيْنَ مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ فَصَنَعَتْ مِثْلَ ذٰلِكَ))

''اس کی طرف سے کچھ بھی عقیقہ نہ کرو، بلکہ اس کے سر کے بال منڈواؤ، پھر اس کے (بالوں) کے وزن کے برابر اللہ کی راہ میں یا مسافر پر چاندی صدقہ کرو اور انھوں نے اگلے سال حسین رضی اللہ عنہ کو جنم دیا تو بھی ایسے ہی کیا۔''

[مسند احمد:٦/٣٩٢، سنن بیهقی:٩/٣٠٤، طبرانی کبیر:٩١٨، ٢٥٧٧]
ضعیف

عبداللہ بن محمد بن عقیل ضعیف راوی ہیں۔

٣۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت کے ساتویں روز ان کے سروں کے بارے میں حکم دیا تو وہ مونڈ دیے گئے۔ پھر آپ ﷺ نے سر کے بالوں کے برابر چاندی صدقہ کی۔

[سنن بیهقی : ٩/٢٩٩، طبرانی کبیر:٢٥٧٥، طبرانی اوسط:١٢٧، مسند بزار:٢١٩٩، ٢٢٠٠] ضعیف

عبداللہ بن لھیعہ سئی الحفظ اور مدلس راوی ہے اور اس سند میں اس کا عنعنہ ہے۔

اس معنی کی کچھ اور روایات بھی ہیں جو اسنادی لحاظ سے کمزور ہیں

بال دفنانا:

جس روایت میں نومولود کے بالوں کو دفن کرنے کا حکم ہے وہ سخت ضعیف ہے۔ لہٰذا

نومولود کے بالوں کو دفنانا ضروری نہیں، بلکہ ان بالوں کا حکم عام انسانی بالوں کی طرح ہی ہے۔عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی صعصعہ بیان کرتے ہیں:

((وَلَدَتْ مَارِيَةُ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلاَمًا، فَسَمَّاهُ إِبْرَاهِيْمَ، وَعَقَّ عَنْهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَاةٍ يَوْمَ سَابِعِهِ، وَ حَلَقَ رَأْسَهُ فَتَصَدَّقَ بِزِنَةِ شَعْرِهِ فِضَّةً عَلَى الْمَسَاكِيْنِ ، وَ أَمَرَ بِشَعْرِهِ فَدُفِنَ فِي الْأَرْضِ))

”ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے کو جنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتویں دن اس کی طرف سے بکری کا عقیقہ کیا، اس کا سر منڈوایا، اس کے بالوں کے وزن کے برابر مساکین پر چاندی صدقہ کی اور اس کے بالوں کے بارے میں حکم دیا تو وہ زمین میں دفن کر دیے گئے۔“

[الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: ۱۳۵/۱] ضعیف جِدًا

محمد بن عمر بن واقد اسلمی متروک راوی ہے، نیز یہ روایت مرسل ہے، کیونکہ راوی حدیث عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی صعصعہ تابعی ہے۔

قزع ناجائز ہے:

سر کے کچھ بال مونڈنا اور کچھ چھوڑ دینا قزع ہے۔قزع سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا اور اس ممانعت کا اطلاق بچوں، جوانوں، بوڑھوں سبھی پر ہوتا ہے۔لہٰذا بچوں کی پیالہ کٹ یا ایسی کٹنگ جس میں آگے پیچھے یا درمیان سے یا سر کے کناروں سے بال مونڈنا اور باقی سر پر بال رہنے دینا قزع کی صورتیں ہیں، جن سے اجتناب لازم ہے۔

۱۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

((أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْقَزَعِ، قَالَ قُلْتُ لِنَافِعٍ وَمَا الْقَزَعُ ؟ قَالَ : يُحْلَقُ بَعْضُ رَأْسِ الصَّبِيِّ وَ يُتْرَكُ بَعْضٌ))

''یقینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قزع (سر کے کچھ بال مونڈنا اور کچھ چھوڑ دینے) سے منع کیا ہے، راوی (عمر بن نافع) کہتے ہیں: میں نے نافع سے پوچھا کہ قزع کیا ہے؟ تو انھوں نے کہا (قزع یہ ہے کہ) بچے کا کچھ سر منڈوا دیا جائے اور کچھ چھوڑ دیا جائے۔''

[صحیح بخاری: ۵۹۲۱۔ صحیح مسلم: ۲۱۲۰، سنن ابو داؤد: ۴۱۹۳، سنن ابن ماجہ: ۳۶۳۷]

۲۔ اگر لاعلمی میں بچوں کی ایسی حجامت بنوا لی جائے یا بڑے اس معصیت کے مرتکب ہوں تو قزع کی ممانعت کا علم ہونے پر ایسی کٹنگ ترک کر دینی چاہیے اور بال برابر ہونے کی گنجائش ہو تو ٹھیک ورنہ سارا سر ہی منڈوا دینا چاہیے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

((أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَىٰ صَبِيًّا قَدْ حُلِقَ بَعْضُ رَأْسِهِ وَ تُرِكَ بَعْضُهُ ، فَنَهَاهُمْ عَنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ : احْلِقُوْهُ كُلَّهُ ، أَوِ اتْرُكُوْهُ كُلَّهُ))

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچہ دیکھا جس کے سر کا کچھ حصہ مونڈا ہوا اور کچھ حصہ چھوڑا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس سے منع کیا اور فرمایا: اس کا سارا سر منڈواؤ یا سارا ہی چھوڑ دو۔''

[مسند أحمد: ۸۸/۲، مصنف عبدالرزاق: ۱۹۵۶۴، سنن أبو داؤد: ۴۱۹۵] صحیح

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں : قزع (سر کا بعض حصہ مونڈنا اور بعض چھوڑنا) سے منع کرنا اللہ تعالیٰ کی انسانوں سے کمال محبت اور کمال عدل کے پیش نظر ہے، کیونکہ سر کے ساتھ یہ ظلم ہے کہ اس کے کچھ حصہ پر بال ہوں اور کچھ حصہ بالوں سے خالی ہو اس طرح کی دو مثالیں اور ہیں۔

۱۔ آپ ﷺ نے دھوپ اور سائے میں بیٹھنے سے منع کیا ہے (یا تو مکمل دھوپ میں بیٹھنا چاہیے یا مکمل سائے میں) کیونکہ دھوپ اور سائے میں بیٹھنا کچھ جسم پر ظلم ہے۔

۲۔ آپ ﷺ نے ایک جوتا پہن کر چلنے سے منع کیا ہے بلکہ آپ ﷺ کا حکم ہے یا دونوں جوتے پہنے جائیں یا دونوں ہی اتار دیے جائیں (کیونکہ یہ ایک پر ظلم ہے)

قزع کی صورتیں :

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے قزع کی چار صورتیں بیان کی ہیں جو سب کی سب ناجائز ہیں۔

۱۔ سر کے مختلف حصوں سے ٹکڑوں کی صورت میں کچھ بال کاٹ دیے جائیں اور کچھ چھوڑ دیے جائیں۔

۲۔ سر کا درمیانی حصہ مونڈ دیا جائے اور اطراف سے بال چھوڑ دیے جائیں، جیسے شماسۃ النصاریٰ کرتے ہیں۔

۳۔ سر کے کناروں سے بال منڈوا دیے جائیں اور درمیان سے چھوڑ دیے جائیں، جیسے اکثر اوباش اور آوارہ لوگوں کا طریقہ حجامت ہے۔

۴۔ سر کا اگلا حصہ منڈوا دیا جائے اور پچھلا حصہ چھوڑ دیا جائے، یہ تمام قزع کی صورتیں ہیں۔

[تحفة المودود ص:۱۱۸]

بودھی رکھنا:

سر کے باقی بال منڈوا دینا اور بودھی کے بال نہ کٹوانا یہ ہندوؤں کا شعار ہے اور اوپر

بیان کردہ دلائل کی رو سے یہ قزع کی ایک شکل ہے جس کی شریعت اسلامیہ میں ممانعت وارد ہوتی ہے۔لیکن بعض دین سے بے بہرہ لوگ پیروں وغیرہ کے کہنے پر بچوں کی بودھیاں اس لیے نہیں کٹواتے کہ مخصوص مدت (چھ، آٹھ یا دس سال) سے پہلے بودھی کٹوا دی تو بچے کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہے۔ یاد رکھیں! ایسی پیش بندیوں سے نہ توکسی کی عمر میں اضافہ ہوتا ہے اور نہ کمی، کیونکہ موت و حیات کا اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اس کی مشیت کے بغیر نہ کسی کو زندگی ملتی ہے نہ موت اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو اس وصف سے متصف کیا تو یہ صریح شرک ہے۔ چنانچہ آپ ایسے فریب کاروں کے ہتھے نہ چڑھیں، بلکہ شریعت اسلامیہ کی مکمل پاسداری کریں اور خلاف شریعت کاموں سے کلی اجتناب کریں، اللہ تعالیٰ آپ کے مال و جان اور آل اولاد میں برکت دیں گے اور مستقبل میں مصائب و آلام اور آفات سے محفوظ رکھیں گے۔ چونکہ بودھی رکھنا خلاف شرع ہے اور اس عمل سے رسول کریم ﷺ نے منع کیا ہے۔ اس لیے شریعت کی ممانعت کر کے اپنی عاقبت تباہ نہ کیجیے۔ سچے مسلمان اور حقیقی اسلامی ہونے کا ثبوت دیجیے اور نافرمانی کی یہ روش چھوڑ دیجیے، کیونکہ بودھی رکھنے سے رسول اللہ ﷺ نے منع کیا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں:

((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْقَزَعِ، وَهُوَ أَنْ يُحْلَقَ رَأْسُ الصَّبِيِّ وَ يُتْرَكَ لَهُ ذُؤَابَةٌ))

”نبی ﷺ نے قزع سے منع کیا اور قزع یہ ہے کہ بچے کا سر منڈوا دیا جائے اور اس کی مینڈھی (بودھی) چھوڑ دی جائے۔“

[سنن أبو داؤد: ۴۱۹۴] صحیح

عقیقہ کا بیان

وجہ تسمیہ:

عقیقہ کے وجہ تسمیہ میں علماء کے کئی اقوال ہیں:

① حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ عقیقہ نومولود کی طرف سے ذبح کیے جانے والے جانور کا نام ہے اور اس کے اشتقاق میں اختلاف ہے۔

چنانچہ ابو عبید اور اصمعی کہتے ہیں:

((أَصْلَهَا الشَّعْرُ الَّذِي يَخْرُجُ عَلَى رَأْسِ الْمَوْلُوْدِ))

"عقیقہ دراصل مولود کے سر کے وہ بال ہیں، جو ولادت کے وقت اس کے سر پر اگے ہوتے ہیں۔"

زمخشری رحمہ اللہ وغیرہ کا بیان ہے کہ:

((وَ سُمِّيَتْ الشَّاةُ الَّتِي تُذْبَحُ عَنْهُ فِي تِلْكَ الْحَالَةِ عَقِيْقَةً ، لِأَنَّهُ يُحْلَقُ عَنْهُ ذَلِكَ الشَّعْرُ عِنْدَ الذَّبْحِ))

" پیدائش کے بالوں کی موجودگی میں مولود کی طرف سے ذبح کی جانے والی بکری کو عقیقہ سے موسوم کیا جاتا ہے، کیونکہ ذبح کے وقت یہ بال مونڈھے جاتے ہیں۔"

خطابی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

((اَلْعَقِیْقَةُ اسْمُ الشَّاةِ الْمَذْبُوْحَةِ عَنِ الْوَلَدِ، سُمِّیَت بِذَلِكَ لِأَنَّهَا تُعَقُّ مَذَابِحُهَا أَی تُشَقُّ وَ تُقْطَعُ))

''نومولود کی طرف سے ذبح کی ہوئی بکری کو عقیقہ کہا جاتا ہے، کیونکہ (نومولود کی ولادت پر) اس کی رگیں کاٹی جاتی ہیں۔''

[فتح الباری: ۹/ ۷۲۶]

② شوکانی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

((اَلْعَقِیْقَهُ الذَّبِیْحَةُ اَلَّتِی تُذْبَحُ لِلْمُوْلُوْدِ ، وَالْعَقُّ فِی الْأَصْلِ الشَّقُّ وَالْقَطْعُ، وَ سَبَبُ تَسْمِیْتِهَا بِذَلِكَ أَنَّهُ یُشَقُّ حَلْقُهَا بِالذَّبْحِ ، وَ قَدْ یُطْلَقُ اسْمُ الْعَقِیْقَةِ عَلَی شَعْرِ الْمَوْلُوْدِ))

''عقیقہ وہ ذبیحہ ہے، جو نومولود کی خاطر ذبح کیا جاتا ہے۔ اصل میں عَقٌّ کا معنی پھاڑنا اور کاٹنا ہے اور عقیقہ کو عقیقہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ذبح کے وقت ذبیحہ کا حلق کاٹا جاتا ہے، نیز کبھی عقیقہ کا اطلاق نومولود کے بالوں پر بھی ہوتا ہے۔''

[نیل الأوطار: ۵/ ۱۳۰]

خلاصة التحقیق:

عقیقہ کی بحث میں قول فیصل یہ ہے کہ عقیقہ کا اطلاق نومولود کے بالوں اور اس کی طرف سے ذبح کیے جانے والے جانور، دونوں پر ہوتا ہے اور عقیقہ سے مقصود پیدائش کے ساتویں دن نومولود کے بال مونڈھنا اور اس کی طرف سے جانور ذبح کرنا ہے۔

عقیقہ کے بجائے نسیکہ یا ذبیحہ کا لفظ افضل ہے:

نومولود کی طرف سے ذبح کیے جانے والے جانور کو نسیکہ یا ذبیحہ کہنا مستحب اور عقیقہ

سے موسوم کرنا مکروہ فعل ہے۔ اس کی دلیل آئندہ روایت ہے، عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

((سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْعَقِيْقَةِ ، فَقَالَ : لاَ يُحِبُّ اللهُ الْعُقُوْقَ، كَأَنَّهُ كَرِهَ الإِسْمَ، وَقَالَ : مَنْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ فَأَحَبَّ أَنْ يَنْسُكَ عَنْهُ فَلْيَنْسُكْ، عَنِ الْغُلاَمِ شَاتَانِ مكَافِئَتَانِ ، وَ عَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ))

''نبی ﷺ سے عقیقہ کے بارے سوال ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا: '' اللہ تعالیٰ (لفظ) عقوق (نافرمانی) کو ناپسند کرتا ہے، گویا آپ ﷺ نے (یہ نام) مکروہ خیال کیا، اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس کے ہاں بچہ پیدا ہو اور وہ اس کی طرف سے جانور ذبح کرنا چاہے تو وہ اس کی طرف سے جانور ذبح کرے، لڑکے کی طرف سے برابر دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری۔''

[سنن أبو داؤد، كتاب الضحايا، باب في العقيقة : ۲۸۴۲، سنن نسائی، کتاب العقيقة، باب عن الغلام شاتان : ۴۲۱۷، مسند أحمد: ۱۸۲/۲، مستدرک حاکم: ۲۳۸/۴، سنن بيهقی: ۳۰۰/۹] إسناده حسن

فقہ الحدیث:

① عقیقہ کے متعلق سوال پر آپ ﷺ کا فرمانا کہ اللہ تعالیٰ لفظ عقوق کو ناپسند کرتا ہے، میں اشارہ ہے کہ (نومولود کی جانب سے ذبح کیے جانے والے جانور) کا نام عقیقہ مکروہ ہے، کیونکہ عقیقہ اور عقوق کا مادہ ایک ہے عقوق کا معنی نافرمانی ہے نیز اس جملے ((فَأَحَبَّ أَنْ يَنْسُكَ عَنْهُ فَلْيَنْسُكَ)) میں توضیح ہے کہ لفظ عقیقہ کو نسیکہ سے تبدیل کر دیا جائے۔ (یعنی عقیقہ کو نسیکہ کہا جائے)۔

[نيل الأوطار: ۱۴۳/۵، عون المعبود: ۴۶/۸]

② علامہ سندھی لکھتے ہیں: اس حدیث میں مسئلہ عقیقہ کی توہین اور سقوط وجوب مقصود نہیں، بلکہ اس سے تو یہ مراد ہے کہ آپ ﷺ نے عقیقہ نام ناپسند کیا ہے اور یہ پسند کیا کہ اس کا اس سے کوئی اچھا نام یعنی نسیکہ یا ذبیحہ ہو۔

[شرح النسائی للسندی: ۲۹۸/۵]

عقیقہ کا حکم:

عقیقہ واجب، سنت مؤکدہ یا مکروہ عمل ہے، اس بارے علماء کے مختلف مذاہب ہیں، ذیل میں ہم ان مذاہب، ہر مذہب کے دلائل، پھر راجح مذہب کی نشاندہی کریں گے:

مذہب اول: حسن بصری، داؤد ظاہری اور ظاہریہ کا مذہب ہے کہ عقیقہ واجب ہے۔

[نیل الأوطار: ۱۴۰/۵، المغنی مع الشرح الکبیر: ۱۲۱/۱۱]

وجوب عقیقہ کے قائلین کے دلائل حسب ذیل احادیث ہیں۔

① سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((كُلُّ غُلَامٍ رَهِينَةٌ بِعَقِيقَتِهِ، تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهِ ، وَ يُحْلَقُ، وَ يُسَمَّى))

"ہر بچہ اپنے عقیقہ کے ساتھ گروی ہے، ساتویں دن اس کی طرف سے (عقیقہ) ذبح کیا جائے، اس کا سر منڈایا جائے اور اس کا نام رکھا جائے۔"

[صحیح بخاری، کتاب العقیقة، باب إماطة الأذی عن الصبی فی العقیقة: ۵۴۷۲، سنن أبو داؤد، کتاب الضحایا، باب فی العقیقة: ۲۸۳۸، جامع ترمذی، کتاب الأضاحی، باب من العقیقة: ۱۵۲۲، سنن نسائی، کتاب العقیقة، باب متی یعق: ۴۲۳۵، سنن ابن ماجه، کتاب الذبائح، باب العقیقة: ۳۱۶۵، مسند أحمد: ۷/۵]

فقہ الحدیث:

خطابی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: اس حدیث کے مفہوم کے بارے علماء کا اختلاف ہے، احمد بن حنبل اس حدیث کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں کہ جس بچے کا عقیقہ نہ ہو اور وہ بچپن میں فوت ہو جائے تو وہ روزِ قیامت اپنے والدین کی شفاعت نہیں کرے گا اور دوسرے قول کے مطابق اس سے مقصود یہ ہے کہ عقیقہ بہر صورت لازم ہے اور نومولود کے لیے عقیقہ ایسے لازم ہے، جیسے مرتھن (قرض کے عوض گروی رکھنے والا) کے ہاتھ میں گروی چیز لازم ہوتی ہے (یعنی جیسے گروی چیز حاصل کرنے کے لیے قرض خواہ کو قرض لوٹانا لازم ہے، اسی طرح نومولود کے لیے عقیقہ لازم ہے) اور یہ قول ثانی عقیقہ کے وجوب کے قائلین کے موقف کو قوت دیتا ہے۔

[نيل الأوطار: ۱۴۱/۵، عون المعبود: ۴۲/۸]

② سلمان بن عامر ضبی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَعَ الْغُلَامِ عَقِيْقَةٌ ، فَأَهْرِيقُوا عَنْهُ دَمًا، وَ أَمِيْطُوْا عَنْهُ الْأَذَى))

”ہر بچے کے ساتھ عقیقہ ہے، سو اس کی طرف سے خون بہاؤ (عقیقہ کرو) اور اس سے میل کچیل دور کرو (یعنی سر کے بال مونڈ دو)۔“

[صحيح بخاری، كتاب العقيقة، باب إماطة الأذى عن الصبي في العقيقة: ۵۴۷۲، سنن أبو داؤد، كتاب الضحايا، باب في العقيقة: ۲۸۳۹، جامع ترمذی، كتاب الأضاحي، باب الأذان في أذن المولود: ۱۵۱۵، سنن ابن ماجه، كتاب الذبائح، باب العقيقة: ۳۱۶۴، مسند أحمد: ۱۴/۴، ۳، صحيح ابن خزيمه: ۲۰۶۷]

③ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ بیان کرتی ہیں:

((أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَعُقَّ عَنِ

الْغُلَامِ شَاتَيْنِ، وَ عَنِ الْجَارِيَةِ شَاةً))

”رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری عقیقہ کریں۔“

[جامع ترمذی، کتاب الأضاحی، باب ما جاء فی العقیقة: ۱۵۱۳، سنن ابن ماجه، کتاب الذبائح، باب العقیقة : ۳۱۶۳، مسند أحمد : ۳۱/۶، مسند أبو یعلی : ۴۶۴۸] إسناده حسن۔ عبداللہ بن عثمان خثیم صدوق اور باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔

فقہ الحدیث :

احادیث الباب دلیل ہیں کہ نومولود کی طرف سے عقیقہ واجب ہے، کیونکہ عقیقہ کرنے کا حکم وارد ہوا ہے، نیز ”رَهِينَةٌ“ (بچہ عقیقہ کے عوض گروی ہے) کے الفاظ نص ہیں کہ عقیقہ واجب ہے اور اسے کسی بھی صورت استحباب پر محمول نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ جیسے گروی چیز کو قرض ادا کیے بغیر حاصل کرنا ناممکن ہے، اسی طرح نومولود کی پیدائش کے شکریہ کی ادائیگی کے لیے عقیقہ لازم و واجب ہے۔

مذہب ثانی : ① جمہور علماء کا موقف ہے کہ عقیقہ سنت ہے۔ [نیل الأوطار: ۱۴۰/۵]

② ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں :

((وَالْعَقِيْقَةُ سُنَّةٌ فِي قَوْلِ عَامَّةِ أَهْلِ الْعِلْمِ : مِنْهُمُ ابْنُ عَبَّاسٍ، وَابْنُ عُمَرَ، وَ عَائِشَةَ ، وَ فُقَهَاءِ التَّابِعِيْنَ ، وَ أَئِمَّةِ أَهْلِ الْأَمْصَارِ)) [المغنی مع الشرح الکبیر: ۱۲۰/۱۱]

”اکثر اہل علم مثلاً ابن عباس رضی اللہ عنہ ابن عمر رضی اللہ عنہ عائشہ رضی اللہ عنہا، فقہائے تابعین رحمہم اللہ اور ائمہ کا قول ہے کہ عقیقہ سنت ہے۔“

③ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کا بیان ہے :

((فَأَمَّا أَهْلُ الْحَدِيْثِ قَاطِبَةً، وَ فُقَهَاءُ هُمْ، وَجَمْهُوْرُ أَهْلِ السُّنَّةِ ، فَقَالُوْا: هِيَ مِنْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ))

''جمیع محدثین وفقہا اور جمہور اہل سنت کہتے ہیں کہ یہ (عقیقہ) رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔''

[تحفة المودود بأحكام المولود، ص:٢٨]

دلیل :

عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں :

((سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ العَقِيْقَةِ، فَقَالَ : لاَ يُحِبَّ اللّٰه الْعُقُوْقَ، كَأَنَّهُ كَرِهَ الإِسْمَ وَ قَالَ : مَنْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ، فَأَحَبَّ أَنْ يَنْسُكَ عَنْهُ فَلْيَنْسُكُ))

''نبی ﷺ سے عقیقہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ لفظ عقوق کو ناپسند کرتا ہے، گویا آپ ﷺ نے یہ نام (عقیقہ) ناپسند کیا۔ پھر فرمایا: ''جس کے ہاں بچہ پیدا ہو اور وہ اس کی طرف سے نسیکہ (جانور ذبح) کرنا چاہے تو جانور ذبح کرے۔''

[سنن أبو داؤد : ٢٨٤٢، سنن نسائی : ٤٢١٧، مسند أحمد : ١٨٢/٢، مستدرک حاکم: ٢٣٨/٤] حسن

فقہ الحدیث :

① شوکانی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں، حدیث میں : ((مَنْ أَحَبَّ)) کے الفاظ میں عقیقہ میں اختیار دینا وجوب کو ختم کرتا ہے اور اس کو استحباب پر محمول کرنے کے متقاضی ہے۔

[نیل الأوطار: ٤٤/٥]

④ حافظ ابن عبدالبر کہتے ہیں، اس حدیث میں ((مَنْ أَحَبَّ)) کے الفاظ میں اشارہ ہے کہ عقیقہ کرنا واجب نہیں، بلکہ سنت مؤکدہ ہے۔ [التمهيد لابن عبدالبر: ۳۱۱/۴]

③ امام مالک رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

((وَلَيْسَتِ الْعَقِيْقَةُ بِوَاجِبَةٍ ، وَلَكِنَّهَا يُسْتَحَبُّ الْعَمَلُ بِهَا، وَهِيَ مِنَ الْأَمْرِ الَّذِيْ لَمْ يَزَلْ عَلَيْهِ النَّاسُ عِنْدَنَا))

''عقیقہ واجب نہیں، بلکہ مستحب عمل ہے اور ہمارے ہاں ہمیشہ سے لوگ اس پر عمل پیرا رہے ہیں۔'' [مؤطا مالک، کتاب العقیقة، باب العمل فی العقیقة: ۲۹۵]

<u>مذہب ثالث :</u> ابو حنیفہ اور احناف کا مذہب ہے کہ عقیقہ نہ واجب ہے نہ سنت، بلکہ جاہلیت کی ایک رسم ہے۔ [نیل الأوطار: ۱۴۱/۵، المغنی مع الشرح الكبير: ۱۲۰/۱۱]

دلیل :

احناف کی دلیل گزشتہ روایت کے یہ الفاظ: ((لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْعُقُوْقَ)) (اللہ تعالیٰ لفظ عقوق کو ناپسند کرتے ہیں)۔ احادیث میں تحریف کرنے اور اپنے مذہب کی تقویت کے لیے احادیث کا مفہوم تبدیل کرنے میں احناف کا کوئی ثانی نہیں اور حدیث کے جزء سے معنی مراد لینے کی ایک مثال مذکورہ حدیث ہے، پھر حق تو یہ ہے کہ حدیث رسول کا علم ہونے پر اپنی ہٹ دھرمی چھوڑ دینی چاہیے اور علماء و مجتہدین عامی لوگوں کو قول امام کے بجائے قول رسول ﷺ کی اتباع کی دعوت دیتے، لیکن یہاں تو آوے کا آوا بگڑا ہے، چنانچہ 'غلام رسول سعیدی بریلوی' کی دیدہ دلیری دیکھیے، وہ لکھتے ہیں: اگر کوئی شخص تقلید محض کی پستی سے نہیں نکلا تو اس کو عقیقہ کرنے سے منع کرنا چاہیے، یا کم از کم یہ کہنا چاہیے کہ عقیقہ مباح ہے اور کارثواب نہیں اور اس کو یہ نہیں چاہیے کہ امام اعظم کے قول کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال کر یہ کہے کہ امام اعظم کے نزدیک عقیقہ سنت ہے، لیکن سنت مؤکدہ یا سنت ثابتہ نہیں اور اگر وہ

میدان تحقیق میں وارد ہے تو اس کو یہ کہنا چاہیے کہ عقیقہ سنت اور مستحب ہے، کیونکہ احادیث صحیح میں اس کا ثبوت ہے اور تمام امت نے ان احادیث کو قبول کیا ہے اور امام اعظم کو یہ احادیث نہیں پہنچیں، ورنہ وہ عقیقہ کو مکروہ نہ کہتے، کیونکہ اس زمانہ میں نشر و اشاعت کے ذرائع اور وسائل اتنے میسر نہیں تھے، جتنے اب ہیں، یہاں امام کے قول کے خلاف حدیث پر عمل کرنا تقلید کے خلاف نہیں۔ [شرح صحیح مسلم، جلد: ۴۵۷/۱]

اگر سعیدی صاحب عامیوں اور خواص کو نبوی طریقہ اختیار کرنے کی دعوت دیتے اور عامیوں کو تقلید شخصی کی اتھاہ گہرائیوں سے آزادی دلانے کی راہ نکالتے اور قول امام کی بجائے قول رسول ﷺ کی اتباع کی دعوت دیتے، تو کتنا اچھا ہوتا، پھر المیہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف عقیقہ نہ کرنے کا منسوب قول ان سے ثابت ہی نہیں۔ ابوحنیفہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: '' وَلَا يُعَقُّ عَنِ الْغُلَامِ وَلَا عَنِ الْجَارِيَةِ '' ''لڑکے اور لڑکی کی طرف سے عقیقہ نہ کیا جائے۔''

[الجامع الصغیر لمحمد بن حسن شیبانی، ص: ۵۳۴] ضعیف

اس قول کی سند میں محمد بن حسن شیبانی ضعیف راوی ہے، تفصیل کے لیے لسان المیزان اور الجرح والتعدیل کا مطالعہ کیجیے۔

راجح موقف:

عقیقہ واجب ہے، یہ موقف راجح اور اَقرب الی الصواب ہے، کیونکہ جس حدیث سے جمہور علماء نے عقیقہ کے استحباب کی دلیل لی ہے، اس روایت سے عقیقہ کے استحباب کی دلیل لینا درست نہیں، نیز اس روایت سے استدلال کرنے میں جمہور علماء اور احناف افراط و تفریط کا شکار ہوئے ہیں، کیونکہ سیاق حدیث نہ تو عقیقہ کے مکروہ ہونے پر دال ہے اور نہ اس سے عقیقہ کا وجوب ساقط ہوتا ہے، بلکہ اس حدیث میں لفظ عقیقہ کے استعمال کو مکروہ قرار دیا

گیا اور اس لفظ کے نام کی تبدیلی پر زور دیا گیا ہے کہ اس کو نسیکہ یا ذبیحہ کہا جائے، کیونکہ لفظ عقوق اور عقیقہ کا مادہ ایک ہے، جس کا معنی نافرمانی ہے، لہٰذا اس اشتباہ و مماثلت کا ازالہ مقصود ہے، عقیقہ کی کراہت و استحباب مقصود نہیں۔ چنانچہ علامہ سندھی رحمہ اللہ مذکورہ حدیث کی توضیح یوں بیان کرتے ہیں، اس حدیث میں عقیقہ کی توہین اور اس کے وجوب کو ساقط کرنا مقصود نہیں، بلکہ آپ ﷺ نے محض اس (لفظ عقیقہ) نام کو ناپسند کیا ہے اور یہ پسند فرمایا کہ اس کا اس سے بہتر نام یعنی "نسیکہ یا ذبیحہ، وغیرہ ہو۔ [شرح سنن نسائی للسندی: ۲۹۸/۵]

نیز اس مسئلہ کی مزید وضاحت کے لیے محدث شہیر حافظ عبد اللہ روپڑی رحمہ اللہ کا فتویٰ قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہے، جسے قارئین کی خدمت میں من وعن پیش کیا جاتا ہے۔

سوال عقیقہ واجب ہے یا سنت؟

جواب عقیقہ کے واجب وغیر واجب ہونے میں اختلاف ہے۔ حسن بصری رحمہ اللہ تابعی اور ظاہر یہ وجوب کے قائل ہیں اور جمہور کہتے ہیں، سنت ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: "نہ فرض ہے، نہ سنت۔" امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک قربانی کے ساتھ منسوخ ہو گیا ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے یہ بھی روایت ہے کہ یہ جاہلیت کی رسم تھی، اسلام نے اسے مٹا دیا ہے، شاید امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو عقیقہ کی احادیث نہ پہنچی ہوں، یہ تمام اقوال امام شوکانی رحمہ اللہ نے نیل الاوطار جلد: ۴ ص ۳۶۔ میں ذکر کیے ہیں، امام شوکانی رحمہ اللہ کا میلان جمہور کے مذہب کی طرف، معلوم ہوتا ہے، جمہور کی دلیل جو حدیث پیش کی ہے، اس حدیث میں "أَحَبَّ" (جو دوست رکھے) کا لفظ چاہتا ہے کہ عقیقہ ضروری نہ ہو، مگر دلیل کمزور ہے، کیونکہ دوسری احادیث سے ضروری ثابت ہوتا ہے، کیونکہ بعض روایتوں میں صیغہ امر آیا ہے۔

((أَهْرِيْقُوْا عَنْهُ دَمًا)) "اس سے خون بہاؤ" جو وجوب کے لیے ہے اور بعض میں

"رَهِينَةٌ" کا لفظ آیا ہے۔ جس کا معنی ہے کہ عقیقہ نہ ہو تو بچہ ماں باپ کی شفاعت نہیں کر سکتا، یا عقیقہ ایسے لازمی ہے جیسے کوئی شے گروی ہوتی ہے اور قرض کی ادائیگی کے بغیر چھوٹ نہیں سکتی اور بعض نے اس کے معنی کیے ہیں کہ وہ گروی کی طرح بند ہے۔

جب تک عقیقہ نہ کیا جائے، نہ نام رکھا جائے اور نہ بال اتارے جائیں اور بال اتارنے سے تو چارہ نہیں، پس عقیقہ بھی ضروری ہو گیا اور بعض روایتوں میں "أَمَرَنَا" کا لفظ آیا ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ نے ہمیں عقیقہ کا حکم دیا، اس سے بھی وجوب ثابت ہوتا ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نیل الاوطار جلد ۴ میں کہتے ہیں، اگرچہ یہ الفاظ وجوب کے لیے ہیں، مگر "مَنْ أَحَبَّ" کا لفظ قرینہ صارفہ ہے، اس لفظ سے ثابت ہوتا ہے کہ الفاظ سے وجوب مراد نہیں، بلکہ امر استحبابی ہے، لیکن امام شوکانی رحمہ اللہ کا یہ کہنا ٹھیک نہیں، کیونکہ امر کا صیغہ یا امر کا لفظ کبھی قرینہ کے ساتھ استحباب کے لیے آ جاتا ہے، لیکن "مَنْ أَحَبَّ" کے معنی استحباب کے لیے مشکل ہے، علاوہ اس کے "رَهِينَةٌ" کا لفظ استحباب کے لیے تسلی بخش دلیل نہیں، دیکھیے قرآن میں ہے: ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي﴾ "کہہ دے اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اس آیت میں وہی محبت کا لفظ ہے، مگر باوجود اس کے آپ ﷺ کی اتباع ضروری ہے، ٹھیک اسی طرح حدیث مذکور کو سمجھ لینا چاہیے، اصل بات یہ ہے جیسے شرط ہوتی ہے ویسے ہی جزا کا حکم ہوتا ہے، اللہ کی محبت چونکہ ضروری ہے اس لیے آپ ﷺ کی اتباع بھی ضروری ہے، اسی طرح عقیقہ چونکہ ضروری ہے جیسا کہ ابھی بیان ہوا ہے، اس لیے لڑکے کی طرف سے دو بکریاں (یعنی دونوں مسنہ) ہوں اور لڑکی کی طرف سے ایک ضروری ہے، یعنی کم نہ کرے، ہاں اگر حدیث یوں ہوتی کہ جو عقیقہ کرنا دوست رکھے تو وہ عقیقہ کرے تو پھر، یہ حدیث استحباب کی دلیل بن سکتی تھی، اب نہیں، علاوہ اس کے محبت کے لفظ سے خلوص مقصود ہے، پس اس صورت میں

مطلب یہ ہوگا، جو اخلاص سے عقیقہ کرے وہ دو ہم عمر بکریاں لڑکے کی طرف سے کرے اور ایک لڑکی کی طرف سے اور ظاہر ہے کہ اخلاص ضروری ہے، پس عقیقہ خود ہی ضروری ہے۔

[فتاویٰ اهل حدیث، ج ۲، ص: ۵۴۸، ۵۴۹]

کیا عقیقہ کے بجائے رقم صدقہ کرنا جائز ہے:

کچھ لوگ عقیقہ کرنے کے بجائے اتنی رقم صدقہ کر دیتے ہیں، لیکن احادیث عقیقہ کی لغوی تعریف کی رو سے عقیقہ کا جانور ذبح کرنا لازم ہے، رقم صدقہ کرنے سے عقیقہ نہیں ہوگا، ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ عقیقہ کی رقم صدقہ کرنے کے بجائے عقیقہ کرنا افضل ہے، امام احمد رحمہ اللہ نے اس پر نص بیان کی ہے اور وہ کہتے ہیں: جب عقیقہ کرنے والے کے پاس عقیقہ کرنے کی گنجائش نہ ہو اور وہ قرض لے کر عقیقہ کرے تو مجھے قوی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے احیائے سنت کے عوض بہتر نعم البدل دے گا، ابن منذر رحمہ اللہ کا قول ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ کا قول مبنی برحق ہے، کیونکہ سنت کا احیاء اور ان کی اتباع افضل ہے، نیز عقیقہ کے متعلق روایات میں جتنی تاکید آئی ہے، دیگر مسائل میں اتنی تاکید وارد نہیں ہوئی، پھر اس ذبیحہ کے بارے نبی ﷺ نے حکم بھی دیا ہے سو ولیمہ اور قربانی کی طرح عقیقہ ذبح کرنے کا اہتمام اولیٰ وافضل ہے۔

[المغنی مع الشرح الکبیر: ۱۱/۱۲۱]

عقیقہ میں جانور کے عوض گوشت دینا:

عقیقہ میں جانور ذبح کرنے کے بجائے اتنی مقدار میں گوشت تقسیم کرنے سے عقیقہ کی فرضیت ساقط نہیں ہوتی، کیونکہ عقیقہ میں لڑکے کی طرف سے دو اور لڑکی کی طرف سے ایک جانور ذبح کرنے کا حکم ہے، گوشت تقسیم کرنے سے حکم کی تعمیل نہیں ہوتی، کیونکہ اس سے عقیقہ کا فرض ادا نہیں ہوتا۔

عبد اللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ کا فتویٰ:

سوال عقیقہ کے لیے جانور ذبح کرنا ضروری ہے، یا اس کے عوض گوشت بھی کافی ہے؟

جواب حدیث میں لڑکے کی طرف سے دو جانور اور لڑکی کی طرف سے ایک جانور کا ذکر ہے، اس لیے گوشت کفایت نہیں کر سکتا، کیونکہ گوشت جانور نہیں۔

[فتاویٰ اہل حدیث: ۵۴۹/۲]

عقیقہ میں کتنے جانور ذبح کیے جائیں؟

عقیقہ میں لڑکے کی طرف سے دو اور لڑکی کی طرف سے ایک جانور ذبح کیا جائے گا، دلائل حسب ذیل ہیں۔

① سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

((أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَهُمْ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ مُكَافَئَتَانِ، وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ))

''بلا شبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں (صحابہ کرام) کو لڑکے کی طرف سے دو ہم مثل بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری (ذبح کرنے) کا حکم دیا۔''

[جامع ترمذی: ۱۵۱۳، سنن ابن ماجہ: ۳۱۶۳، مسند أحمد: ۳۱/۶] حسن

② ام کرز رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ مُكَافَئَتَانِ، وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ))

''لڑکے کی طرف سے دو ہم مثل بکریاں اور لڑکی کی جانب سے ایک بکری ذبح کی جائے۔''

[جامع ترمذی، کتاب الأضاحی، باب الأذان فی أذن المولود: ۱۵۱۶، سنن ابن ماجہ، کتاب الذبائح، باب العقیقة: ۳۱۶۲] صحیح

فقہ الحدیث :

یہ احادیث دلیل ہیں کہ لڑکے کی طرف سے دو جانور اور لڑکی کی طرف سے ایک جانور عقیقہ کیا جائے گا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں : یہ احادیث جمہور علماء کے موقف کی دلیل ہیں کہ لڑکے اور لڑکی کے عقیقہ میں فرق ہے۔

[فتح الباری: ۹/۷۳۳]

شافعی، احمد، ابوثور، ابو داؤد اور امام ظاہری بھی اسی موقف کے قائل ہیں۔

[نیل الأوطار: ۵/۱۴۲]

لڑکے کی طرف سے ایک جانور کا ذبح کرنا ؟:

آئندہ روایت سے استدلال کیا جاتا ہے کہ لڑکے کی طرف سے ایک جانور کا عقیقہ بھی جائز ہے، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں :

((أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقَّ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ كَبْشًا كَبْشًا))

''بے شک رسول اللہ ﷺ نے حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے ایک ایک مینڈھا عقیقہ کیا۔''

[سنن أبو داؤد، كتاب الضحايا، باب في العقيقة: ۲۸۴۱، طبرانی کبیر: ۱۱۸۳۸، سنن بیهقی: ۲/۲۹۹] صحيح

حدیث باعتبار سند صحیح ہے، لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے مروی روایت میں حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے دو دو مینڈھے ذبح کرنے کا بیان ہے۔

چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں :

((عَقَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا بِكَبْشَيْنِ كَبْشَيْنِ))

''رسول اللہ ﷺ نے (عقیقہ میں) حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے دو دو مینڈھے ذبح کیے۔''

[سنن نسائی، کتاب العقیقة، باب کم یعق عن الجاریة: ۴۲۲۴۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے ارواء الغلیل: ۴/۳۷۹۔ میں اس روایت کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ گزشتہ حدیث جس میں حسن و حسین کی طرف سے ایک ایک مینڈھا ذبح کرنے کا بیان ہے نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں: اس حدیث میں یہ دلیل نہیں کہ لڑکے کی طرف سے عقیقہ ایک مینڈھا ذبح کرنا مشروع ہے، کیونکہ ابو الشیخ نے ایک دوسری سند سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، جس میں (دو دو مینڈھے ذبح کرنے) کا بیان ہے۔ نیز عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہ کے طریق سے بھی یہی الفاظ منقول ہیں، پھر بالفرض ابو داؤد میں مروی روایت کو صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تو اس میں لڑکے کی طرف سے عقیقہ میں دو جانور ذبح کرنے کی منصوص روایات کا رد نہیں، بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوگا کہ لڑکے کی طرف سے ایک جانور ذبح کرنا بھی جائز ہے۔ [فتح الباری: ۹/۷۴۳]

قاضی شوکانی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: جس روایت میں حسن و حسین کے عقیقہ میں ایک ایک مینڈھا ذبح کرنے کا بیان ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ جن احادیث میں لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ذبح کرنے کا بیان ہے، وہ زائد الفاظ پر مشتمل ہے، لہٰذا زائد الفاظ پر مشتمل روایت قبول کے اعتبار سے راجح ہیں، پھر قول فعل سے راجح ہے۔ (اس اعتبار سے لڑکے کی طرف سے دو جانور ذبح کرنا ہی قرین صواب ہے)۔

[نیل الأوطار: ۵/۱۴۲]

عقیقہ کے جانور:

عقیقہ میں بھیڑ اور بکری دو جنسیں ہی کفایت کرتی ہیں، ان کے علاوہ اونٹ گائے وغیرہ کا عقیقہ نبی ﷺ سے ثابت نہیں، دلائل حسب ذیل ہیں:

① ام کرز رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ، وَ عَنِ الْجَارِيَةِ وَاحِدَةٌ ، لَا يَضُرُّكُمْ ذُكْرَانًا كُنَّ أَوْ إِنَاثًا))

"(عقیقہ میں) لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ہے، بکریوں کا مذکر یا مؤنث ہونا تمھارے لیے نقصان دہ نہیں۔"

[جامع ترمذی: ۱۵۱۶، سنن ابن ماجہ: ۳۱۶۲] صحیح

② ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ:

((عَقَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا بِكَبْشَيْنِ كَبْشَيْنِ))

"رسول اللہ ﷺ نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے دو دو مینڈھے ذبح کیے۔"

[سنن نسائی: ۴۲۲۴] صحیح

فقہ الحدیث:

احادیث الباب دلیل ہیں کہ دو جنسوں بھیڑ اور بکری ہی کا عقیقہ مسنون و مشروع ہے، عقیقہ میں گائے اور اونٹ کفایت نہیں کرتے، نیز قول عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اس مفہوم کی تائید کرتا ہے، عبد اللہ بن عبید اللہ بن ابی ملیکہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں، عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا گیا: اے ام المومنین!

((عَقِّ عَنْهُ جَزُوْرًا، فَقَالَتْ : مَعَاذَ اللهِ ! وَلٰكِنْ مَا قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : شَاتَانِ مُكَافِئَتَانِ))

''اس کی طرف سے ایک اونٹ عقیقہ کریں، اس پر انھوں نے کہا: معاذ اللہ! بلکہ (ہم وہ ذبح کریں گے) جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے (لڑکے کی طرف سے) دو ایک جیسی دو بکریاں۔''

[سنن بیہقی: ۹/۳۰۱] حسن۔ عبدالجبار بن ورد صدوق راوی ہے۔

گائے اور اونٹ کا عقیقہ کرنا:

عقیقہ میں گائے اور اونٹ ذبح کرنا ثابت نہیں اور جس روایت میں عقیقہ میں گائے اور اونٹ ذبح کرنے کی مشروعیت ہے، وہ موضوع اور من گھڑت روایت ہے۔

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ وُلِدَ لَهُ غُلَامٌ فَلْيَعُقَّ مِنَ الْإِبِلِ، أَوِ الْبَقَرِ، أَوِ الْغَنَمِ))

''جس کے ہاں لڑکا پیدا ہو وہ (عقیقہ میں) اونٹ، گائے یا بھیڑ بکری ذبح کرے۔''

[طبرانی صغیر: ۲۲۹] یہ روایت مسلسل بالضعفاء ہے (موضوع)

① امام طبرانی کے استاد ابراہیم احمد بن مرادی واسطی ضعیف ہیں۔
② عبدالملک بن معروف خیاط مجہول۔
③ مسعدہ بن یسع باہلی کذاب۔
④ اور حریث بن سائب تمیمی اور حسن بصری کی تدلیس ہے۔

عقیقہ کے جانور کی شرائط:

عقیقہ کے جانور میں وہ شرائط نہیں جو قربانی کے جانور میں ہیں، لیکن مبنی بر احتیاط پہلو

یہی ہے کہ قربانی کی شرائط عقیقہ میں بھی ملحوظ رکھی جائیں، کیونکہ عقیقہ کے جانور کے لیے لفظ شَاۃٌ (بکری) اور کبشًا (مینڈھے) کے الفاظ وارد ہوئے ہیں اور لفظ شَاۃٌ کا اطلاق اس بکری پر ہوتا ہے جو بچہ جننے کے قابل ہو، اس طرح کبشٌ کا اطلاق پوری عمر کے جوان مینڈھے پر ہوتا ہے، لہٰذا بکری اور مینڈھے میں پوری عمر کے جوان جانور ذبح کیے جائیں اور وہ جانور نقائص وعیوب سے بھی پاک ہونے چاہییں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کی جانے والی چیز کا نقائص وعیوب سے پاک ہونا افضل ہے۔

عقیقہ کا وقت :

عقیقہ کا مستحب وقت نومولود کی پیدائش کا ساتواں دن ہے، اس سے پہلے عقیقہ مشروع نہیں اور ساتویں دن کے بعد کیا جانے والا عقیقہ قضا ہوگا، ادا نہیں۔ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كُلُّ غُلَامٍ رَهِينَةٌ بِعَقِيقَتِهِ، تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهِ، وَ يُحْلَقُ وَ يُسَمَّى))

''ہر بچہ اپنے عقیقہ کے ساتھ گروی ہے، ساتویں دن اس کی طرف سے (عقیقہ) ذبح کیا جائے، اس کا سر منڈایا جائے اور اس کا نام رکھا جائے۔''

[صحیح بخاری: ۵۴۷۲، سنن أبو داؤد، کتاب الضحایا، باب فی العقیقة : ۲۸۳۸، ۱۵۲۲، سنن نسائی: ۴۲۳۵، سنن ابن ماجہ: ۳۱۶۵]

فقہ الحدیث :

یہ حدیث دلیل ہے کہ عقیقہ کا معین وقت پیدائش کا ساتویں دن ہے اور اگر ساتویں دن سے پہلے عقیقہ کیا جائے تو بے موقع ثابت ہوگا اور ساتویں دن کے بعد عقیقہ کا وقت فوت ہو جائے گا، (اس کے بعد عقیقہ قضا ہوگا) اور اگر ساتویں دن سے قبل نومولود فوت ہو

جائے تو عقیقہ ساقط ہو جائے گا۔ امام مالک رحمہ اللہ اسی موقف کے قائل ہیں۔
[فتح الباری: ۹/۷۳۶۔ نیل الأوطار: ۵/۱۴۱]

یہی موقف راجح ہے، کیونکہ جس روایت میں عقیقہ کے تین دنوں (ساتواں، چودھواں اور اکیسواں) کا بیان ہے، وہ روایت ضعیف ہے۔

بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اَلْعَقِيْقَةُ تُذْبَحُ لِسَبْعٍ، وَلِأَرْبَعَ عَشَرَةَ، وَلِإِحْدَى وَ عِشْرِيْنَ))
''ساتویں، چودھویں اور اکیسویں دن عقیقہ ذبح کیا جائے۔''
[سنن بیھقی: ۹/۳۰۳، طبرانی کبیر: ۵۰۳۹، طبرانی صغیر: ۷۲۴] ضعیف اسماعیل بن مسلم ضعیف اور قتادہ بن دعامہ کی تدلیس ہے۔

جو شخص عقیقہ کرنے کی طاقت نہ رکھے:

جو شخص عقیقہ کی طاقت نہ رکھے، اس کے مالدار رشتہ دار کو چاہیے کہ اس فریضہ کی ادائیگی میں تعاون کریں اور اگر کوئی آدمی کسی نادار و مفلس کی طرف سے عقیقہ کا فریضہ انجام دے تو یہ عمل جائز و مباح ہے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ کرنا ثابت ہے، پھر اگر نادار و مفلس آدمی کے تعاون کی کوئی راہ نہ نکلے اور وہ خود بھی عقیقہ کا بوجھ برداشت نہ کر سکے تو وہ معذور ہے اور ترک فریضہ پر گناہ گار نہیں ہو گا، دلائل درج ذیل ہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ﴾
''اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔'' [البقرة:۲۸۶]

اور فرمایا: ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾
''تم اللہ سے ڈرو جتنی تم میں طاقت ہے۔'' [التغابن:۱۶]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَ إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ، فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ))

''جب میں تمھیں کسی کام کا حکم دوں تو حسب طاقت اس پر عمل کرو۔''

[بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب الإقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ: ۷۲۸۸، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فرض الحج مرة فی العمر: ۱۳۳۷]

ایک غلط رسم کا رواج:

موجودہ معاشرہ میں مذہبی و غیر مذہبی گھرانوں میں جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو بیٹے کی ولادت پر بالخصوص اور بیٹی کی پیدائش پر شاذ و نادر عزیز و اقارب اور یار دوست اصرار کرتے ہیں کہ اس خوشی کے موقع پر منہ میٹھا کراؤ، چنانچہ اس پر مسرت موقع پر امیر و غریب سبھی لوگ منوں مٹھائی تقسیم کرتے ہیں اور قرض بھی اٹھانا پڑے تو قرض لینے سے گریز نہیں کرتے، لیکن عقیقہ کی طرف توجہ دلائی جائے تو اکثریت لیت و لعل اور حیلے بہانے سے اس فریضہ کو ٹالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یاد رکھیے! ہزاروں کی مٹھائی تقسیم کرنے سے نہ تو شرعی اعتبار سے اس کا کوئی فائدہ ہوتا ہے اور نہ فریضہ عقیقہ ساقط ہوتا ہے، لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ لوگوں کو عقیقہ کی اہمیت سے آگاہ کیا جائے اور رشتہ داروں اور یار دوستوں کو اس خوشی میں مدعو کرنا ہے تو عقیقہ کا اہتمام کیا جائے، یوں عقیقہ کا فریضہ بھی ادا ہو جائے گا، تعلق داروں کی دعوت بھی ہو جائے گی اور مٹھائی وغیرہ کی تقسیم سے خرچہ بھی کہیں کم آئے گا۔

[واللہ الموفق]

کیا آدمی اپنا عقیقہ خود کر سکتا ہے؟

جس شخص کی طرف سے عقیقہ نہ کیا گیا ہو، وہ بلوغت کے بعد از خود عقیقہ کر سکتا ہے، کیونکہ نومولود ہمیشہ گروی چیز کی طرح ہے، تاوقتیکہ اس کا عقیقہ نہ کیا جائے، لہٰذا بڑی عمر کا

شخص بھی عقیقہ کر سکتا ہے۔

البتہ جن روایات سے بڑی عمر کے شخص کے عقیقہ کرنے کے جواز کی دلیل لی جاتی ہے، وہ روایات ضعیف ہیں۔

① سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقَّ عَنْ نَفْسِهِ بَعْدَ مَا بُعِثَ نَبِيًّا))

''بلا شبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی مبعوث ہونے کے بعد اپنی طرف سے عقیقہ کیا۔''

[مسند بزار : ۱۲۳۷، مصنف عبد الرزاق : ۷۹۶۰، سنن بیهقی : ۳۰۰/۹، طبرانی أوسط: ۹۹۸] ضعیف

مسند بزار، مصنف عبد الرزاق، سنن بیہقی کی سند میں عبد اللہ بن محرر متروک راوی ہے اور طبرانی اوسط میں عبد اللہ بن المثنیٰ ابو المثنیٰ ضعیف راوی ہے۔

② محمد بن سیرین رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

((لَوْ أَعْلَمُ أَنَّهُ لَمْ يُعَقَّ عَنِّي لَعَقَقْتُ عَنْ نَفْسِي))

''اگر مجھے معلوم ہو کہ میرا عقیقہ نہیں ہوا تو میں خود اپنا عقیقہ کروں۔''

[مصنف ابن أبی شیبة: ۵۳۰/۵] ضعیف۔ حفص بن غیاث کی تدلیس ہے۔

عقیقہ کا جانور ذبح کرتے وقت کے مسنون کلمات:

عام جانور کو ذبح کرنے کی طرح عقیقہ کے جانور کو ذبح کرتے وقت بھی بسم اللہ یا بسم اللہ واللہ اکبر کہنا مشروع ہے۔ اس کے علاوہ عقیقہ ذبح کرتے وقت آئندہ کلمات کا اہتمام مسنون نہیں۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ بیان کرتی ہیں:

((يُعَقُّ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ مُكَافِئَتَانِ، وَ عَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ ،

قَالَتْ عَائِشَةُ : فَعَقَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ شَاتَيْنِ شَاتَيْنِ يَوْمَ السَّابِعِ، وَ أَمَرَ أَنْ يُمَاطَ عَنْ رَاسِهِ الْأَذَى، وَ قَالَ:اذْبَحُوْا عَلَى اسْمِهِ وَ قُوْلُوْا: بِسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ، هَذِهِ عَقِيْقَة فُلاَنٍ))

''لڑکے کی طرف سے دو ہم مثل بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری عقیقہ کی جائے گی اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (عقیقہ میں) حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے ساتویں دن دو دو بکریاں ذبح کیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سروں سے مال اتارنے کا حکم دیا اور فرمایا: اللہ کے نام پر (عقیقہ) ذبح کرو اور (یہ کلمات) کہو: ''بِسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ هَذِهِ عَقِيْقَةُ فُلاَنٍ'' ''بسم اللہ، اللہ اکبر، اے اللہ، یہ تیری طرف سے اور تیرے لیے ہے۔ یہ فلاں شخص کا عقیقہ ہے۔''

[مسند أبو يعلى : ۴۵۲۱، سنن بيهقى : ۳۰۳/۹، ۳۰۴، مصنف عبد الرزاق : ۷۹۶۳] ضعیف ابن جریج کی تدلیس ہے۔

عقیقہ کے جانور کی ہڈیاں توڑنا:

عقیقہ کے جانور کا گوشت بناتے وقت اس کی ہڈیاں توڑنا مکروہ فعل نہیں ہے، بلکہ عام ذبیحہ کی طرح اس کی ہڈیاں توڑنا اور گوشت بنانا جائز و مباح ہے۔ لیکن کچھ لوگ آئندہ روایت کو پیش نظر رکھتے ہوئے، عقیقہ کی ہڈیاں توڑنا مکروہ خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ گوشت کے پورے پورے اعضا بکھرنے کرنا چاہئیں اور اس میں یہ نیک شگون کارفرما ہے کہ اس عمل سے بچہ سالم الاعضار ہے گا، یہ نظریہ سراسر باطل ہے کیونکہ آئندہ روایت ضعیف ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

((عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ مُكَافِئَتَانِ، وَ عَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ، تُقَطَّعُ جُدُولاً وَلاَ يُكْسَرُ لَهَا عَظْمٌ))

''لڑکے کی طرف سے دو برابر بکریاں ہیں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ہے، عقیقہ کا گوشت بناتے وقت نہ اس کے اعضا کاٹے جائیں اور نہ اس کی ہڈی توڑی جائے۔'' [مستدرک حاکم: ۲۳۸/۴ (شاذ)]

اس حدیث میں یہ الفاظ مدرج ہیں، جیسا کہ سنن بیہقی (۹/ ۳۰۲) کہ میں اس کی صراحت موجود ہے کہ یہ عطاء بن ابی رباح کا قول ہے، پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے والے دیگر راوی زائد الفاظ کا ذکر نہیں کرتے، چنانچہ عبد الملک بن ابی سلیمان صدوق اور کثیر الأوہام راوی ہے، لہٰذا اس کے وہم کی وجہ سے یہ الفاظ مرفوع حدیث میں داخل کر دیے گئے۔

عقیقہ کے گوشت کا مصرف:

ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ عقیقہ کا گوشت کھانے، صدقہ کرنے اور ہدیہ کرنے میں قربانی کے مثل ہے، شافعی کا بھی یہی مذہب ہے اور ابن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں، عقیقہ کرنے والے کو اس کے گوشت میں اختیار ہے، وہ اپنی مرضی سے اس میں تصرف کر سکتا ہے۔
[المغنی مع الشرح الکبیر: ۱۱/ ۱۲۴]

لہٰذا عقیقہ کرنے والے کے لیے مستحب طریقہ یہ ہے کہ وہ عقیقہ کا گوشت خود بھی کھائے، عزیز واقارب کو بھی کھلائے اور فقراء ومساکین پر صدقہ بھی کرے۔

عقیقہ کے سری پائے صدقہ کرنا:

عامۃ الناس میں یہ بات رائج ہے کہ عقیقہ میں چونکہ بچے کے سر کا صدقہ دیا جاتا ہے،

اس لیے عقیقہ کے جانور کا بالخصوص سر اور بالعموم پائے خود استعمال نہیں کرنے چاہئیں اور ان چیزوں کو صدقہ کرنا لازم ہے۔ دلی پسند نا پسند کو شریعت کے مسائل میں داخل کرنے کی جسارت نہیں کرنی چاہیے، بلکہ سری پاؤں کا حکم عام گوشت کے حکم کی مثل ہے، انھیں خود بھی استعمال کیا جا سکتا ہے اور صدقہ وغیرہ کرنا بھی جائز و مباح ہے۔

عقیقہ کے موقع پر رسم مہندی:

بعض لوگ عقیقہ کی خوشی میں چراغاں کرتے، مہندی کا اہتمام کرتے اور ناچ گانے کی تقریب کا انعقاد کرتے ہیں، یہ عمل سراسر خلاف شریعت اور رب تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے، اس لیے اس سے اجتناب کرنا چاہیے اور عقیقہ کے مسنون طریقہ پر عمل کو اختیار کرنا چاہیے۔

فضیلۃ الشیخ مبشر احمد ربانی ﷾ کا فتویٰ:

سوال کیا عقیقہ کے موقع پر مہندی لگانا احادیث سے ثابت ہے؟

جواب اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں عبادات و معاملات میں رسول اللہ ﷺ کا اسوہ اپنانے کا پابند بنایا ہے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ کیا، لیکن اس موقع پر آپ کی خواتین اور دیگر صحابیات کے بارے میں کہیں بھی ثابت نہیں کہ انھوں نے مہندی، گانا بجانا، طبلے سارنگیاں وغیرہ جیسی محرکات کا ارتکاب کیا ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک رسم ہے اور اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، عقیقہ کا صحیح ثواب تب ملے گا، جب اسے سنتِ رسول کے مطابق کیا جائے، حدیث نبوی ہے:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»

''جس نے ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہیں تو وہ مردود ہے۔''

[مسلم، کتاب الأقضیة، باب نقض الأحکام الباطلة ورد محدثات الأمور: ۱۷۱۸]

لہٰذا ایسا عمل کبھی بھی اللہ کے ہاں درجہ قبولیت تک نہیں پہنچتا جو شرع کے خلاف ہو اور رسول اللہ ﷺ کی سنت سے بعید ہو۔

[أحکام و مسائل از مبشر احمد ربانی: ۵۲۹]

ختنہ کا شرعی حکم:

نومولود کا ختنہ کروانا مشروع عمل ہے، لہٰذا بچے کے ختنے کروانا والدین کی ذمہ داری ہے، دلیل حسب ذیل ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ : الْخِتَانُ ، وَالاِسْتِحْدَادُ ، وَنَتْفُ الإِبْطِ، وَقَصُّ الشَّارِبِ، وَتَقْلِيمُ الأَظْفَارِ»

"پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں: ختنہ کرانا، زیر ناف بال مونڈنا، بغلوں کے بال اکھاڑنا، موچھیں پست کرنا اور ناخن تراشنا۔"

[صحیح بخاری: ٦٢٩٧، صحیح مسلم: ٢٥٧]

فقہ الحدیث:

امام نووی رحمہ اللہ فطرت کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ابو سلیمان خطابی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: اکثر علماء کا موقف ہے کہ فطرت سے مراد سنت ہے اور علماء نے (پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں) کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام کی سنتیں ہیں اور ایک قول کے مطابق فطرت کا معنی دین ہے، پھر ان فطرتی امور میں اکثر غیر واجب ہیں اور بعض امور

مثلاً ختنہ کروانا، کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے کے وجوب میں اختلاف ہے۔
[شرح النووی: ۱۴۸/۳]

ختنہ کروانا واجب ہے یا سنت اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے، چنانچہ شعبی رحمہ اللہ، ربیعہ رحمہ اللہ، اوزاعی رحمہ اللہ، یحییٰ بن سعید انصاری رحمہ اللہ، شافعی رحمہ اللہ اور احمد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ختنہ کروانا واجب ہے اور قاضی عیاض کہتے ہیں، مالک اور عام علماء کے نزدیک ختنہ کروانا سنت ہے، حسن بصری رحمہ اللہ اور ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ختنہ واجب نہیں بلکہ مسنون عمل ہے اور احمد رحمہ اللہ کے اصحاب میں سے ابن ابی موسیٰ کہتے ہیں کہ ختنہ کروانا سنت مؤکدہ ہے۔

اوپر بیان کردہ حدیث کی رو سے ختنہ کروانا مسنون ومستحب عمل ہے اور یہی موقف راجح ہے، نیز جس آیت سے ختنہ کے وجوب کی دلیل لی جاتی ہے، اس سے یہ مفہوم کشید کرنا درست نہیں اور وجوب ختنہ کے لیے جو روایت پیش کی جاتی ہے وہ روایت کمزور اور ناقابل احتجاج ہے۔ ذیل میں وجوب کے قائلین کے دلائل پیش خدمت ہیں۔

① اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ [النحل: ۱۲۳/۱۶]

”پھر ہم نے تیری طرف وحی کی کہ ملت ابراہیم کی پیروی کر جو (توحید میں) یکسو تھا اور مشرکوں سے نہ تھا۔“

ختنہ کے وجوب کے قائلین اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں ملت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کا حکم ہے اور ختنہ کرانا بھی ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہی میں سے ہے، لہٰذا اس کی تعمیل بھی لازم ہے۔ لیکن یہ استدلال درست نہیں، کیونکہ اکثر علماء کے ہاں ملت ابراہیم سے مراد توحید ہے، ابراہیم علیہ السلام کے دیگر افعال مراد نہیں۔ جب علماء کا اس آیت کے مفہوم کی تعیین میں اختلاف ہے تو اسے ختنہ کے وجوب کی دلیل کیسے بنایا جا سکتا ہے۔

② کلیب حضرمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میں مشرف بہ اسلام ہو چکا ہوں تو نبی ﷺ نے انھیں ارشاد فرمایا:

((وَ أَلْقِ عَنْكَ شَعْرَ الْكُفْرِ))

"اپنے سے کفر کے بال منڈوا دو۔"

اور نبی ﷺ نے ان کے ساتھ اسلام قبول کرنے والے ایک دوسرے شخص سے کہا:

((أَلْقِ عَنْكَ شَعْرَ الْكُفْرِ وَاخْتَتِنْ))

"اپنے سے حالت کفر کے بال اتروا دو اور ختنہ کرواؤ۔"

[مسند أحمد: ۴۱۵/۳، سنن أبو داؤد: ۳۵۶، سنن بیھقی: ۱۷۲/۱، ۳۲۳/۸، طبرانی کبیر ۹۸۲، ۳۳۵/۲۲] ضیعف

یہ حدیث کئی علتوں کی وجہ سے ضعیف ہے۔

① ابن جریج کا استاد نامعلوم شخص ہے۔

② عثیم بن کثیر بن کلاب اور ان کا والد مجہول راوی ہیں۔

③ علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں نبی ﷺ کی تلوار کے دستے میں صحیفہ ملا (جس میں یہ عبارت منقول تھی):

((إِنَّ الْأَقْلَفَ لاَ يُشْرَكُ فِي الْإِسْلاَمِ حَتَّى يُخْتَتَنَ، وَلَوْ بَلَغَ ثَمَانِيْنَ سَنَةً))

"اسلام میں بے ختنہ شخص کو اس وقت تک نہیں چھوڑا جائے گا جب تک وہ ختنہ نہ کروا لے، خواہ وہ اسی سال کی عمر کو پہنچ جائے۔"

[سنن بیھقی: ۳۲٤/۸، الضعیفه: ٥٤٥٤] موضوع

اس روایت کے من گھڑت ہونے کی مکمل تفصیل سلسلة الضعیفه میں ملاحظہ کریں۔

ختنہ کا مشروع وقت:

شریعت اسلامیہ میں ختنہ کروانے کو فطرتی امر ضرور قرار دیا گیا ہے، لیکن ختنہ کا مقرر و معین وقت نہیں بتایا گیا، لہٰذا بچے کی ولادت کے بعد اس کی صحت وغیرہ کا خیال رکھتے ہوئے کسی بھی وقت ختنہ کروایا جا سکتا ہے۔ البتہ بچہ جب بلوغت کے قریب ہو اس وقت ختنہ کرنا افضل و مستحب عمل ہے۔ کیونکہ عہد رسالت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول تھا کہ وہ بلوغت کی عمر کو پہنچنے والے بچوں کا ختنہ کروایا کرتے تھے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو آپ کتنی عمر کے تھے؟ انھوں نے کہا:

((أَنَا يَوْمَئِذٍ مَخْتُوْنٌ، قَالَ : وَ كَانُوْا لاَ يَخْتِنُوْنَ حَتّٰى يُدْرِكَ))

''اس وقت میرا ختنہ ہو چکا تھا اور وہ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) اس وقت تک آدمی کا ختنہ نہ کرواتے تھے جب تک وہ بلوغت کے قریب نہ پہنچ جاتا۔''

[صحیح بخاری: ٦٢٩٩]

یہ حدیث دلیل ہے کہ ختنہ کروانے کا افضل و مستحب وقت وہ ہے، جب بچہ بلوغت کے قریب ہو۔ البتہ صغرسنی میں ختنہ کروانے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ نیز جن روایات میں ساتویں دن ختنہ کرانے کی مشروعیت کا بیان ہے، وہ کمزور اور نا قابل احتجاج ہیں۔

① جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

((عَقَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ وَ خَتَنَهُمَا لِسَبْعَةِ أَيَّامٍ))

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن و حسین کا ساتویں روز عقیقہ کیا اور ساتویں دن ان

دونوں کا ختنہ کروایا۔"

[سنن بیهقی: ۳۲٤/۸، شعب الإیمان للبیهقی: ۸٦۳۸، طبرانی صغیر: ۸۹۱] ضعیف

یہ حدیث دو علتوں کی وجہ سے ضعیف ہے۔

① ولید بن مسلم کی تدلیس ہے۔

② زہیر بن محمد تیمی ثقہ راوی ہے، لیکن اہل شام اس سے روایت کریں تو وہ روایت ضعیف ہوتی ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں: "اہل شام کی زہیر سے روایات کمزور ہیں۔"

[تقریب التهذیب: ۲۰٤۹]

نیز امام بخاری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں، ولید بن مسلم اور عمرو بن ابی سلمہ، زہیر عن ابن المنکدر، ہشام بن عروہ اور ابو حازم کے طریق سے زہیر سے منکر روایات نقل کرتے ہیں۔

[علل ابن رجب]

③ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

"سَبْعَةٌ مِنَ السُّنَّةِ فِي الصَّبِيِّ يَوْمَ السَّابِعِ : يُسَمَّى وَ يُخْتَتَنُ، وَ يُمَاطُ عَنْهُ الْأَذَىٰ، وَ تُثْقَبُ أُذُنُهُ، وَ يُعَقُّ عَنْهُ وَ يُحْلَقُ رَأْسُهُ، وَ يُلْطَخُ بِدَمِ عَقِيْقَتِهِ، وَ يُتَصَدَّقُ بِوَزْنِ شَعْرِهِ فِيْ رَأْسِهِ ذَهَبًا وَ فِضَّة))

"پیدائش کے روز بچے کے بارے میں سات چیزیں مشروع ہیں، اس کا نام رکھا جائے، ختنے کروائے جائیں، میل کچیل دور کی جائے (یعنی بال اتروائے جائیں) کان میں سوراخ کیے جائیں، عقیقہ کیا جائے، سر منڈوایا جائے، عقیقہ کا خون اس کے سر پر ملا جائے اور اس کے بالوں کے برابر سونا یا چاندی صدقہ کیا جائے۔"

[طبرانی أوسط: ۱/۵۵، الضعیفه: ٥٤٣٢، تلخیص الجبیر: ٤/٣٦٧] ضعیف

اس روایت کی سند میں رواد بن جراح ضعیف ہے، تلخیص میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس

روایت کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں: اس کی سند میں رواد بن جراح ضعیف راوی ہے۔

لہٰذا ختنہ کے لیے ساتویں دن کی تعیین درست نہیں، بلوغت سے قبل کسی بھی وقت ختنہ کرنا مشروع ہے۔ البتہ بلوغت کے قریب عمر میں ختنہ کرنا افضل عمل ہے۔

عمر رسیدہ افراد کا ختنہ:

اگر ختنے کی مشروعیت کا علم دیر سے ہو تو اس مسئلہ کی مشروعیت کا علم ہونے پر اسے ختنہ کروا لینا چاہیے، ایسے ہی نو مسلم افراد کا قبول اسلام کے بعد ختنہ کروانا مشروع ہے، دلائل حسب ذیل ہیں:

① ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِخْتَتَنَ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَعْدَ ثَمَانِينَ سَنَةً ، وَ اخْتَتَنَ بِالْقَدُوْمِ))

"ابراہیم علیہ السلام نے اسی سال کی عمر کے بعد ختنہ کیا اور انھوں نے تیشے سے اپنا ختنہ کیا۔" [صحیح بخاری:٦٢٩٨،صحیح مسلم:٢٣٧٠]

② ابن شہاب زہری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

((كَانَ الرَّجُلُ إِذَا أَسْلَمَ أُمِرَ بِالْإِخْتِتَانِ وَ إِنْ كَانَ كَبِيْرًا))

"جب کوئی شخص اسلام قبول کرتا تو اسے ختنہ کا حکم دیا جاتا، خواہ وہ بڑی عمر کا ہوتا۔" [الأدب المفرد:١٢٥٢]صحیح

یہ احادیث دلیل ہیں کہ بڑی عمر کا شخص بھی ختنہ کرائے گا، ختنہ کا فعل خود بھی انجام دے سکتا ہے اور ڈاکٹرز سے خدمات بھی حاصل کی جا سکتی ہیں۔

بچیوں کا ختنہ کرانا:

جس طرح بچوں کا ختنہ کروانا مشروع ہے، بچیوں کے ختنہ کا بھی جواز ہے، لیکن جس اہتمام سے بچوں کے ختنہ کا اہتمام کیا جاتا ہے، بچیوں کے ختنہ میں اتنی تاکید بیان نہیں ہوئی۔ لہٰذا بچیوں کا ختنہ لازم نہیں، لیکن کوئی کروانا چاہے تو کم از کم اس کا جواز موجود ہے۔

مرجانہ ام علقمہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتی ہیں:

((أَنَّ بَنَاتِ أَخِي عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا خُفِضْنَ فَأَلِمنَ ذٰلِكَ، فَقِيلَ لِعَائِشَةَ : يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ ! أَلاَ تَدْعُو لَهُنَّ مَنْ يُلْهِيهِنَّ ؟ قَالَتْ : بَلَى، قَالَتْ : فَأُرْسِلَ إِلَى فُلاَنٍ الْمُغَنِّي فَأَتَاهُمْ، فَمَرَّتْ بِهِ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فِي الْبَيْتِ، فَرَأَتْهُ يَتَغَنَّى وَيُحَرِّكُ رَأْسَهُ طَرَبًا، وَكَانَ ذَا شَعْرٍ كَثِيرٍ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا : أُفٍّ ، شَيْطَانٌ ، أَخْرِجُوهُ أَخْرِجُوهُ فَأَخْرَجُوهُ))

''عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھتیجیوں کے ختنے ہوئے تو انھوں نے اس کی سخت تکلیف محسوس کی، عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا گیا، اے ام المومنین ! کیا ہم ان کے لیے ایسے آدمی کو نہ بلائیں جو انھیں بہلائے، انھوں نے کہا: ضرور (بلاؤ)۔ چنانچہ فلاں گائیک کو پیغام بھیجا تو وہ ان کے ہاں حاضر ہوا، پھر گھر میں عائشہ رضی اللہ عنہا کا اس کے قریب سے گزر ہوا تو انھوں نے دیکھا کہ وہ گا رہا ہے اور ساتھ سر کو مستی میں حرکت دے رہا ہے، اس کے بال کافی بڑے تھے۔ (یہ کیفیت دیکھ کر) عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا، اف! یہ تو شیطان ہے، اسے نکال دو۔ اسے نکال دو۔ چنانچہ انھوں نے اسے نکال دیا۔''

[سنن بیھقی: ۳۲۴/۱۰، الأدب المفرد: ۱۲۴۷] حسن

مرجانہ ام علقمہ کو حافظ ابن حبان نے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور عجلی نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔

دودھ پلانے کا بیان

اللہ تعالیٰ کا نسل انسانی پر یہ عظیم احسان ہے کہ نومولود کی ولادت کے بعد ماں کے پستانوں میں دودھ کی شکل میں اس کی خوراک کا بندو بست کر دیا اور اس لاچارگی اور شدید بے بسی کے عالم میں ماں کے دل میں نومولود کی شدید محبت اور ہمدردی کا عظیم جذبہ پیدا کر دیا اور نومولود کو ماں کے پستانوں سے خوراک لینے کی راہنمائی کر دی۔ جس سے نومولود کی خوراک کا بندوبست اور اس کی پرورش ونمو کا سلسلہ بھی جاری کر دیا۔ پھر عمر کے اس حصہ میں ماں کے دودھ سے زیادہ کوئی خوراک نومولود کے لیے اتنی مفید نہیں، جتنا شیر مادر بہتر ہے۔ نیز بچے کی تربیت ونمو کی بہتری کے لحاظ سے شریعت نے حقیقی والدہ کو نومولود کے دودھ پلانے کا زیادہ مستحق ٹھہرایا ہے، کیونکہ حقیقی والدہ کو بچے سے ہمدردی اور محبت زیادہ ہوتی ہے اور ماں کی ممتا بچے کی پرورش میں زیادہ ممد ومعاون ہے۔

حقیقی والدہ دودھ پلانے کی زیادہ مستحق:

رشتہ دار یا دایوں کی نسبت حقیقی والدہ دودھ پلانے کی زیادہ حقدار ہے، کیونکہ نومولود سے جتنی محبت اور پیار حقیقی والدہ کو ہے، کسی دوسری عورت میں یہ جذبہ موجود نہیں ہوتا۔ اس چیز کو ملحوظ رکھتے ہوئے شریعت اسلامیہ نے اجنبی مرضعہ کی نسبت حقیقی والدہ کو دودھ پلانے میں ترجیح دی ہے اور والدہ کو طلاق ہونے کی صورت میں بھی حق رضاعت اسے ہی تفویض کیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَ لَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ وَ عَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ﴾ [البقرہ:۲/۲۳۳]

”اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں (یہ حکم) اس کے لیے ہے، جو دودھ کی مدت پوری کرنا چاہے اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمے معروف طریقے سے ان (دودھ پلانے والی بچوں کی ماؤں) کا کھانا اور کپڑا دینا ہے، نہ ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے تکلیف دی جائے اور نہ (والد) جس کا بچہ ہے اسے اس کے بچے کی وجہ سے (تکلیف دی جائے) اور وارث پر بھی ایسی ہی ذمہ داری ہے۔“

فقہ التفسیر:

۱۔ دودھ پلانے کی زیادہ مستحق نومولود کی حقیقی والدہ ہے، خواہ اسے طلاق ہو چکی ہو۔ کیونکہ دودھ پلانے کی ترتیب میں اولاً حقیقی والدہ کا ذکر ہوا ہے۔

۲۔ دودھ پلانے کی کامل مدت دو سال ہے اور بچے کی خوراک کی ضرورت کے پیش نظر اسے دو سال دودھ پلانا بہتر ہے۔

۳۔ دودھ پلانے کی کامل مدت میں نومولود اور اس کی والدہ کے اخراجات والد کے ذمہ ہیں۔ اگر مدت رضاعت میں عورت شوہر کے نکاح میں ہے تو اس صورت میں زچہ بچہ کے خوراک اور لباس کے اخراجات تو شوہر کی ذمہ داری ہے، لیکن اگر حمل یا رضاعت کی

مدت میں عورت کو طلاق ہو جائے تو اس صورت میں بھی زچہ بچہ کی خوراک اور لباس کا ذمہ دار نومولود کا والد ہے اور اس کی فوتگی یا غیر حاضری کی صورت میں یہ ذمہ داری اس کے اقربا و ورثا پر عائد ہوگی۔

۴۔ اسلام عدل پر مبنی دین اور انسانی حقوق کا حقیقی علمبردار اور عورت کے حقوق کا صحیح محافظ ہے کہ بچے کی اس لاچارگی کی عمر اور عورت کی اس شکستہ حالت میں ان کی خوراک کا ذمہ دار شوہر کو قرار دے دیا ہے، جو زچہ بچہ کیلیے انتہائی مفید ہے۔ لیکن مغرب کے نام نہاد معاشرے کے عورتوں اور بچوں پر مظالم دیکھیے کہ طلاق کی صورت میں نومولود کی کفیل والدہ قرار پاتی ہے جو اس شکستگی اور شدید جسمانی کمزوریوں کی صورت میں طلاق کا صدمہ بھی برداشت کرے اور بچے کی خوراک و پرورش کا ذمہ بھی لے۔ جو صنف نازک پر گھناؤنا ظلم اور انتہائی جبر ہے۔

۵۔ مدت رضاعت میں والدہ سے بچہ چھین کر یا اسے خرچہ سے محروم کر کے اس پر جبر کرنا اور اسے اذیت میں مبتلا کرنا ناجائز ہے۔ اس مدت میں شوہر کے لیے یہ دونوں کام ممنوع ہیں اور اگر عورت خوشی سے بچے کو دودھ پلانا چاہے تو بچے کو والدہ ہی کے سپرد کیا جائے گا۔

۶۔ مدت رضاعت میں نومولود کے والد پر ظلم کرنا بھی ناجائز ہے کہ اس پر زچہ بچہ کا اتنا بوجھ ڈال دیا جائے کہ وہ اتنا بوجھ اٹھانے کی طاقت نہ رکھتا ہو، بلکہ اس کی طاقت اور مالی حیثیت کے مطابق اس پر مالی ذمہ داریاں عائد کی جائیں گے۔

۷۔ پورے دو سال دودھ پلانا مستحب ہے واجب نہیں اگر کوئی عارضہ لاحق ہو جائے مثلاً عورت حاملہ ہو جائے یا ماں کا دودھ بچے کی صحت کے لیے مضر ہو تو دو سال سے پہلے دودھ چھڑانا درست ہے۔

دو سال سے کم دودھ پلانا:

دودھ پلانے کی اکمل و افضل مدت دو سال ہے۔ لیکن دو سال مدت رضاعت کو لازم سمجھنا اور اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلیے مانع حمل ادویات و ذرائع استعمال کرنا قطعاً ناجائز ہے۔ کچھ عورتیں مدت رضاعت کے مسائل سے ناواقفیت کی وجہ سے یہ ضد کر بیٹھتی ہیں کہ دو سال دودھ پلانا ہے اور اس کے لیے وہ کسی قسم کا سمجھوتہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتیں۔ یہ شرعی مسائل سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے، حقیقت یہ ہے کہ اگر میاں بیوی باہمی مشاورت سے دو سال سے کم مدت میں بچے کا دودھ چھڑانا چاہیں یا ولادت کے فوراً بعد کسی دایہ کا بندوبست کر لیا جائے، یا ماں کا دودھ بچے کیلیے ضرر رساں ہو تو متبادل دودھ گائے، بھینس، یا ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق کسی اچھی کمپنی کا خشک دودھ استعمال کروانا، یا عورت کے حمل ٹھہرنے کی صورت میں دو سال سے کم مدت میں بچے کا دودھ چھڑوانا، یہ تمام صورتیں جائز و مباح ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَ تَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَ إِنْ أَرَدْتُّمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوٓا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا أَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴾ [البقرہ:۲/۲۳۳]

"پھر اگر وہ دونوں (زن وشو) آپس کی رضامندی اور باہمی مشاورت سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں اور اگر تم اپنے بچوں کو (والدہ کے علاوہ کسی اور عورت سے) دودھ پلوانا چاہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں جب انھیں وہ (معاوضہ) جو دیا ہے معروف طریقہ سے ادا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جان لو کہ جو تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا ہے۔"

حافظ ابن حزم رحمہ اللہ اس آیت کے تحت رقم طراز ہیں کہ اگر والدین باہمی رضا مندی اور مشاورت سے بچے کو دودھ چھڑانا چاہیں اور اس سے بچے کو نقصان کا خطرہ نہ ہو تو والدین کا اس صورت میں دو سال سے کم مدت میں دودھ چھڑانا جائز ہے۔ [تحفۃ المودود ص: ۲۵۳]

دو سال سے زیادہ دودھ پلانا:

دو سال سے زیادہ مدت دودھ پلانا جائز ہے اور کتاب وسنت میں جو مدت رضاعت بیان ہوئی ہے وہ اکمل مدت ہے یا اس سے مقصود اس مدت رضاعت کا بیان ہے، جس میں نومولود کا کسی عورت کا دودھ پینے سے اس سے حرمت کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ اگر وہ دو سال کے بعد کسی عورت کا دودھ پی لے تو ان میں باہمی رشتہ حرمت قائم نہیں ہوگا، لہٰذا اگر والدہ دو سال سے زیادہ عرصہ بچے کو دودھ پلانے کی خواہش مند ہے، اسے دودھ آتا ہے تو وہ اسے دودھ پلاسکتی ہے اور اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ اس مسئلہ کے جواز پر عرب علماء کی فتویٰ کمیٹی کا فتویٰ ملاحظہ کیجیے۔

سوال کیا نومولود کی قرآن حکیم میں دودھ چھڑانے کی مقررہ مدت (دو سال) سے تاخیر کرنا جائز نہیں ہے؟

جواب جب اس مدت میں تاخیر کی کوئی ضرورت ہو تو اس مدت میں تاخیر جائز ہے۔ جیسے دو سال سے قبل دودھ چھڑانا جائز ہے۔ بشرطیکہ اس میں کوئی مصلحت ہو۔ دودھ پلانے کی اصل مدت دو سال ہے، کسی ضروری مصلحت کے بغیر اس سے انحراف درست نہیں۔

[فتاوی اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ: ۲۱/۵۹]

سوال بچے کو دو سال سے زیادہ دودھ پلانا جائز ہے یا حرام؟

جواب بچے کو دودھ پلانا اس کا حق ہے اور اس کی مصلحت کی خاطر اسے یہ حق دینا لازم ہے۔ بچے کو دودھ پلانا ایسے ہی ہے جیسے بڑی عمر کے بچوں کو نان ونفقہ دینا لازم ہے۔

دودھ پلانے کی کامل مدت پورے دو سال ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ﴾ [البقرہ:۲/۲۳۳]

''اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں (یہ حکم) اس کے لیے ہے، جو دودھ کی مدت پوری کرنا چاہے۔''

نیز اس مدت میں کمی کرنا بھی جائز ہے، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ﴾

[البقرہ:۲/۲۳۳]

''پھر اگر وہ (میاں بیوی) باہمی رضا مندی اور آپس کی مشاورت سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔''

مدت رضاعت میں یہ کمی والدین کی باہمی رضا مندی اور مشاورت سے مشروط ہے نیز اس مدت میں کمی سے بچے کو نقصان نہ پہنچے کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے۔

((لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ))

''نہ خود کو تکلیف دینا اور نہ کسی کو ضرر پہنچانا ہے۔''

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ بچے کو دودھ پلانا بچے کا حق اور ضرورت ہے اور جب اسے دودھ چھڑانے سے نقصان کا اندیشہ ہو تو اسے دو سال سے قبل دودھ چھڑانا جائز نہیں۔ اسی طرح والدہ بچے کی مصلحت اور بہتر پرورش کی غرض سے دو سال کی مدت کے بعد بھی دودھ جاری رکھ سکتی ہے۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ اپنی کتاب (تحفۃ المودود فی احکام المولود) میں لکھتے ہیں اور ماں کے لیے دو سال سے لے کر اڑھائی سال یا اس سے زائد مدت تک بچے کو دودھ پلانا جائز ہے۔

[فتاویٰ اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ:۲/۶۰]

جسمانی کمزوری سے بچاؤ کی خاطر خاوند کی اجازت کے بغیر دودھ چھڑانا:

جسمانی کمزوری سے بچنے، خود کو خوبصورت اور جاذب نظر بنانے اور کم عمر دکھائی دینے کے فریب میں مبتلا عورتیں بچے کی ولادت کے کچھ عرصہ بعد ہی بچے کو متبادل دودھ یا متوازن خوراک کا عادی بنا کر اپنے دودھ سے محروم کر دیتی ہیں۔ عورتوں کا بلا عذر بچوں کو اپنے دودھ سے محروم کرنا اور صحت بحالی کی فریبیوں میں یہ قبیح فعل سر انجام دینا انتہائی مبغوض اور ناپسندیدہ فعل ہے، جس کی آئندہ حدیث میں نہایت شناعت اور وعید بیان ہوئی ہے۔

ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: ایک دفعہ میں سویا تھا کہ میرے پاس دو آدمی آئے، انھوں نے مجھے میرے بازوؤں سے پکڑا اور ایک دشوار گزار پہاڑ پر لے گئے اور مجھے کہا: اس پہاڑ پر چڑھیے، میں نے عرض کی: میرے میں اس پر چڑھنے کی ہمت نہیں، انھوں نے کہا: ہم آپ کے لیے پہاڑ پر چڑھنا آسان کر دیتے ہیں، چنانچہ میں پہاڑ پر چڑھ گیا اور جب میں پہاڑ کے برابر ہوا تو وہاں ہولناک آوازیں تھیں میں نے پوچھا: یہ آوازیں کیسی ہیں؟ تو انھوں نے بتایا کہ یہ جہنمیوں کے رونے کی آوازیں ہیں۔ پھر مجھے لے کر آگے گئے تو وہاں ایسے لوگ تھے جو ایڑھیوں کے بل الٹے لٹکے تھے اور ان باچھیں پھٹی تھیں جن سے خون بہہ رہا تھا۔ میں نے سوال کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو افطاری کا وقت شروع ہونے سے قبل روزہ افطار کرتے تھے۔ (تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہود و نصاریٰ برباد ہو گئے) (راوی) سلیمان کہتے ہیں مجھے نہیں معلوم (قوسین کے الفاظ) ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے رسول ﷺ سے سنے ہیں۔ یا ابو امامہ رضی اللہ عنہ کے اپنے کلمات ہیں۔ مجھے (اگلے مقام پر) لے کر گئے۔ تو وہاں ایسے لوگ تھے جو بہت زیادہ پھولے ہوئے، انتہائی بدبودار اور بدترین حالت میں تھے۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ یہ کفار کے مقتولین ہیں۔ پھر مجھے ایسے لوگوں کے پاس لے جایا

گیا جو پہلے لوگوں سے بھی زیادہ پھولے ہوئے اور زیادہ بدبودار تھے، ان کی بدبو ایسے تھی جیسے لیٹرینوں کی بدبو ہو۔ میں نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ یہ زانی مرد اور زانی عورتیں ہیں۔ بعد ازاں مجھے آگے لے جایا گیا تو وہاں ایسی عورتیں تھیں جن کے پستانوں کو سانپ نوچ رہے تھے۔ میں نے سوال کیا کہ ان عورتوں کا جرم کیا ہے؟ تو انھوں نے کہا: یہ عورتیں اپنے بچوں کو اپنے دودھ سے محروم کرتی تھیں۔ پھر آگے لے جایا گیا تو میری ملاقات بچوں سے ہوئی جو دو نہروں کے درمیان کھیل رہے تھے میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ انھوں نے کہا: مومنوں کے بچے ہیں (جو قبل از بلوغت فوت ہو گئے) پھر مجھے مزید شرف یابی ہوئی اور وہاں میری ملاقات تین افراد سے ہوئی، جو شراب پی رہے تھے۔ میں نے کہا: یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ جعفر طیار، زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ ہیں۔ پھر مجھے ایک اور شرف نصیب ہوا اور میری ملاقات تین آدمیوں سے ہوئی۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہستیاں ہیں؟ انھوں نے کہا: یہ ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام ہیں اور وہ میرے منتظر ہیں۔

[صحیح ابن خزیمہ:۱۹۸۶، صحیح ابن حبان:۷۴۹۱، مستدرک حاکم: ۱/۴۳۰، سنن بیہقی:۴/۲۶۶، طبرانی کبیر:۷۶۶۷] صحیح

فقہ الحدیث:

بلا عذر بچوں کو دودھ چھڑانا انتہائی مبغوض فعل ہے اور موت کے بعد ایسی عورتوں کو سخت عذاب سے دو چار ہونا پڑے گا، البتہ بیماری، حمل یا کسی شرعی عذر کے پیش نظر زوجین کی باہمی رضامندی سے دو سال سے کم عمر بچے کو کسی وقت بھی دودھ چھڑانا جائز ہے۔

حالت جنابت میں دودھ پلانا:

شرعی احکام کی رو سے عورت کو دودھ پلانے سے قبل حدث اصغر یا حدث اکبر سے پاک

ہونے کی کہیں بھی تاکید نہیں۔ عورتوں کو تاکید صرف دودھ پلانے کی ہے جو کسی بھی حالت میں پلانا جائز ہے خواہ وہ جنابت وحیض سے پاک ہو یا ان عوارض میں مبتلا ہو، نیز جو عورتیں حالت جنابت میں بچوں کو دودھ پلانے سے گریز کرتی ہیں اور غسل جنابت کے بعد دودھ پلانے کو باعث شرف خیال کرتی ہیں، یہ ان کی اپنی ذہنی سوچ ہے، شریعت میں کوئی ایسی فضیلت وعظمت یا حالت جنابت میں دودھ پلانے کی کراہت بیان نہیں ہوئی۔ لہٰذا بچے کی طلب اور ضرورت کو دیکھتے ہوئے ہر دو حالت میں دودھ پلانا جائز ہے اور سعودی علماء فتویٰ کمیٹی نے بھی اس موقف کی تائید کی ہے۔

سوال کیا عورت کے لیے حالت جنابت میں اپنے بچے کو دودھ پلانا جائز ہے؟

جواب عورت کے حالت جنابت میں اپنے بچے کو دودھ پلانے میں کوئی حرج نہیں۔

[اللجنة الدائمة للبحوث العلمية: ۲۱/۷_۸]

والدہ کے علاوہ کسی دوسری عورت کا دودھ پلانا:

اگر زوجین باہمی رضا مندی سے نومولود کو کسی دایہ وغیرہ کا دودھ پلانا چاہیں یا کسی خاندان یا قریبی رشتہ داروں میں سے کسی عورت سے بچے کا قریبی رشتہ استوار کرنے کے لیے کسی عورت کا دودھ پلانا چاہیں اور ان سے رشتہ رضاعت قائم کرنا چاہیں تو شرعاً یہ عمل جائز ومباح ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَ اِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ [البقرہ:۲/۲۳۳]

''اگر تم اپنی اولاد کو (دایہ وغیرہ) سے دودھ پلانا چاہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں جب تم وہ (معاوضہ) جو انھیں دیا ہے، معروف طریقے سے ادا کر دو۔''

ثبوت رضاعت کی بنیادی شرائط:

کسی اجنبی عورت کا دودھ پینے سے نومولود کا اس عورت اور اس کے خاندان سے حرمت کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے اور دودھ پلانے والی عورت، اس کی والدہ، اس کا خاوند، اس کا والد، بچے، بہن بھائی اور دیگر خالہ، پھوپھی وغیرہ کے رشتے نسبی رشتوں کی طرح حرام ہو جاتے ہیں۔لیکن اس کی دو بنیادی شرطیں ہیں۔

① دو سال سے کم عمر میں دودھ پلایا گیا ہو۔

② کم از کم پانچ مرتبہ دودھ پلایا گیا ہو۔

ان شرائط کی موجودگی میں رضاعت اور حرمت ثابت ہوگی، اگر دونوں شرطیں یا ایک شرط مفقود ہو تو حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی، تفصیل حسب ذیل ہے۔

① دو سال کی مدت میں دودھ پلایا گیا ہو:

ثبوت رضاعت کی پہلی شرط یہ ہے کہ بچے کو رضاعت کی مقررہ مدت یعنی دو سال کی عمر میں دودھ پلایا جائے، دو سال سے زائد عمر میں رضاعت مؤثر نہ ہوگی۔ دلائل درج ذیل ہیں، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ﴾ [البقرہ:۲/۲۳۳]

”اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں (یہ حکم اس کے لیے ہے) جو دودھ کی مدت کو پورا کرنا چاہے۔“

فقہ الآیۃ:

① حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں، اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کا

عورتوں کو ارشاد ہے کہ وہ اپنے بچوں کو رضاعت کی کامل مدت (یعنی دو سال) دودھ پلائیں اور اس مدت کے بعد رضاعت غیر معتبر ہے، مدت کی انتہا بیان کرنے ہی کی غرض سے اس نے یہ کلمات: "لِمَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ" ارشاد فرمائے ہیں اور اکثر آئمہ کا موقف ہے کہ دو سال سے کم عمر ہی میں حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر بچے کو دو سال سے زائد عمر میں دودھ پلایا جائے تو حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

[تفسیر ابن کثیر: ۳۶۹/۱]

④ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لاَ يُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ إِلاَّ مَا فَتَقَ الْأَمْعَآءَ فِي الثَّدْيِ، وَ كَانَ قَبْلَ الْفِطَامِ))

[جامع ترمذی: ۱۱۵۲، السنن الكبرىٰ للنسائی: ۳۰۱/۳، ۵٤٦۵، مسند اسحاق بن راهوية: ۱۸۸۷] صحیح

امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و دیگر علماء میں سے اکثر علماء کے نزدیک اسی پر عمل ہے کہ رشتوں کو وہی رضاعت حرام کرتی ہے جو دو سال سے کم عمر میں ثابت ہو اور جو دو سال کے بعد واقع ہو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

[جامع ترمذی، تحت حدیث: ۱۱۵۲]

شارح ترمذی حافظ عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں، امام ابوحنیفہ کے صاحبین قاضی یوسف اور امام محمد بھی اسی مؤقف کے قائل ہیں (کہ مدت رضاعت دو سال ہے) چنانچہ امام محمد اپنی کتاب موطا میں بیان کرتے ہیں کہ اسی رضاعت سے حرمت واقع ہوگی جو دو سال کے عرصہ میں ہو۔ اس مدت میں جو رضاعت ہو خواہ ایک مرتبہ ہی دودھ پیا جائے، اس سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔ جیسا کہ عبداللہ بن عباس، سعید بن مسیب اور عروہ بن

زبیر کا موقف ہے، لیکن جو رضاعت دو سال کے بعد واقع ہو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿ وَ الْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ كَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ﴾

''اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں، جو مکمل دودھ پلانا چاہے سو دودھ پلانے کی مکمل مدت دو سال ہے اور اس مدت کے مکمل ہونے کے بعد رضاعت سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔''

لیکن امام ابوحنیفہ دو سالوں کے بعد احتیاطاً چھ ماہ مدت رضاعت میں اضافہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں: دو سال اور چھ ماہ یعنی تیس ماہ میں حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے اور اس مدت کے بعد یہ حرمت واقع نہیں ہوتی، جب کہ ہماری رائے یہ ہے کہ رضاعت کی یہ مدت حرمت ثابت نہیں کرتی ہماری رائے کے مطابق دو سال کے بعد حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ یہاں امام محمد کی بات مکمل ہوئی۔

اور التعلیق المجد کے مصنف کہتے ہیں کہ نصوص کے وارد ہونے کے بعد احتیاط کی کوئی حیثیت نہیں، کیونکہ قوی ترین دلیل پر عمل کرنے ہی میں احتیاط ہے اور دلائل کی رو سے صاحبین کا قول زیادہ قوی ہے۔

[تحفة الاحوذی: ۴/ ۲۶۴]

③ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے جب کہ میرے پاس ایک آدمی بیٹھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بہت شاق گزرا، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر غصے کے آثار دیکھے تو میں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ میرے رضاعی بھائی ہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اُنْظُرْنَ اِخْوَتَكُنَّ مِنَ الرَّضَاعَةِ ، فَاِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ

الْمَجَاعَةِ))

”اپنے رضاعی بھائیوں کے بارے میں تحقیق کیا کرو، کیونکہ رضاعت (کا ثبوت) بھوک (کی عمر) سے ہے۔“

[صحیح بخاری:۵۱۰۲، صحیح مسلم:۱۴۵۵]

فقہ الحدیث:

یہ حدیث بھی دلیل ہے کہ بھوک مٹانے کی عمر یعنی دو سال کی مدت ہی میں رضاعت مؤثر ہے اور دو سال سے زائد عمر کے بچے کو دودھ پلانے سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یہ باب

((بَابُ مَنْ قَالَ : لَا رَضَاعَ بَعْدَ حَوْلَيْنِ لِقَوْلِهِ عَزَّوَجَلَّ : حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ))

[البقرہ:۲/۲۳۳]

اس شخص کے موقف کا بیان جو کہتا ہے کہ دو سال کے بعد رضاعت مؤثر نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں جو مدت رضاعت کو مکمل کرنا چاہے، قائم کر کے اس موقف کی تائید کی ہے۔

کم از کم پانچ مرتبہ دودھ پلایا گیا ہو:

ثبوت رضاعت کی دوسری شرط یہ ہے کہ بچے نے رضاعی والدہ کا دودھ کم از کم پانچ مرتبہ پیا ہو اور ہر مرتبہ دودھ پینے کی کیفیت یہ ہے کہ بچہ ماں کا دودھ منہ میں ڈالے اور اسے چوسنا شروع کر دے، پھر کسی عارضے اور علت کے بغیر اپنی مرضی سے سیر ہو کر دودھ چھوڑ دے۔ سانس، کھانسی، غوطے یا کسی مشغولیت کی وجہ سے دودھ چھوڑنا اور پھر دوبارہ دودھ پینا شروع کر دینا یہ ایک مرتبہ ہی شمار ہوگا۔ کیونکہ رَضْعَة، اَلْمَصَّةُ اور الاملاجاة کے الفاظ

اس مفہوم کی تائید کرتے ہیں۔ یہ عمل کم از کم پانچ مرتبہ دہرایا جائے، پھر رضاعت ثابت ہو گی۔ دلائل درج ذیل ہیں۔

۱۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَالْمَصَّتَانِ))

''ایک یا دو مرتبہ (دودھ پلانا) حرام نہیں کرتا۔''

[مسند أحمد: ۵/۴۔ صحیح مسلم: ۱۴۵۰، سنن ابو داؤد: ۲۰۶۳، جامع ترمذی: ۱۱۵۰، سنن نسائی: ۳۳۱۱، سنن ابن ماجہ: ۱۹۴۱]

۲۔ ام فضل رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دیہاتی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف فرما تھے، اس نے عرض کیا: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میری بیوی ہے، جس کی موجودگی میں نے دوسری شادی کی ہے، میری پہلی بیوی کا گمان ہے کہ اس نے میری نئی بیوی کو ایک یا دو مرتبہ دودھ پلایا ہے۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تُحَرِّمُ الْإِمْلَاجَةُ وَالْإِمْلَاجَتَانِ))

''ایک یا دو مرتبہ دودھ پلانا حرام نہیں کرتا۔''

[مسند احمد: ۳۳۹/۶، صحیح مسلم: ۱۴۵۱، سنن نسائی: ۳۳۱۰، سنن ابن ماجہ: ۱۹۴۰]

۳۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ بیان کرتی ہیں:

((كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ، ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُومَاتٍ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- وَهُنَّ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ))

''قرآن حکیم سے جو احکام نازل ہوئے ہیں (ان میں سے) دس مرتبہ دودھ

پلانا (رشتوں کو حرام) کرتا تھا۔ پھر دس مرتبہ دودھ پلانا، پانچ مرتبہ دودھ پلانے سے منسوخ ہو گیا اور یہ آیت ان آیت میں سے تھی، جس کی قرآن میں تلاوت کی جاتی تھی۔"

[صحیح مسلم: ۱۴۵۲، سنن أبو داؤد: ۲۰۶۲، جامع ترمذی: ۱۱۵۰، سنن نسائی: ۳۳۰۹، سنن ابن ماجه: ۱۹۴۲]

۴۔ سہلہ بنت سہل رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ جب انھوں نے سالم مولیٰ حذیفہ رضی اللہ عنہ کے متعلق نبی ﷺ سے سوال کیا کہ حکم حجاب کے بعد ان کے گھر میں ایک ساتھ رہنا محال ہے تو آپ ﷺ نے حکم دیا:

((أَرْضِعِيْهِ ، فَأَرْضَعَتْهُ خَمْسَ رَضَعَاتٍ، فَكَانَ بِمَنْزِلَةِ وَلَدِها مِنَ الرَّضَاعَةِ))

"تو اسے دودھ پلا، چنانچہ اس نے پانچ مرتبہ دودھ پلایا تو وہ اس کا رضاعی بیٹا بن گیا۔"

[مسند اسحق بن راهويه: ۷۰۶، سنن أبو داؤد: ۲۰۶۱] صحیح

فقہ الحدیث:

۱۔ ایک، دو، تین یا چار مرتبہ دودھ پلانے سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی اور نہ اتنی رضاعتوں سے کوئی تعلق و رشتہ قائم ہوتا ہے۔

۲۔ کم از کم پانچ مرتبہ دودھ پلانے سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے، امام ترمذی نے جامع ترمذی میں حدیث ۱۱۵۰، کے تحت اسی مؤقف کو قوی اور قرین صواب قرار دیا ہے اور عبداللہ بن مسعود، عائشہ، عبداللہ بن زبیر، عطاء، طاؤس، شافعی، احمد، ابن حزم اور اکثر محدثین اسی موقف کے قائل ہیں۔

[فقه السنه: ۲/ ۷۶]

بڑی عمر کے شخص کی رضاعت کا مسئلہ:

مدت رضاعت کا عام اطلاق دو سال سے کم عمر ہی میں ہوتا، لیکن کسی شدید مجبوری کے تحت مثلاً کسی فرد کا اہل خانہ سے ناگزیر تعلق اور اس کی رہائش اہل خانہ ہی سے وابستہ ہو، ایسی کسی شدید مجبوری کی صورت میں بڑی عمر کے شخص کو دودھ پلا کر رضاعی بیٹا بنانا اور پردہ کے شرعی احکام کی نافرمانی سے بچاؤ کی خاطر، رضاعت کے رشتے سے منسلک ہونا جائز و مباح ہے اور ایسی ہی سنگین صورت حال کے پیش نظر شریعت نے بڑی عمر کے شخص کی رضاعت کا جواز رکھا ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ابوحذیفہ کے آزاد کردہ غلام سالم ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل خانہ سمیت ان کے گھر میں رہائش پذیر تھے۔ چنانچہ سہلہ بنت سہیل (ابوحذیفہ کی بیوی) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی اور عرض کیا: سالم بلوغت کی عمر کو پہنچ چکا ہے اور عورتوں کی خفیہ باتوں کا علم رکھتا ہے۔ وہ ہمارے پاس داخل ہوتا ہے اور مجھے گمان ہے کہ اس (آمدورفت) سے ابوحذیفہ کے دل میں کچھ ناگواری ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کہا:

((أَرْضِعِيْهِ تَحْرُمِيْ عَلَيْهِ، وَ يَذْهَبِ الَّذِيْ فِيْ نَفْسِ أَبِيْ حُذَيْفَةَ فَرَجَعَتْ إِلَيْهِ فَقَالَتْ: إِنِّيْ قَدْ أَرْضَعْتُهُ ، فَذَهَبَ الَّذِيْ فِيْ نَفْسِ أَبِيْ حَذَيْفَةَ))

"اسے دودھ پلا وہ تجھ پر حرام ہو جائے گا اور ابوحذیفہ کی ناگواری ختم ہو جائے گی۔ پھر وہ دوبارہ آئی اور عرض کی: میں نے اسے دودھ پلا دیا ہے اور ابوحذیفہ کے شبہات دور ہو گئے ہیں۔"

[مسند احمد: ۲۰۱/۶، صحیح مسلم: ۱۴۵۳، سنن نسائی: ۳۳۲۵]

فقہ الحدیث:

یہ حدیث دلیل ہے کہ کسی اشد ضرورت کے تحت بڑی عمر کے شخص کو دودھ پلانا جائز

ہے اور اس سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: حدیث سہلہ نہ منسوخ ہے نہ مخصوص اور نہ ہر فرد کے حق میں عام ہے۔ بلکہ یہ ایسے شخص کے لیے بغرض ضرورت رخصت ہے، جس کا کسی عورت کے پاس حاضر ہوئے بغیر چارہ نہ ہو اور عورت کا ایسے شخص سے ہر وقت باپردہ رہنا مشکل ہو۔ جیسے سالم اور ابو حذیفہ کی بیوی کا معاملہ ہے، ایسے بڑی عمر کے شخص کو جب عورت دودھ پلا دے تو یہ رضاعت اثر انداز ہو گی۔ اس صورت کے علاوہ چھوٹی عمر (دو سال) ہی ہیں رضاعت مؤثر ہو گی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے، نیز وہ احادیث جن میں بڑی عمر کے افراد کو دودھ پلانے کی ممانعت ہے یا تو وہ احادیث مطلق ہیں، جن کی حدیث سہلہ سے تقیید ہو جائے گی یا عام ہیں، جن کی اس حدیث سے تخصیص ہو جائے گی۔ یہ موقف دعوی نسخ و تخصیص سے بہتر اور تمام احادیث پر عمل کے اعتبار سے زیادہ قرین صواب اور شرعی قواعد اس کی حقانیت پر شاہد ہیں۔ [زاد المعاد: ۵/ ۵۲۵]

رضاعت کے اثرات:

ثبوت رضاعت کے بعد بچے اور رضاعی والدہ کے درمیان حرمت کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے اور دودھ پلانے والی عورت بچے کی والدہ، اس کا شوہر اس کا والد، ان کی اولاد اس کے بہن بھائی اور ان کے دیگر قریبی رشتے مثلاً خالہ، پھوپھی، ماموں، چچا وغیرہ ویسے ہی حرام قرار پاتے ہیں، جیسے حقیقی والد اور والدہ کے قریبی محرم رشتہ دار ہوں۔ دلائل حسب ذیل ہیں:

اللہ تعالیٰ نسبی اور رضاعی رشتوں کی حرمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ ﴾ [النساء: ۴/ ۲۳]

"تم پر حرام کی گئی ہیں تمھاری مائیں اور تمھاری بیٹیاں اور تمھاری بہنیں اور تمھاری پھوپھیاں اور تمھاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمھاری وہ مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا ہے اور تمھاری رضاعی بہنیں۔"

فقہ الآیت:

یہ آیت دلیل ہے کہ نسب کی وجہ سے درج ذیل سات رشتے حرام قرار پائے ہیں:

① مائیں۔ ② بیٹیاں۔ ③ بہنیں۔ ④ پھوپھیاں۔ ⑤ خالائیں۔ ⑥ بھتیجیاں ⑥ بھانجیاں۔

نیز آیت کے ان الفاظ:

﴿وَأُمَّهَٰتُكُمُ ٱلَّٰتِيٓ أَرۡضَعۡنَكُمۡ﴾

کی تفسیر میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((كَمَا يَحْرُمُ عَلَيْكَ أُمُّكَ الَّتِيْ وَلَدَتْكَ ، كَذٰلِكَ يَحْرُمُ عَلَيْكَ أُمُّكَ الَّتِيْ أَرْضَعَتْكَ))

جس طرح تجھ پر تیری وہ ماں حرام ہے، جس نے تجھے جنا ہے، اسی طرح تجھ پر تیری وہ ماں بھی حرام ہے، جس نے تجھے دودھ پلایا ہے۔

[تفسیر ابن کثیر: ۱/۶۱۲]

نیز جیسے نسبی رشتے حرام ہیں ویسے ہی رضاعی رشتے بھی حرام ٹھہرتے ہیں۔

۱۔ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف فرما تھے کہ انھوں نے ایک آدمی کی آواز سنی جو حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر داخل ہونے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! یہ (اجنبی) شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت لے رہا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے خیال

میں یہ فلاں شخص یعنی حفصہ رضی اللہ عنہا کا رضاعی چچا ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: اگر فلاں آدمی (عائشہ رضی اللہ عنہا کا رضاعی چچا) زندہ ہوتا تو وہ میرے ہاں آسکتا تھا؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((نَعَمْ، الرَّضَاعَةُ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلاَدَةُ))

''رضاعت وہ رشتے حرام کرتی ہے جنھیں ولادت (نسب) حرام کرتی ہے۔''

[صحیح بخاری: ۵۰۹۹۔ صحیح مسلم: ۱۴۴۴]

۲۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ افلح نامی ان کے رضاعی چچا نے ان سے (گھر آنے کی) اجازت لی تو انھوں نے اس سے حجاب کر لیا اور اس کی خبر رسول اللہ ﷺ کو دی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((لاَ تَحْتَجِبِيْ مِنْهُ، فَإِنَّهُ يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ ، مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ))

اس سے پردہ مت کر، کیونکہ رضاعت سے وہ رشتے حرام قرار پاتے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہیں۔

[صحیح مسلم: ۱۴۴۵، سنن نسائی: ۳۳۰۴]

حرام رضاعی رشتوں کی تفصیل

① مائیں:

جس میں رضاعی والدہ، رضاعی والدہ کی ماں (نانی) رضاعی والد کی مائیں، دادیاں، پردادیاں اوپر تک۔

② بیٹیاں:

رضاعی بیٹیاں، پوتیاں، نواسیاں، پوتیوں کی نواسیوں کی بیٹیاں نیچے تک۔

③ بہنیں:

رضاعی بہنیں، تینوں قسم کی حقیقی، علاتی (رضاعی والد کی طرف) اخیافی (رضاعی والدہ کی طرف سے)

④ پھوپھیاں:

اس میں رضاعی والد، دادا اور نانا کی طرف سے تین قسموں کی بہنیں۔

⑤ خالائیں:

اس میں رضاعی والدہ، رضاعی نانی اور دادی کی تین قسموں کی بہنیں۔

⑥ بھتیجیاں:

اس میں تین قسم کے رضاعی بھائیوں کی بیٹیاں۔

⑦ بھانجیاں:

تین قسم کی رضاعی بہنوں کی بیٹیاں۔

اسی طرح عورت کا شوہر رضاعی بچے کا باپ، اس کے بھائی اس کے چچا اور رضاعی والدہ کے بھائی اس کے ماموں اور بیٹے اس کے بھائی بن جاتے ہیں۔

رضاعی والد اور چچا تایا:

رضاعی والد اور چچا تایا کا حکم بھی حقیقی والد اور چچا تایا کی طرح اور حرمت کے اعتبار سے ان رشتوں کا مقام و مرتبہ ایک جیسا ہے، لہٰذا جیسے سگے والد اور چچا تایا سے شرعی پردہ میں تخفیف ہے۔ ثبوت حرمت کی صورت میں رضاعی والد اور چچا تایا کا بھی یہی حکم ہے۔

۱۔ عروہ بن ہشام رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد ابو القعیس (عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی والد) کے بھائی افلح نے ان کے ہاں داخل ہونے کی اجازت طلب کی تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ کی قسم! میں افلح کو اس وقت تک گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دوں گی جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت نہ لے لوں، کیونکہ ابو القعیس نے مجھے دودھ نہیں پلایا، بلکہ مجھے تو اس کی بیوی نے دودھ پلایا ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ابو القعیس کے بھائی افلح میرے پاس آکر گھر آنے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔ تو میں نے اسے اجازت دینا ناپسند کیا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے لوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " اِئْذَنِيْ لَهَا " اسے اجازت دو۔" (یہ تیرے رضاعی چچا ہیں)۔ عروہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ اسی کو ملحوظ رکھتے ہوئے عائشہ رضی اللہ عنہا کہا کرتی تھیں کہ رضاعت کے ان رشتوں کو حرام قرار دو جنھیں نسب کی وجہ سے حرام قرار دیتے ہو۔

[صحیح بخاری: ۵۲۳۹، صحیح مسلم: ۱۴۴۵، سنن ابو داؤد: ۲۰۵۷، جامع

ترمذی: ۱۱۴۸، سنن نسائی: ۳۳۲۰، سنن ابن ماجہ: ۱۹۴۹]

۲۔ عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھیں بتایا کہ ان کے رضاعی چچا افلح نامی شخص نے ان سے گھر آنے کی اجازت طلب کی تو انھوں نے اس سے پردہ کرلیا۔ پھر انھوں نے اس واقعہ کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں فرمایا:

((لاَ تَحْتَجِبِیْ مِنْهُ، فَإِنَّهُ يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ ، مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ))

''اس سے پردہ مت کرو، کیونکہ رضاعت سے وہ رشتے حرام ٹھہرتے ہیں جو نسب سے حرام قرار پاتے ہیں۔''

[صحیح مسلم: ۱۴۴۵، سنن نسائی: ۳۳۰۳]

فقہ الحدیث:

۱۔ یہ احادیث دلیل ہیں کہ رضاعت کی وجہ سے وہ مذکر رشتے (یعنی باپ، چچا، تایا وغیرہ) حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ امام ابو داؤد اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یہ عنوان '' بَابُ لَبَنِ الْفَحْلِ '' مذکر کے دودھ کی حرمت رضاعت میں تاثیر کا باب قائم کر کے یہی مفہوم کشید کیا ہے۔

قاضی شوکانی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

((وَ حَدِيْثُ عَائِشَةَ فِیْ دُخُوْلِ أَفْلَحَ عَلَيْها فِيْهِ دَلِيْلٌ عَلَى ثُبُوْتِ حُكْمِ الرَّضَاعِ فِیْ حَقِّ زَوْجِ الْمُرْضِعَةِ وَ أَقَارِبُهُ كَالْمُرْضِعَةِ، وَ قَدْ ذَهَبَ إِلَى هذَا جَمْهُورُ أَهلِ الْعِلْمِ مِنَ الصَّحَابَهِ وَالتَّابِعِيْنَ وَ سَائِرِ الْعُلَمَآءِ))

افلح کو عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس داخلے کی اجازت والی حدیث دودھ پلانے والی عورت

کے خاوند کے حکم میں ثبوت رضاعت کے حکم کی دلیل ہے اور خاوند کے قریبی رشتہ دار (اس کے بھائی وغیرہ) دودھ پلانے والی عورت کی طرح حرام رشتہ دار ہیں۔

صحابہ و تابعین اور علماء میں سے جمہور علماء نے یہی موقف اختیار کیا ہے۔

[نیل الاوطار: ۳۸۲/۶]

حافظ عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

((فِيْهِ دَلِيْلٌ عَلَى أَنَّ لَبَنَ الْفَحْلِ يُحَرِّمُ حَتّٰى يَثْبُتَ الْحُرْمَةُ مِنْ جِهَةِ صَاحِبِ اللَّبَنِ، كَمَا ثَبَتَ مِنْ جَانِبِ الْمُرْضِعَةِ، فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَثْبَتَ عُمُوْمَةَ الرَّضَاعِ، وَ أَلْحَقَهَا بِالنَّسَبِ))

''گزشتہ حدیث دلیل ہے کہ مذکر کا دودھ حرام کرتا ہے اور دودھ پلانے والی عورت کے خاوند کی طرف سے ایسے ہی حرمت ثابت ہوتی ہے جیسے دودھ پلانے والی عورت کی طرف سے، کیونکہ نبی ﷺ نے رضاعی چچا کے رشتہ کو ثابت مانا اور اسے نسبی رشتہ داروں کے ساتھ ملایا ہے۔''

[تحفة الاحوذی: ۲۵۶/۴]

رضاعت کے اثرات:

رضاعت کی وجہ سے جو رضاعی رشتے قائم ہوتے ہیں، وہ تمام احکام میں حقیقی نسبی رشتہ داروں کے بدل نہیں ہوتے۔ بلکہ اس تعلق داری سے بس رشتوں کی باہمی حرمت ہی ثابت ہوتی ہے کہ رضاعی رشتہ داروں سے رَضیع (دودھ پینے والے) کا نکاح حرام ہوجاتا ہے۔ ان سے پردہ نہ کرنا، خلوت اختیار کرنا اور سفر وغیرہ کرنا یہ تعلق قائم ہوتا ہے۔ باقی ان رشتوں میں نہ تو وراثت قائم ہوتی ہے، نہ ان پر کسی کا خرچ لازم آتا ہے، نہ ملکیت میں آنے سے رضاعی رشتہ دار آزاد ہوں گے، نہ رضاعی بیٹے کی رضاعی والدہ کے حق میں گواہی رد ہوگی،

نہ رضاعی بیٹا رضاعی والدہ کی طرف سے دیت ادا کرے گا اور نہ رضاعی بیٹے کو قتل کرنے کی وجہ سے رضاعی والدہ سے قصاص کی حد ساقط ہوگی۔ ان معاملات میں یہ اجنبی لوگوں کی طرح ہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

((هَذِهِ الْأَحَادِيث مُتَّفِقَةٌ عَلَى ثُبُوتِ حُرْمَةِ الرَّضَاعِ، وَأَجْمَعَتِ الْأُمَّةُ عَلَى ثُبُوْتِهَا بَيْنَ الرَّضِيْعِ وَالْمُرْضِعَةِ، وَ أَنَّهُ يَصِيْرُ ابْنَهَا يَحْرُمُ عَلَيْهِ نِكَاحُهَا أَبَدًا، وَيَحِلُّ لَهُ النَّظَرُ إِلَيْهَا، وَالْخَلْوَةُ بِهَا وَالْمُسَافَرَةُ ، وَلَا يَتَرَتَّبُ عَلَيْهِ أَحْكَامُ الْأُمُومَةِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ، فَلَا يَتَوَارَثَانِ، وَلَا يَجِب عَلَى وَاحِدٍ مِنْهُمَا نَفَقَةُ الْآخَرِ ، وَلَا يُعْتَقُ عَلَيْهِ بِالْمِلْكِ، وَلَا تُرَدُّ شَهَادَتُهُ لَهَا وَلَا يَعْقِلُ عَنْهَا ، وَلَا يَسْقُطُ عَنْهَا الْقِصَاصُ بِقَتْلِهِ، فَهُمَا كَالْأَجْنَبِيَّيْنِ فِي هَذِهِ الْأَحْكَامِ))

[شرح النووی: ۱۰/۱۹]

"یہ احادیث حرمت رضاعت کے ثبوت پر متفقہ دلیل ہیں اور دودھ پینے والے بچے اور دودھ پلانے والی عورت کے درمیان حرمت قائم ہو جاتی ہے۔ اس پر امت کا اجماع ہے اور دودھ پینے والا بچہ رضاعی والدہ کا بیٹا بن جاتا ہے۔ اس پر رضاعی والدہ سے نکاح حرام ٹھہرتا ہے اور اس کا اسے دیکھنا، اس سے خلوت اختیار کرنا ، اور سفر کرنا جائز قرار پاتا ہے، لیکن اس کے لیے تمام پہلوؤں کے اعتبار سے حقیقی ماں کے تمام احکام لاگو نہیں ہوتے ، نہ تو وہ باہمی وارث بن سکتے ہیں، نہ ایک دوسرے پر خرچ لازم آتا ہے ، نہ ملکیت میں آنے سے رضاعی بیٹے

پر اسے آزاد کرنا لازم آتا ہے، نہ اس کی رضاعی والدہ کے حق میں شہادت رد کی جائے گی اور نہ رضاعی بچے کو قتل کرنے سے رضاعی والدہ سے قصاص ساقط ہوگا۔ ان احکام میں یہ اجنبی افراد کی طرح ہیں۔"

گائے بھینس یا مصنوعی دودھ نیڈو کے اثرات

ایک ہی گائے ، بھینس ، بکری یا ایک کمپنی کا خشک وتر دودھ مختلف بچے پئیں تو ان میں اخوت رضاعت قائم نہیں ہوتی، کیونکہ رضاعت کا تعلق انسانوں کے دودھ کے ساتھ ہے، کسی ایک عورت کا دودھ پینے والے بچوں ہی میں حرمت رضاعت قائم ہوتی ہے اور حرمت رضاعت کا تعلق انسانوں کے ساتھ خاص ہے، جانور وغیرہ کا دودھ رضاعت میں غیر مؤثر ہے۔

سعودی فتویٰ کمیٹی کا فتویٰ:

سوال کیا مصنوعی دودھ پینے والے تمام بچے آپس میں بھائی قرار پائیں گے، کیونکہ یہ ایک ہی دودھ شمار ہوتا ہے؟

جواب ایسا دودھ پینے سے ان میں اخوت کا رشتہ قائم نہ ہوگا، کیونکہ یہ اس رضاعت کے حکم میں نہیں جو شرعاً حرام کرتی ہے۔

[فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمیه: ۲۱/۱۸ :فتوی نمبر:۱۳۵۸۷]

دودھ کم آنے کی صورت میں متبادل دودھ پلانا:

اگر والدہ کو دودھ کم آتا ہو اور اس سے نومولود کی شکم سیری ناممکن ہو تو گائے، بھینس، بکری کا دودھ یا نیڈو وغیرہ پلانا جائز ومباح ہے اور اس میں چنداں حرج نہیں۔

سعودی فتویٰ کمیٹی کا فتویٰ:

سوال کیا والدہ کے لیے نومولود کو نیڈو یا کوئی متبادل دودھ پلانا جائز ہے، جب والدہ کا دودھ بچے کی غذا کے لیے ناکافی ہو؟

جواب والدہ کے اپنے بچے کو مصنوعی دودھ پلانے میں کوئی چیز مانع نہیں، لیکن ایسے دودھ سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

[فتاویٰ اللجنة الدائمة للبحوث العلمية: ۲۱/ ۱۹ فتویٰ نمبر: ۱۴۱۲۲]

ثبوت رضاعت کے لیے گواہی کا مسئلہ:

ثبوت رضاعت کے لیے عام معاملات کی طرح دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں، یا چار عورتوں کی گواہی مؤثر ہے، بشرطیکہ وہ نیک صالح، پابند شریعت اور فسق وجھوٹ سے پاک ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّ امْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ﴾ [البقرہ:۲/ ۲۸۲]

''اور اپنے مردوں میں سے دو گواہوں کو گواہ بناؤ، پھر اگر وہ دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں سے جنھیں تم پسند کرتے ہو (گواہ بنا لو) کہ دونوں (عورتوں میں) سے ایک بھول جائے تو ان میں سے ایک دوسری کو یاد کرا دے۔''

تفسیر الآیت:

اس آیت کی رو سے مالی معاملات سمیت ہر معاملے کے ثبوت کے لیے دو مرد گواہوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی لازم ہے، رضاعت کا مسئلہ بھی اسی قبیل سے ہے اور زیادہ حساس ہے۔ البتہ ثبوت رضاعت کے لیے ایسی اکیلی عورت کی گواہی کافی ہے، جس نے کسی بچے یا بچی کو دودھ پلایا ہو اور ثبوت رضاعت کے لیے ایسی اکیلی عورت کی گواہی کافی ومؤثر ہے۔

عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے ابو اہاب بن عزیز کی بیٹی سے شادی کی۔ پھر ایک عورت آئی اور اس نے کہا: میں نے عقبہ کو اور اس لڑکی کو جس سے انھوں نے

شادی کی ہے (دونوں کو) دودھ پلایا ہے۔ اس پر عقبہ نے اسے کہا: میرے علم میں نہیں ہے کہ تو نے مجھے دودھ پلایا ہے اور نہ تو نے مجھے یہ اطلاع دی ہے۔ پھر انھوں نے ابو اہاب کے اہل کی طرف قاصد بھیجا، وہ ان سے رضاعت کا مسئلہ جاننا چاہتے تھے تو انھوں (ابو اہاب کے اہل) نے کہا: ہمیں نہیں معلوم کہ اس عورت نے ہماری بچی کو دودھ پلایا ہو۔ پھر وہ نبی ﷺ کے پاس سوار ہو کر مدینہ آئے اور آپ ﷺ سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((كَيْفَ وَ قَدْ قِيْلَ ؟ فَفَارَقَها وَ نَكَحَتْ زَوْجًا غَيْرَه))

”(رشتہ رضاعت ثابت ہونے کے بعد) تم ایک ساتھ کیسے رہ سکتے ہو جب کہ (ثبوت رضاعت کے متعلق) بات کہی جا چکی ہے، چنانچہ انھوں نے اس عورت سے علیحدگی اختیار کر لی اور عورت نے ان کے علاوہ دوسرے شخص سے نکاح کر لیا۔“

[صحيح بخاري: ٢٦٤٠، سنن أبو داؤد : ٣٦٠٣، جامع ترمذي: ١١٥١، سنن نسائي: ٣٣٣٢]

فقہ الحدیث :

یہ حدیث دلیل ہے کہ ثبوت رضاعت کے لیے دودھ پلانے والی اکیلی عورت کی گواہی معتبر ہوگی۔ خواہ بچے کے والدین اور عزیز و اقارب اسے تسلیم نہ کریں۔

بیوی کا دودھ پینا اور رضاعت کا حکم :

خاوند کا اپنی بیوی کا دودھ پینا انتہائی قبیح فعل ہے، کیونکہ عورت کا دودھ بچے کی غذا ہے جو خاوند کو کسی طور پر زیبا نہیں۔ لیکن اگر کوئی یہ جسارت کر لے تو یہ میاں بیوی ہی رہیں گے۔ بیوی کا دودھ پینے سے خاوند کے لیے حرمت ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ رضاعت کی معتبر مدت جس میں حرمت ثابت ہوتی ہے، دو سال ہے اور چونکہ خاوند اس مدت سے گزر چکا ہے، لہٰذا بیوی کا دودھ پینے سے رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

سعودی فتویٰ کمیٹی کا فتویٰ:

سوال مفتیان کرام میں نے دو بچوں کو جنم دیا ہے، میں دوسرے بچے کو دودھ پلا رہی تھی کہ میرے خاوند نے میرے ہاتھوں کو میری پشت سے باندھا اور میرے دوسرے پستان سے زبردستی دودھ پینا شروع کر دیا۔ چار ماہ سے اس نے میرا دودھ پینے کو معمول بنا رکھا ہے اور مجھ پر یہ واضح کیا ہے کہ تم میری ماں کی مثل ہو، اس کے بعد میری اپنے میکے والوں سے ملاقات ہوئی تو میں نے انھیں اپنے خاوند کے دودھ پینے کی خبر دی۔ اس کا یہ فعل حلال ہے یا حرام؟ اور اس کے دودھ پینے کا کیا حکم ہے؟

جواب تمھارے خاوند کا یہ فعل ناجائز ہے۔ اس پر لازم ہے کہ وہ یہ فعل ترک کر دے اور اس کا دوبارہ مرتکب نہ ہو، لیکن وہ تجھ پر حرام نہیں ہوا، کیونکہ وہ رضاعت جس سے حرمت ثابت ہوتی ہے، وہ دو سال کی مدت میں ہے، کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

((إِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ))

”رضاعت تو بھوک مٹانے کی عمر میں ہے۔“

[مسند أحمد: ۹۴/۶، صحیح بخاری: ۵۱۰۲، صحیح مسلم: ۱۴۵۵، نسائی: ۳۳۱۴، سنن ابن ماجہ: ۱۹۴۵]

نیز آپ ﷺ نے فرمایا: ((لَا يُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ إِلَّا مَا فَتَقَ الْأَمْعَاءَ ، وَ كَانَ قَبْلَ الْفِطَامِ))

”صرف وہی رضاعت رشتوں کو حرام کرتی ہے، جو (رضاعت کی مدت) میں انتڑیاں کھولے اور دودھ چھڑانے سے پہلے ہو۔“

[مسند اسحق بن راھویہ: ۱۸۸۷، جامع ترمذی: ۱۱۵۲، السنن الکبریٰ للنسائی: ۳/۳۰۱: ۵۴۶۲] صحیح

ان دلائل کی رو سے تو اپنے خاوند پر حرام قرار نہیں پاتی اور تیرے خاوند کا تجھے یہ کہنا

کہ میری ماں کی مثل ہے، اگر اس سے مقصود یہ ہو کہ رضاعت قائم ہو چکی ہے، اس کا یہ کہنا صحیح نہیں اور اگر اس قول سے مقصود ظہار ہے تو اس پر درج ذیل کفارہ واجب ہوگا۔

① گردن آزاد کرنا۔

② اگر اس کی طاقت نہ رکھے تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا۔

③ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ﴾ [المجادلہ:۵۸/۳،۴]

''اور وہ لوگ جو اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، پھر اس سے رجوع کر لیتے ہیں جو انھوں نے کہا، تو (اس کا کفارہ) ایک گردن آزاد کرنا ہے، اس سے پہلے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو چھوئیں، یہ (کفارہ) ہے جس کی تم نصیحت کیے جاتے ہو اور اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو اس سے پوری طرح آگاہ ہے۔ پھر جو شخص (یہ کفارہ) نہ پائے تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے، ایک دوسرے کو چھونے سے پہلے، پھر جو اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا ہے۔ یہ اس لیے کہ تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مطیع بن جاؤ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور انکار کرنے والوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

[فتاوىٰ اللجنة الدائمة للبحوث العلمية: ۲۱/۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳/ فتوىٰ نمبر: ۱۸۸۹۹]

دورانِ رضاعت حفاظتی تدابیر اور مفید مشورے

تین ماہ سے کم عمر بچے کو اٹھانا اور کھلانا:

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: نومولود کو تین ماہ سے پہلے اٹھانا اور اچھالنا کدوانا مناسب نہیں، کیونکہ اس مدت میں اس کا بدن اور اعضاء کمزور ہوتے ہیں۔

[تحفة المودود: ص ۲۴۹]

لہٰذا اس مدت میں نومولود کو زیادہ تر بستر یا جھولے ہی میں کھیلنے دیا جائے اور جب اس مدت سے تجاوز کرے تو اسے اٹھایا اور کھلایا جائے۔

دانت نکلنے تک دودھ پر اکتفا کیا جائے:

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: بہتر ہے کہ نومولود کے دانت نکلنے تک اسے صرف دودھ مہیا کیا جائے، کیونکہ اس مدت میں اس کا معدہ کمزور ہوتا ہے اور خوراک ہضم کرنے کی قوت کم ہوتی ہے۔ جب دانت نکل آئیں تو معدہ قوی ہوجاتا ہے اور خوراک کو ہضم کرلیتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و مہربانی کی وجہ سے بچے کے دانتوں کا خوراک کی ضرورت تک اگانا مؤخر کیا ہے اور اس تاخیر میں والدہ کے ساتھ شفقت بھی ہے کہ اس کے پستان نرم ہوتے ہیں کہ بچہ اسے دانتوں سے کاٹ نہ سکے۔ (اور وہ اس مدت میں آسانی سے بچے کو دودھ پلا لے)۔

[تحفة المودود، ص: ۲۴۹]

خوراک کی ترتیب:

بچے کے دانت نکل آئیں تو اسے دودھ کے ساتھ ساتھ نرم غذا بھی شروع کر دینی چاہیے۔ چنانچہ انھیں (سری لیک) کیک یا رس وغیرہ دودھ میں بھگو کر کھلائے جائیں، اس کے بعد پکی ہوئی دیگر اشیاء اور خالی شوربا دیا جائے، پھر خوب ابلا ہوا گوشت دیا جائے۔
[تحفة المودود، ص:۲۴۹، ۲۵۰]

بولنے کی عمر میں ضروری ہدایات:

جب بچے بولنے کی عمر کو پہنچیں اور انھیں گفتگو کرنے میں سہولت پہنچانا مقصود ہو تو ان کی زبان پر شہد، گرم پانی اور اندرانی نمک ملا جائے، کیونکہ یہ چیزیں وہ ثقیل رطوبات، جو بولنے سے مانع ہیں، انھیں زائل کر دیتی ہیں۔ پھر جب وہ بولنا شروع کریں تو انھیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ کہنے کی تلقین کریں اور پہلی چیز جو ان کی سماعت سے ٹکرائے وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس کی توحید کی باتیں ہوں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے، وہ انھیں دیکھتا اور ان کی گفتگو سنتا ہے اور وہ جہاں ہوں اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے۔ بنی اسرائیل کے لوگ اپنے بچوں کا زیادہ تر نام ''عمانویل'' (یعنی اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے) رکھتے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ترین نام عبداللہ اور عبدالرحمن ہے، کیونکہ بچہ جب ان ناموں کو یاد کر لے اور مفہوم سمجھ لے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ کا بندہ اور اللہ تعالیٰ اس کا مالک ہے۔ [تحفة المودود، ص:۲۵۰]

دانت نکلتے وقت کی احتیاطی تدابیر:

جب بچے کے دانت نکلنا شروع ہوں تو روزانہ اس کے مسوڑھوں پر مکھن اور دیسی گھی ملا جائے اور دانت نکلنے کے وقت سے لے کر دانتوں کے مکمل نکلنے اور مضبوط ہونے تک اسے سخت خوراک نہ دی جائے، کیونکہ اس عرصہ میں سخت چیزیں دانتوں میں بگاڑ، ٹیڑھا پن

اور فاصلہ کر دیتی ہیں۔ [تحفۃ المودود، ص:۲۵۰]

بچے کا بھوک سے رونا:

یقیناً بچے کا رونا اور چیخنا والدین پر بڑا شاق گزرتا ہے، بالخصوص بھوک کے وقت دودھ پینے کی وجہ سے بچے کا رونا بڑا تکلیف دہ مرحلہ ہوتا ہے۔ لیکن اس حالت میں بچے کا رونا اس کے لیے نہایت مفید ہے، کیونکہ اس سے اس کے اعضاء نمو پاتے، آنتوں میں وسعت پیدا ہوتی، سینہ کشادہ ہوتا، دماغ مضبوط ہوتا، مزاج میں پختگی آتی، حرارت غزیریہ بڑھتی اور فاضل مادوں کو دور کرنے کی تحریک پیدا ہوتی ہے اور دماغ کے فاضل مادے رینٹ اور آلائش کی شکل میں خارج ہوتے ہیں۔ [تحفۃ المودود، ص:۲۵۱]

جسمانی طور پر مضبوط ہونے کے بعد بچے کو بٹھانے اور چلانے کی مشق کی جائے:

بچوں کو کپڑوں ہی میں لپیٹ کر رکھنا چاہیے۔ تاوقتیکہ اس کی ہڈیاں مضبوط اور جسم سخت ہو جائے اور وہ زمین پر بیٹھنے لگے۔ جب وہ بیٹھنے کے قابل ہو جائے تو اسے تھوڑی تھوڑی حرکت کی مشق کرائی جائے اور تھوڑا تھوڑا چلایا جائے۔ حتیٰ کہ اس میں از خود چلنے کی قوت پیدا ہو جائے اور وہ خود چلنے لگے۔ [تحفۃ المودود، ص:۲۵۱]

بچوں کو خوفناک مناظر اور ڈراؤنی آوازوں سے دور رکھا جائے:

نونہالوں کو سخت ڈراؤنی آوازوں، وحشت ناک مناظر اور بھیانک حرکات سے بچانا لازم ہے۔ کیونکہ ایسی ہولناک چیزیں بعض اوقات بچوں کی قوت عقل کو خراب کر دیتی ہیں اور کم سنی میں اس کا ازالہ ناممکن ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اگر ایسی صورت حال پیش آئے تو فوراً اس کا ازالہ کیا جائے اور لاڈ پیار کے ذریعے ایسی بھیانک صورت کو بھلانے کی کوشش کرنی چاہیے، والدہ بچے کو فوراً دودھ پلانا شروع کر دے تاکہ یہ وحشت اس کے ذہن سے مٹ جائے اور اس کے ذہن میں ایسی صورت منقش نہ ہو کہ اس کا ازالہ مشکل ہو جائے۔

چنانچہ میٹھی لوریاں دے کر اسے سلا دینا چاہیے تاکہ وہ اس خوفناک حرکت کو بھول جائے۔ ایسی ہولناک صورت کو طاری نہیں رہنا دینا چاہیے، کیونکہ اس سے خوف وگھبراہٹ بچے کے دل میں گھر کر سکتا ہے، پھر مستقبل میں اس گھبراہٹ کا زوال مشکل ہو جائے گا اور وہ اس گھبراہٹ اور خوف کے سائے میں پلے بڑھے گا۔ یہ صورت حال اس کے لیے انتہائی نقصان دہ ہو سکتی ہے۔

دانت نکلنے کی عمر میں پیش آمدہ امراض:

دانت نکلنے کی مدت میں نومولود کی طبیعت بگڑ جاتی ہے اور وہ قے آوری اور بخار کا شکار ہو کر سڑیل ہو جاتا ہے۔ بالخصوص جب دانت سخت سردی یا سخت گرمی میں نکلیں تو یہ امراض زوروں پر ہوتے ہیں دانت نکلنے کا بہترین وقت موسم بہار اور موسم خزاں ہے اور دانت نکلنے کی عمدہ ترین عمر سات ماہ ہے، لیکن دانت کبھی پانچ ماہ کے بعد اور کبھی دس ماہ کی عمر میں نکلتے ہیں۔ دانت اگنے کی عمر میں نونہال کی خاص نگہداشت کرنا، اسے گرم حمام میں اکثر داخل کرنا چاہیے، ہلکی پھلکی غذا دینی چاہیے اور اسے پیٹ بھر کر خوراک نہ دی جائے۔

بعض اوقات اس عرصہ میں بچوں کو پوٹیاں لگ جاتی ہیں، اس صورت میں اسے روئی کا لنگوٹ (یا پیمپر وغیرہ) باندھنا چاہیے اور اس کے مسوڑھوں پر مکھن اور دیسی گھی ملنا چاہیے نیز اس مدت میں بچے کو پوٹیاں لگنا قبض پڑنے سے بہتر ہے۔ اس عرصہ میں اگر بچے کو قبض ہو تو اسے فوراً مسہل وملین چیزیں دینی چاہئیں۔ اس وقت قبض بچے کے لیے سخت نقصان دہ ہے اور نرم پاخانہ آنا نہایت مفید ہے۔ بہترین چیز جو پیٹ کو نرم کرتی ہے وہ گرم کیا ہوا شہد ہے۔ اس کی بتیاں بنا کر استعمال کی جائیں یا پودینہ کے سفوف کا شہد میں معجون بنا کر استعمال کرایا جائے۔ نیز والدہ پر لازم ہے کہ وہ اس مدت میں نرم خوراک استعمال کرے اور ایسی چیزوں سے اجتناب کرے جو نومولود کے لیے مضرت رساں ہو۔ [تحفۃ المودود، ص:۲۵۲]

دودھ چھڑانے کا بہترین وقت :

جب موسم گرما اور موسم سرما معتدل حالت میں ہوں، نومولود کے دانت اور داڑھیں اُگ چکی ہوں اور وہ خوراک چبانے پر قادر ہو تو یہ وقت اور عمر بچے کو دودھ چھڑانا بہترین وقت ہے۔ نیز اس سے بھی عمدہ ترین وقت موسم خزاں ہے، کیونکہ خزاں میں موسم سرما کی آمد اور ہوا سرد ہوتی اور موسم میں حرارت غزیریہ بڑھتی، قوت ہاضمہ میں اضافہ ہوتا اور کھانے کی خواہش پروان چڑھتی ہے۔ [تحفۃ المودود، ص: ۲۵۳]

دودھ چھڑانے کا طریقہ کار :

ماں کے لیے لازم ہے کہ وہ نومولود کو ایک دم دودھ نہ چھڑائے بلکہ آہستہ آہستہ اسے دودھ چھڑانے کا عادی بنائے، کیونکہ ایک دم کسی عادت اور الفت سے محروم کرنے میں نقصان کا خطرہ ہے اور اس سے بچے کی طبیعت پر منفی اثرات پڑ سکتے ہیں۔

[تحفۃ المودود، ص: ۲۰۳]

کم خوراکی بہتر نشوونما کا باعث :

بچوں کو پیٹ بھر کر خوراک دینا اور انھیں زیادہ کھلانا پلانا ان کی صحت ونشوونما کے لیے نقصان دہ ہے۔ انھیں کم خوراک دینا اور شکم سیری سے کچھ کم خوراک دینا ان کی صحت ونمو کے لیے نہایت مفید ہے۔ کیونکہ اس سے ان کا ہاضمہ بہتر ہوتا، اخلاط میں اعتدال پیدا ہوتا، بدن میں فاضل مادے کم ہوتے، صحت اچھی ہوتی اور جسم میں فاضل مادوں کی قلت کی وجہ سے امراض کم ہوتے ہیں۔

ایک حکیم کا قول ہے کہ وہ لوگ قابل تعریف ہیں جو بچوں کو سیر ہونے سے کم خوراک دیتے ہیں۔ اس عمل سے بچوں کے قد لمبے ہوتے، جسمانی ساخت بہتر ہوتی ہے اور ان میں جوڑوں کا درد اور دل کی تکلیف کے امراض کم ہوتے ہیں۔

''اگر آپ پسند کرتے ہیں کہ بچہ جسمانی ساخت اور قد کاٹھ کے لحاظ سے جاذب نظر ہو اور وہ کبڑے پن کا شکار نہ ہو تو اسے بسیار خوری و شکم سیری سے بچایئے۔ کیونکہ جب وہ شکم سیر ہو گا تو اس کی نیند میں اضافہ ہوتا، اعضاء ڈھیلے ہو جاتے اور پیٹ میں گیس اور فاسد ریاح پیدا ہوتی ہے۔(جن سے کئی امراض جنم لیتے ہیں)۔'' [تحفة المودود، ص:۲۵۴]

نونہالوں کے لیے ٹھنڈے پانی کا استعمال:

حکیم جالینوس کہتے ہیں: میں نونہالوں کو ٹھنڈا پانی پینے سے بالکل منع نہیں کرتا بلکہ کھانے کے آخر میں اور موسم گرما میں جب بچے پانی کی ضرورت محسوس کریں، ٹھنڈے پانی کے استعمال کی اجازت دیتا ہوں۔ میں (حافظ ابن قیم) کہتا ہوں، نونہالوں کو ٹھنڈا مشروب دینا اس لیے درست ہے کہ ان میں حرارت غزیریہ قوی ہوتی ہے۔ موسم گرما اور کھانے کے آخر میں ٹھنڈا پانی ان کے لیے نقصان دہ نہیں البتہ حرارت غزیریہ کے غلبہ کی وجہ سے چونکہ انھیں پیاس تھوڑی لگتی ہے اس لیے مناسب مقدار میں انھیں پانی پلایا جائے۔

[تحفة المودود، ص:۲۵۴، ۲۵۵]

بچے کو چلانے میں احتیاط کریں:

بچے کو قبل از وقت چلانے سے گریز کریں۔ کیونکہ ٹانگوں کی کمزوری کی وجہ سے ٹانگوں میں ٹیڑھ اور کجی پیدا ہو سکتی ہے۔ نیز ضروری عوارض مثلاً قے، نیند، کھانے پینے، چھینکنے اور پیشاب وغیرہ سے بچوں کو بالکل نہ روکیں، کیونکہ ان عوارض کے روکنے سے بچوں اور بڑوں میں کئی ضرر رساں امراض جنم لے سکتے ہیں۔

[تحفة المودود:ص:۲۵۵]

مدت رضاعت میں مرضعہ سے مباشرت:

دودھ پلانے کی مدت میں دودھ پلانے والی عورت سے اس کا خاوند ہم بستری کر سکتا ہے، اس مدت میں مباشرت سے مرضعہ کے دودھ میں ضرر رساں مادے پیدا نہیں ہوتے اور نہ ایسا دودھ نونہال کی صحت پر برے اثرات چھوڑتا ہے۔

۱۔ جدامہ بنت وہب اسدیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ میں کچھ لوگوں کی معیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرما رہے تھے:

((لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَنْهى عَنِ الْغِيْلَةِ ، فَنَظَرْتُ فِي الرُّوْمِ وَ فَارِسَ، فَإِذَا هُمْ يُغِيْلُوْنَ أَوْلَادَهُمْ، فَلاَ يَضُرُّ أَوْلَادَهُمْ ذٰلِكَ شَيْئًا))

''بالتحقیق میں نے ارادہ کیا کہ میں غیلہ (مدت رضاعت میں بیوی سے ہم بستری کرنا) سے روک دوں ۔ پھر میں نے روم و فارس کا جائزہ لیا تو وہ اپنی اولاد کو غیلہ کا دودھ پلاتے ہیں لیکن یہ عمل ان کی اولاد کو کچھ بھی نقصان نہیں دیتا۔''

[صحیح مسلم:۱۴۴۳، سنن ابو داؤد:۳۸۸۲، جامع ترمذی:۲۰۸۶، سنن نسائی، ۳۳۲۶، سنن ابن ماجہ: ۲۰۱۱]

۲۔ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: میں اپنی بیوی سے عزل (بیوی سے مباشرت کے دوران انزال کے وقت بیوی سے الگ ہونا) کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پوچھا: تم یہ کام کیوں کرتے ہو؟ اس آدمی نے عرض کیا: میں اس کے بچے کے متعلق خوف زدہ ہوں (اس کا دودھ بچے کی صحت کے لیے نقصان دہ نہ ہو) اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَوْ كَانَ ذٰلِكَ ضَارًّا ضَرَّ فَارِسَ وَالرُّوْمَ))

''اگر یہ عمل نقصان دہ ہوتا تو فارس و روم کو نقصان دیتا۔''

اور زبیر سے مروی روایت میں ہے اگر اس لیے عزل کرتے ہو، تو عزل نہ کرو کیونکہ اس عمل نے فارس و روم کو نقصان نہیں پہنچایا۔ [صحیح مسلم:۱۴۴۳]

فقہ الحدیث:

غیلہ کی تعریف میں امام مالک رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ دودھ پلانے کی مدت میں بیوی سے مباشرت کرنے کو غیلہ کہا جاتا ہے۔ [سنن أبو داؤد:۳۸۸۲، جامع ترمذی:۲۰۷۷]

۳۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں اہل عرب غیلہ سے احتراز کرتے اور یہ گمان رکھتے تھے کہ ایسا دودھ نومولود کے لیے ضرر رساں ہے اور عرب میں یہ نظریہ زبان زد عام تھا۔ چنانچہ اس تو ہم کو مدنظر رکھتے ہوئے نبی ﷺ نے اس کام سے روکنے کا ارادہ کیا۔ پھر آپ ﷺ نے فارس و روم کا جائزہ لیا، وہ یہ عمل کرتے اور اس کی ذرا پروانہ کرتے اور ان کی اولاد کو اس سے کوئی نقصان بھی نہ ہوتا تھا، اس لیے آپ ﷺ نے امت کو اس عمل سے نہ روکا۔ [تحفة الأحوذی:۲۰۷/۶]

۴۔ امام نووی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں کہ اطباء حضرات کہا کرتے تھے کہ غیلہ والا دودھ بیماری ہے، عرب اسے مکروہ خیال کرتے اور اس سے اجتناب کرتے تھے، لیکن اس حدیث میں اس عمل کے جواز کا بیان ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے اس فعل سے منع نہیں کیا اور منع نہ کرنے کا سبب بیان کر دیا۔ [شرح النووی:۱۶/۱۰]

۵۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ جب مرضعہ حاملہ ہو جائے تو زیادہ محتاط پہلو یہ ہے کہ بچے کو حاملہ کا دودھ نہ پلایا جائے، بلکہ کسی دایہ کا بندوبست کر لیا جائے (یا متبادل گائے، بھینس وغیرہ کا دودھ شروع کر دیا جائے۔ [تحفة المولود:ص:۲۵۷]

نیز جس روایت میں بیان ہے کہ غیلہ بچوں کی صحت پر مضر اثرات چھوڑتا ہے، وہ ضعیف و ناقابل احتجاج ہے۔ اسماء بنت یزید بن سکن رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

 ((لَا تَقْتُلُوْا أَوْلَادَكُمْ سِرًّا، فَإِنَّ الْغَيْلَ يُدْرِكُ الْفَارِسَ فَيُدَ

عَشِرُہ عَنْ فَرَسِہٖ))

''اپنی اولاد کا خفیہ قتل نہ کرو، کیونکہ غیلہ کے اثرات گھڑسوار تک پہنچتے ہیں اور اسے اس کے گھوڑے سے گرا دیتے ہیں۔''

[مسند احمد: ۴۵۳/۶، سنن أبو داؤد: ۳۸۸۱، سنن ابن ماجه: ۲۰۱۲، طبرانی کبیر: ۲۰۴۸۴، مسند الشامیین: ۱۴۲۵، سنن بیهقی: ۴۶۴/۷] ضعیف۔ مہاجر بن ابی سلمہ انصاری مجہول ہے۔

دودھ پلائی کا بہترین معاوضہ:

دودھ پلائی کا معاوضہ اپنی استطاعت کے مطابق ادا کرنا ہی چاہیے، لیکن جو چیز دودھ پلائی کا پورا حق ادا کرتی ہے وہ دایہ کو دودھ پلائی کے مدت کے بعد ایک غلام یا لونڈی فراہم کرنا ہے، اس اجرت سے حق رضاعت ادا ہو جاتا ہے۔ حجاج بن مالک بن عویمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا:

((یَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا یُذْهِبُ عَنِّیْ مَذَمَّةَ الرَّضَاعَةِ ؟ قَالَ : اَلْغُرَّةُ الْعَبْدُ أَوِالْأَمَةُ))

''اے اللہ کے رسول ﷺ کون سی چیز میری طرف سے دودھ پلائی کا حق ادا کرے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا (دایہ کو) غلام یا لونڈی دینا۔''

[مسند احمد: ۴۵۰/۳، سنن أبو داؤد: ۲۰۶۴، جامع ترمذی: ۱۱۵۳، سنن نسائی: ۳۳۲۹] حسنٌ۔ حجاج بن حجاج اسلمی صدوق اور ان کے والد صحابی ہیں۔

نسب کا بیان

شرعی نکاح سے پیدا ہونے والی اولاد:

شرعی نکاح سے پیدا ہونے والی اولاد حقیقی والد کی طرف منسوب ہو گی، آغاز انسانیت ہی سے ایسے نسب کو معتبر اور صحیح قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ شادی شدہ جوڑے سے پیدا ہونے والی اولاد کے نسب میں کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا جب تک عورت کے زنا اور بدکاری کے واضح ثبوت نہ مل جائیں اور میاں بیوی میں لعان ثابت نہ ہو۔ شریعت اسلامیہ میں صحیح النسب وہی اولاد ہو گی جو ایسے جوڑے سے پیدا ہو، جس کا نکاح شرعی اصولوں کے مطابق ہو، یعنی زوجین کے ایجاب و قبول کے ساتھ لڑکی کے ولی کی اجازت بھی شامل ہو۔ دیگر جاہلی اور فاسد نکاحوں سے پیدا ہونے والی اولاد کا نسب مشکوک ہو گا اور اسے صحیح النسب قرار دینا محل نظر ہے۔ اس کی دلیل آئندہ حدیث ہے، ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں کہ دور جاہلیت میں نکاح کی چار اقسام تھیں۔

① نکاح کی پہلی قسم موجودہ نکاح کے موافق تھی کہ ایک مرد کسی مرد کی طرف اس کی لڑکی یا زیر پرورش لڑکی کے نکاح کا پیغام بھیجتا، اسے حق مہر ادا کرتا، پھر اسے زوجیت میں لے لیتا۔

② نکاح کی دوسری قسم یہ تھی کہ خاوند اپنی بیوی کو جب وہ حیض سے پاک ہو جاتی حکم دیتا کہ فلاں شخص کے پاس جا کر اس سے نطفہ حاصل کرو۔ اس مدت میں خاوند اپنی بیوی سے

الگ رہتا اور اس سے مباشرت نہ کرتا حتیٰ کہ مذکورہ آدمی جس سے عورت کے لیے نطفہ حاصل کیا ہوتا سے حمل ظاہر ہو جاتا۔ چنانچہ حمل کے واضح ہونے کے بعد خاوند چاہتا تو اپنی بیوی سے مجامعت کر لیتا، یہ کام وہ محض اولاد کی اعلیٰ نسبی اور شرافت کے لیے کرتا تھا، اسے نکاح استبضاع (اولاد کے شریف نسب ہونے کے لیے کسی اعلیٰ قوم کے مرد سے نطفہ حاصل کرنا) کہا جاتا۔

③ نکاح کی تیسری قسم یہ تھی کہ دس سے کم افراد پر مشتمل مردوں کا ایک گروہ کسی عورت کے پاس حاضر ہوتا، یہ تمام افراد اس سے مباشرت کرتے۔ پھر جب وہ حاملہ ہو جاتی اور بچے کو جنم دے لیتی تو وضع حمل سے کچھ دنوں کے بعد وہ ان افراد کی طرف پیغام بھیجتی، ان میں سے کسی بھی فرد کو اس سے انکار ممکن نہ ہوتا تھا۔ وہ اس عورت کے پاس اکٹھے ہوتے تو وہ انھیں کہتی: تمھیں اس بچے کی پیدائش کا سبب تو معلوم ہی ہے، میں اس بچے کو جنم دے چکی ہوں اور اے فلاں شخص! یہ تیرا بیٹا ہے، وہ جسے پسند کرتی اس کا نام لیتی اور بچہ اس کے تابع ہو جاتا۔

④ نکاح کی چوتھی قسم یہ تھی کہ بہت سے لوگ کسی عورت کے پاس جاتے، وہ آنے والے کسی مرد کو روکتی نہ تھی۔ یہ رنڈیاں تھیں جنھوں نے اپنے دروازوں پر جھنڈے نصب کر رکھے تھے جو ان کے بدکار ہونے کی علامت تھی، چنانچہ جو شخص ان کے پاس جانا چاہتا وہ ان کے پاس جا سکتا تھا۔ پھر جب وہ حاملہ ہو جاتی اور بچے کو جنم دے لیتی تو ان افراد کو جمع کیا جاتا اور قیافہ شناس کو بلاتے، پھر اس بچے کو اس شخص کے تابع کر دیتے جس سے اس کی مشابہت ملتی۔ وہ بچہ اس کے نسب میں داخل ہو جاتا اور اسے اس کا بیٹا قرار دیا جاتا، وہ اس سے انکار نہ کر سکتا تھا۔

((فَلَمَّا بُعِثَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَقِّ، هدَمَ نِكَاحَ

الْجَاهِلِيَّةِ ، إِلاَّ نِكَاحَ النَّاسِ الْيَوْمَ))

''پھر جب محمد ﷺ دین حق کے ساتھ مبعوث ہوئے تو آپ ﷺ نے موجودہ شرعی نکاح کے علاوہ جاہلیت کے تمام نکاح کالعدم قرار دے دیے۔''

[صحیح بخاری:۵۱۲۷، سنن أبوداؤد:۲۲۷۲]

بچہ اسی کا ہے جس کے گھر میں پیدا ہو:

بیوی یا زیر ملکیت لونڈی سے پیدا ہونے والا بچہ خاوند اور مالک ہی کا تصور ہوگا، جب تک زنا کے واضح ثبوت مہیا نہ ہوں اور خاوند بیوی کا جنسی ملاپ ثابت ہو اور خاوند بیوی کے ملاپ کے بعد حمل کا کم از کم عرصہ چھ ماہ ہو۔ اس صورت میں پیدا ہونے والا بچہ خاوند ہی کی طرف منسوب ہوگا اور کوئی زانی شخص ایسے بچے کا دعویدار ہو تو اسے محروم کیا جائے گا اور ثبوت زنا کے بعد اس پر حد زنا نافذ ہوگی۔

۱۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ، وَ لِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ))

''بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوگا اور زانی کے لیے محرومی ہے۔(اسے بچہ پر کوئی اختیار نہیں)۔''

[صحیح بخاری:٦٨١٨، صحیح مسلم:١٤٥٨، جامع ترمذی:١١٥٧، سنن نسائی:٣٤٨٢، سنن ابن ماجہ:٢٠٠٦]

۲۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ بیان کرتی ہیں:

((اخْتَصَمَ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ وَعَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ فِي غُلَامٍ، فَقَالَ سَعْدٌ : هَذَا يَا رَسُولَ اللهِ ابْنُ أَخِي عُتْبَةَ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَهِدَ إِلَيَّ أَنَّهُ ابْنُهُ، انْظُرْ إِلَى شَبَهِهِ، وَقَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ : هَذَا أَخِي يَا

رَسُولَ اللهِ ، وُلِدَ عَلَى فِرَاشِ أَبِي مِنْ وَلِيدَتِهِ، فَنَظَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى شَبَهِهِ، فَرَأَى شَبَهًا بَيِّنًا بِعُتْبَةَ ، فَقَالَ : هُوَ لَكَ يَا عَبْدَ بْنَ زَمْعَةَ ، الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ، وَاحْتَجِبِي مِنْهُ يَا سَوْدَةُ بِنْتَ زَمْعَةَ قَالَتْ : فَلَمْ يَرَ سَوْدَةَ قَطُّ))

''سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ بن زمعہ کا ایک بچے کے معاملہ میں جھگڑا ہو گیا تو سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ میرے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کا بیٹا ہے۔ انھوں نے مجھے وصیت کی ہے کہ یہ ان کا بیٹا ہے (لہٰذا تم اس کے ذمہ دار ہو) آپ ﷺ اس کی شکل و مشابہت دیکھ لیجیے اور عبد بن زمعہ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ میرا بھائی ہے۔ یہ میرے باپ کے بستر پر ان کی لونڈی سے پیدا ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بچے کی صورت دیکھی تو وہ عتبہ بن ابی وقاص کے واضح مشابہ تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عبد بن زمعہ! تم اس کے مستحق ہو، بچہ بستر والے کا ہے اور زانی کے لیے محرومی ہے۔ اے سودہ بنت زمعہ! اس سے پردہ کرو۔ عائشہ ﷺ بیان کرتی ہیں کہ پھر اس نے سودہ رضی اللہ عنہا کو عمر بھر نہ دیکھا۔''

[صحیح بخاری:٦٧٦٥، صحیح مسلم:١٤٥٧]

فقہ الحدیث:

'' اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ '' کا مفہوم یہ ہے کہ جب کسی آدمی کے اپنی بیوی یا لونڈی سے جنسی تعلقات قائم ہو جائیں اور ولادت کی امکانی مدت کے بعد بچہ پیدا ہو تو ایسا بچہ اس آدمی کے تابع کیا جائے گا اور اس بچے اور اس کے والد کے درمیان وراثت سمیت دیگر حقوق قائم ہوں گے۔ خواہ بچے کی شباھت اس مرد سے ملتی ہو یا نہ ملتی ہو، ولادت کی امکانی مدت میاں

بیوی کے ملاپ کے بعد چھ ماہ ہے۔ زیر ملکیت لونڈی سے تو مباشرت قائم ہونے ہی سے وہ فِراش ہو جاتی ہے اور بیوی مجرد نکاح ہی سے فِراش بن جاتی ہے۔ علماء نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ انھوں (صحت نسب کے لیے) نکاح کے بعد مباشرت کے امکان کی شرط عائد کی ہے۔ چنانچہ اگر عقد نکاح کے بعد مباشرت کی امکانی صورت نہ ہو بایں صورت کہ مغرب میں رہائش پذیر مرد نے کسی مشرقی عورت سے شادی کی ہو اور (باہمی تعلقات کے لیے) انھوں نے ترک وطن نہ کیا ہو، پھر عورت چھ ماہ یا اس سے زائد عرصے میں بچے کو جنم دے تو ایسے بچے کو خاوند کے تابع نہ کیا جائے گا، کیونکہ اس کا اس عورت سے مباشرت کا امکان معدوم ہے۔ شافعی، مالک اور ابو حنیفہ کے سوا تمام علماء اسی مؤقف کے قائل ہیں۔ ابو حنیفہ زوجین کے جسمانی ملاپ کے ممکن ہونے کی شرط نہیں لگاتے، بلکہ مجرد عقد نکاح کو کافی سمجھتے ہیں، وہ کہتے ہیں: حتیٰ کہ اگر خاوند عقد نکاح کے بعد امکان مباشرت کے بغیر طلاق دے دے اور وہ عورت عقد نکاح سے چھ ماہ بعد بچے کو جنم دے تو وہ بچہ خاوند کا شمار ہوگا۔ ابو حنیفہ کا یہ موقف ضعیف و باطل ہے۔ [شرح النووی: ۱۰/ ۳۸]

۳۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں: اہل جاہلیت کا دستور تھا کہ وہ زنا سے پیدا ہونے والے بچے کا نسب زانی سے جوڑتے تھے، وہ باندیوں سے زنا کی اجرت لیتے تھے، پھر وہ جس مرد کے بارے میں اعتراف کرتی کہ یہ فلاں کا بیٹا ہے تو وہ اس کے تابع کر دیا جاتا، اسلام نے الحاق نسب کی اس صورت کو باطل قرار دیا اور بچے کا نسب اس شخص کے ساتھ جوڑا جس کے بستر پر پیدا ہوا۔

[شرح النووی: ۱۰/ ۳۹]

۴۔ آپ ﷺ نے مذکورہ بچے کو عتبہ بن ابی وقاص کے مشابہ ہونے کے باوجود کہا کہ بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ یہ الفاظ دلیل ہیں کہ بچے کی کسی سے مشابہت یا قیافہ شناس کا حکم تب قابل اعتماد ہوگا، جب ان سے قوی دلیل یعنی فِراش (کسی کے

گھر میں بچے کا پیدا ہونا) والا مسئلہ ثابت نہ ہو۔ (اس مسئلہ کی موجودگی میں مشابہت اور قیافہ شناسی کا کوئی اعتبار نہ ہوگا) [شرح النووی: ۱۰/ ۳۹]

اثبات نسب کے لیے قیافہ شناس کی گواہی اور DNA ٹیسٹ:

اگر باپ اور اولاد کی شکل وصورت کے اختلاف کی وجہ سے نسب میں اشکال یا اعتراض کیا جا رہا ہو تو قیافہ شناس کی گواہی اور DNA ٹیسٹ کی مصدقہ رپورٹ بچے کے صحیح النسب ہونے کے لیے کافی ہے اور ان گواہیوں کی موجودگی میں بچے کے نسب میں شک کرنا یا اس کا انکار قطعاً جائز نہیں۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ بیان کرتی ہیں:

((إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيَّ مَسْرُورًا، تَبْرُقُ أَسَارِيرُ وَجْهِهِ، فَقَالَ أَلَمْ تَرَيْ أَنَّ مُجَزِّزًا نَظَرَ آنِفًا إِلَى زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ وَ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، فَقَالَ : إِنَّ هَذِهِ الْأَقْدَامَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ))

''بلا شبہ رسول اللہ ﷺ خوش خوش میرے پاس حاضر ہوئے، خوشی سے آپ ﷺ کے رخسار چمک رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو نے دیکھا نہیں کہ مجزز (قیافہ شناس) نے ابھی زیدہ بن حارثہ اور اسامہ بن زید کو دیکھا (وہ دونوں ایک چادر میں لیٹے تھے ان کے قدم ننگے تھے) تو اس نے کہا: قدموں کا باہمی تعلق ہے (یعنی نسب ایک ہے)۔''

[صحیح بخاری: ٦٧٧٠، صحیح مسلم: ۱۴۵۹، سنن أبو داؤد: ۲۲٦٧، جامع ترمذی: ۲۱۲۹، سنن نسائی: ۳۴۹۳، سنن ابن ماجہ: ۲۳۴۹]

فقہ الحدیث :

۱۔ مجزز (قیافہ شناس) کا تعلق بنو مدلج قبیلے سے تھا اور ان میں قیافہ شناسی معروف تھی۔

۲۔ اہل جاہلیت اسامہ بن زید کے نسب میں طعن و تشنیع کرتے تھے، کیونکہ اسامہ انتہائی سیاہ اور ان کے والد زید بن حارثہ انتہائی سفید تھے، پھر قیافہ شناس نے رنگوں کے اختلاف کے باوجود ان کا نسب ثابت کیا تو چونکہ اہل جاہلیت قیافہ شناس کی بات پر اعتماد کرتے تھے، سو نبی ﷺ اس ثبوت پر اہل جاہلیت کے ان (زید اور اسامہ) کے نسب میں طعن کرنے اس قبیح فعل کی مذمت کے طور خوش ہوئے۔

[شرح النووی: ۴۱/۱۰]

۳۔ ابن بطال رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: یہ حدیث قیافہ شناس کے حکم کے اثبات کی دلیل ہے اور انس بن مالک، عمر بن خطاب، عطاء، مالک، شافعی، اوزاعی، لیث اور ابوثور کا بھی یہی موقف ہے۔

[شرح ابن بطال: ۳۸۶/۸]

۴۔ موجودہ دور میں DNA ٹیسٹ قیافہ شناسی ہی کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ لہٰذا DNA کے شعبہ سے منسلک ماہر تجربہ کار اور ثقہ و متعمد کی DNA رپورٹ اثبات نسب میں معتبر ہوگی۔

ولد لعان ماں کی طرف منسوب ہوگا:

ثبوت لعان کے بعد بچہ ماں کی طرف منسوب ہوگا۔ لعان کی صورت یہ ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو کسی غیر مرد کے ساتھ ناجائز حالت میں دیکھ لے اور اس کے پاس چار گواہ دستیاب نہ ہوں تو اس صورت میں شریعت نہ تو خاوند کو سچا قرار دیتے ہوئے عورت کو ملزم قرار دیتی ہے اور مسئلہ کی حساسیت کے پیش نظر نہ خاوند پر حد قذف کو جائز قرار دیتی ہے، بلکہ خاوند کے اس اقرار کے بعد کہ اس نے اپنی بیوی کو قابل اعتراض حالت میں دیکھا

ہے اور بیوی کے انکار کی صورت میں ان دونوں میں ہمیشہ کی جدائی کے لیے لعان کی طرح ڈالی ہے کہ خاوند چار قسمیں اٹھا کر کہے گا وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے (اس کی بیوی زنا کار ہے) اور پانچویں قسم کھا کر کہے گا کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہے اور بیوی سے سزا کو یہ چیز ٹالے گی کہ وہ چار قسمیں کھا کر کہے وہ (اس کا خاوند) جھوٹا ہے اور پانچویں قسم کھا کر کہے کہ اگر وہ (خاوند) سچا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو۔

[النور:۲۴/۶تا۹]

لعان کے بعد زوجین ہمیشہ جدا ہو جائیں گے اور عورت کے حاملہ ہونے اور خاوند کے حمل کے انکار کے بعد بچے کو ماں کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ وہی اس کے نان ونفقہ کی مالک ہوگی اور ماں بیٹے ہی میں باہمی وراثت قائم ہوگی۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔

۱۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَاعَنَ بَيْنَ رَجُلٍ وَامْرَأَتِهِ، فَانْتَفَى مِنْ وَلَدِهَا، فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا، وَ أَلْحَقَ الْوَلَدَ بِالْمَرْأَةِ))

”بے شک نبی ﷺ نے ایک مرد اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کروایا تو اس آدمی نے اس عورت کے بچے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے درمیان جدائی کروا دی اور بچے کو عورت کے تابع کر دیا۔“

[صحيح بخاري:۵۳۱۵، صحيح مسلم:۱۴۹۴، سنن أبوداؤد:۲۲۵۹]

۲۔ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، عویمر عجلانی اور اس کی بیوی کے لعان کا قصہ بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں:

((فَكَانَتْ حَامِلاً، فَكَانَ ابْنُهَا يُدْعَى إِلَى أُمِّهِ ، ثُمَّ جَرَتِ السُّنَّةُ أَنَّهُ يَرِثُهَا وَ تَرِثُ مِنْهُ مَا فَرَضَ اللهُ لَهَا))

''لعان کے وقت عویمر عجلانی کی بیوی حاملہ تھی۔ چنانچہ اس کا بیٹا اس کی ماں کی طرف منسوب کیا جاتا، پھر یہ طریقہ رواج پا گیا کہ ولد لعان شرعی جائیداد میں سے اپنی ماں کا وارث ہوگا اور اس کی ماں اس کی وارث ہوگی۔''

ولد زنا کی نسبت کا حکم:

زنا سے پیدا ہونے والے بچے کو زانی مرد کے بجائے زانیہ کی طرف منسوب کیا جائے گا، کیونکہ والد کی طرف نسبت کے لیے شرعی نکاح کا قیام لازم ہے اور شرعی نکاح کے بغیر زن وشو کے ملاپ سے پیدا ہونے والی اولاد زنا کی پیداوار ہی شمار ہوگی۔ ولد زنا کو اس کی ماں ہی کی طرف منسوب کیا جائے گا اور ماں بیٹے ہی میں وراثت وغیرہ کے احکام جاری ہوں گے۔اس بارے میں عرب علماء کا فتویٰ ملاحظہ کیجیے۔

سوال اسلام میں ولد زنا کا کیا حکم ہے؟

جواب ولد زنا اپنی ماں کے تابع ہے۔ چنانچہ اگر وہ مسلمان ہے یہ مسلمان ہوگا اور اگر وہ کافر ہے تو کافر قرار پائے گا اور یہ زانی کے بجائے اپنی ماں کی طرف منسوب ہوگا۔ لیکن اس کی والدہ اور زانی باپ، اس کے لیے اذیت کا باعث نہ ہوگا اور اسے ولد زنا ہونے کی وجہ سے عار نہیں دلائی جا سکتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾ [الأنعام: ۱٦۴]

''کوئی بوجھ اٹھانے والی ذات کسی دوسری کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔''

[فتاویٰ اللجنة الدائمة للبحوث العلمیه: ۲۰/ ۳۴۳: فتویٰ نمبر: ۶۴۹۹]

شادی کے چھ ماہ بعد ہونے والے بچے کا حکم:

اگر نکاح شرعی کے بعد زوجین کے باہمی ملاپ کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہو تو ایسا بچہ حلال کا ہے اور اسے اس کے والد کی طرف منسوب کیا جائے گا، لیکن زن وشو کے باہمی ملاپ

کے بعد دو، چار، پانچ یا چھ ماہ سے کم عرصہ میں بچے کی پیدائش ہو جائے تو وہ بچہ عورت کی زنا کاری کا شاخسانہ ہے اور اسے ناجائز تصور کیا جائے گا۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ﴾ [الاحقاف:۱۵/۴۶]

''اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا، اس کی ماں نے اسے تکلیف کی صورت میں اٹھایا اور تکلیف میں اسے جنا اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے۔''

۲۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ﴾ [البقرہ:۲۳۳/۲]

''اور مائیں اپنے بچوں کو مکمل دو سال دودھ پلائیں (یہ حکم اس کے لیے ہے) جو رضاعت کی مدت پوری کرنا چاہے۔''

۳۔ تیسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَى وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴾

[لقمان:۱۴/۳۱]

''اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ اچھائی کا حکم دیا۔ اس کی والدہ نے انتہائی کمزوری کی حالت میں اسے اٹھایا اور اس کے دودھ چھڑانے کی مدت دو سال ہے کہ تو میرا اور والدین کا شکر ادا کرے اور میری ہی طرف لوٹنا ہے۔''

فقہ التفسیر:

یہ آیات دلیل ہیں کہ دودھ پلائی کی کامل مدت دو سال ہے اور حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے۔ کیونکہ حمل اور رضاعت کی کل مدت تیس ماہ بیان ہوئی ہے اور دوسری جگہ الگ سے مدت رضاعت دو سال بیان ہوئی ہے۔ چنانچہ تیس ماہ سے دودھ پلانے کے دو سال نکال دیے جائیں تو حمل کی مدت چھ ماہ بنتی ہے۔ مفسرین نے ان آیات سے یہی مفہوم کشید کیا ہے۔ ذیل میں مفسرین کے اقوال ملاحظہ کیجیے۔

۱۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

((وَ قَدِ اسْتَدَلَّ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِهٰذِهِ الْآيَةِ مَعَ الَّتِيْ فِيْ لُقْمَانَ : ﴿ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ ﴾ ، وَ قَوْلِهٖ: تَبَارَكَ و تَعَالَى : ﴿ وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ﴾ عَلَى أَنَّ أَقَلَّ مُدَّةِ الْحَمْلِ سِتَّةُ أَشْهُرٍ وَ هُوَ اسْتِنْبَاطٌ قَوِيٌّ وَ صَحِيْحٌ ، وَ وَافَقَهُ عَلَيْهِ عُثْمَانُ وَ جَمَاعَةٌ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ)) [تفسیر ابن کثیر: ۲۸۰/۷]

"بالتحقیق علی رضی اللہ عنہ نے سورہ احقاف کی اس آیت اور اس کے ساتھ سورہ لقمان کی آیت کہ دودھ چھڑانے کی مدت دو سال ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے کہ مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں، جو شخص رضاعت کی مدت پوری کرنا چاہتا ہے، سے استدلال کیا ہے کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے۔ یہ استنباط قوی اور قرین قیاس ہے اور اس استنباط پر عثمان رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے ان کی موافقت کی ہے۔"

۲۔ علامہ شنقیطی اپنی مایہ ناز تفسیر میں لکھتے ہیں: مذکورہ تین آیات کو ملانے سے یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ:

((أَنَّ أَمَدَ الْفِصَالِ عَامَانِ ، وَهُمَا أَرْبَعَةٌ وَعِشْرُونَ شَهْرًا ، فَإِذَا طَرَحْتَهَا مِنَ الثَّلَاثِينَ بَقِيَتْ سِتَّةُ أَشْهُرٍ، فَتَعَيَّنَ كَوْنُهَا أَمَدًا لِلْحَمْلِ، وَهِيَ أَقَلُّهُ، وَلَا خِلَافَ فِي ذَلِكَ بَيْنَ الْعُلَمَاءِ))
[تفسير أضواء البيان:۷/۲۲۳]

''دودھ چھڑانے کی مدت دو سال یعنی چوبیس مہینے ہیں اور جب تیس مہینوں سے چوبیس ماہ نکال دو تو باقی چھ ماہ بچتے ہیں، جس سے حمل کی مدت متعین ہوتی ہے، جو کم از کم چھ ماہ ہے اور اس میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔''

۳۔ علامہ محمد آلوسی حنفی بیان کرتے ہیں:

اس آیت کریمہ سے علی رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور علماء کی ایک جماعت نے استدلال کیا ہے کہ کم از کم مدت حمل چھ ماہ ہے، کیونکہ اس آیت کی رو سے مائیں اپنے بچوں کو دو سال مکمل دودھ پلائیں جو مدت رضاعت کو پورا کرنا چاہے، تیس ماہ میں سے دو سال نکال دیں تو حمل کے لیے چھ ماہ کی مدت ہی رہ جاتی ہے اور اطباء نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے۔ جالنیوس کہتے ہیں، حمل کی مقدار کے متعلق آگاہی کے بارے میں میں سخت کوشاں تھا کہ میں نے مشاہدہ کیا کہ ایک عورت نے ۱۸۴ دنوں میں بچے کو جنم دیا (جو چھ ماہ اور چار دن بنتے ہیں)۔

ابن سینا نے بھی اس مشاہدے کا دعویٰ کیا ہے۔ [تفسیر روح المعانی:۲۶/۱۸]

لقیط (راستے سے ملے ہوئے بچے) کا نسب:

لقیط اس بچے کو کہتے ہیں جو کسی شارع عام، ویران جگہ، بازار یا عوامی اجتماع سے ملے

تو ایسے ملنے والے گم شدہ بچے کو لقیط کہا جاتا ہے، نیز زنا سے پیدا ہونے والے بچوں کو اکثر ویران جگہوں میں پھینک دیا جاتا ہے۔ ایسے تمام بچے لقیط کے حکم میں شامل ہیں۔

لقیط کی حفاظت کا حکم:

گم شدہ بچے کو حفاظت میں لینا فرض ہے، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى﴾ [المائدہ:۲]

"(اور نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کا تعاون کرو)۔"

اور اسے حفاظت میں لینا اس لیے بھی واجب ہے کہ اس میں ایک جان کو زندگی دینا ہے۔ جیسے مجبور شخص کو کھانا کھلانا اور ڈوبتے شخص کو ڈوبنے سے بچانا ہے۔ گم شدہ بچے کو اپنی حفاظت میں لینا فرض کفایہ ہے۔ اگر ایک شخص اس ذمہ داری کو نبھائے تو باقی مسلمانوں سے یہ فرض ساقط ہو جاتے ہیں۔ [المغنی لابن قدامہ:۶/۴۰۳]

اور لقیط اگر مسلم ممالک سے ملے تو اسے مسلمان قرار دیا جائے گا۔

[فقه السنة:۳/۲۷۷]

گم شدہ بچے کی نگہداشت کا زیادہ مستحق:

جسے لقیط ملے وہی اس کی پرورش اور تعلیم وتربیت کا زیادہ مستحق ہے، بشرطیکہ وہ آزاد، عادل، امین اور صالح ہو۔ لیکن اگر وہ فاسق یا فضول خرچ کو ملے تو لقیط اس سے لے لیا جائے گا اور ایسے بچے کی پرورش کا ذمہ دار حاکم ہوگا۔

[فقه السنه:۳/۲۷۸]

لقیط کے اخراجات کا ذمہ دار:

اگر لقیط کے پاس مال موجود ہو تو وہ مال اس پر خرچ کیا جائے گا۔ اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو اس کی پرورش بیت المال کے خرچ سے ہوگا، کیونکہ بیت المال کا قیام مسلمانوں

کی ضروریات پورا کرنے کے لیے ہے۔ اگر بیت المال سے خرچ کی گنجائش نہ ہوتو صاحب حیثیت افراد پر لازم ہے کہ وہ خرچ کا اہتمام کریں، کیونکہ لقیط پر خرچ کرنا اسے ہلاکت سے بچانا ہے۔ اس صورت میں بیت المال کی طرف دوبارہ رجوع صرف اس صورت کیا جا سکتا ہے، جب قاضی لقیط پرخرچ کا حکم دے۔ اگر قاضی یہ حکم جاری نہ کرے تو صدقات و خیرات وغیرہ سے خرچ کا انتظام کیا جائے گا۔ [فقه السنه: ۶۷۸/۳]

لقیط کی میراث کا حکم:

جب لقیط فوت ہو جائے اور ترکہ چھوڑ جائے لیکن اس کا کوئی وارث نہ ہوتو اس کی جائیداد کا حق دار بیت المال ہوگا۔ ایسے ہی اگر وہ قتل ہو جائے تو اس کی دیت بیت المال میں جمع ہوگی، جس شخص نے لقیط کو اٹھایا اور کفالت میں لیا تھا وہ اس کی وراثت کا مستحق نہیں ہوگا۔
[فقه السنه: ۶۷۸/۳]

لقیط کے نسب کے دعویدار:

اگر کوئی مذکر یا مؤنث لقیط کے نسب کا دعویٰ کرے کہ وہ اس کی اولاد ہے تو لقیط کو اس کے تابع کر دیا جائے گا، جب الحاق نسب کا امکان ہو۔ کیونکہ اس میں لقیط کی پرورش کی مصلحت کارفرما ہے۔ اس صورت میں لقیط کا اس شخص سے نسب بھی ثابت ہوگا اور ان میں باہمی وراثت بھی قائم ہوگی۔

لیکن اگر ایک سے زیادہ افراد لقیط سے تعلق کا دعویٰ کریں تو اس کا نسب اس سے جوڑا جائے گا، جس کے دعویٰ کی دلیل ہو۔ لیکن اگر ان کے دعویٰ کے باوجود کسی کے پاس ٹھوس دلیل نہ ہوتو اس بچے کو قیافہ شناس پر پیش کیا جائے گا۔ پھر جب کوئی قیافہ شناس کسی دعویدار کے حق میں فیصلہ کر دے تو اس کے فیصلہ کو تسلیم کیا جائے گا، بشرطیکہ وہ قیافہ شناس مکلف، مذکر، عادل اور تجربہ کار ہو۔ اس کی دلیل آئندہ حدیث ہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ میرے پاس خوش خوش داخل ہوئے جب کہ آپ ﷺ کے رخسار چمک رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو نے دیکھا نہیں کہ مجزز مدلجی نے ابھی زید اور اسامہ کی طرف دیکھا جب کہ ان کے چہرے چادر سے ڈھکے اور پاؤں کھلے تھے اور کہا بلاشبہ ان کے قدموں کا باہمی تعلق ہے۔

[صحیح بخاری: ٦٧٧٠، صحیح مسلم: ١٤٥٩]

پھر اگر قیافہ شناس میسر نہ ہو تو دعویداروں میں قرعہ اندازی کی جائے گی، چنانچہ جس کے نام قرعہ نکلے گا وہی لقیط کا وارث ہوگا۔ [موجودہ دور میں قیافہ شناسوں کی عدم دستیابی کی صورت میں DNA ٹیسٹ پر اعتماد کیا جائے گا اور DNA ٹیسٹ سے الحاق نسب کا معاملہ بہتر طور پر حل کیا جائے گا] [فقہ السنۃ: ٣/٢٧٩، ٢٧٨]

منہ بولا بیٹا بنانا اور لے پالک کا حکم:

دورِ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ کسی بچے سے پیار کے سبب یا اولاد نہ ہونے کے سبب کسی بچے کو منہ بولا بیٹا بنا لیا جاتا۔ پھر اسے اصل باپ کی بجائے منہ بولے باپ کی طرف منسوب کیا جاتا اور لے پالک اپنے منہ بولے باپ کی حقیقی اولاد سمجھا جاتا۔ اس کی وارثت کا مستحق قرار پاتا اور ایسے باپ کی بیوی، بیٹیاں اور دیگر محرم عورتیں اس کے لیے حرام قرار پاتی تھیں۔ ایسے ہی باپ کے لیے لے پالک کی بیوی اور بیٹیاں وغیرہ حرام قرار پاتی تھیں۔ جاہلیت کی اسی رسم کو ملحوظ رکھتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا اور لوگ اسے زید بن حارثہ کے بجائے زید بن محمد کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے لے پالک کو بیٹا بنا کر اپنی ولدیت دینے کی اس جاہلی رسم کو منسوخ کر دیا اور یہ حکم صادر کیا کہ ایسے بچوں کو ان کے اصل والدوں کی طرف منسوب کیا جائے۔ اگر ان کے باپوں کا علم نہ ہو تو انھیں بھائی یا دوست کہہ کر پکارنا چاہیے۔ کسی بھی غیر

بچے کو اپنی ولدیت دینا کسی کے لیے جائز نہیں اور منہ بولا بیٹا بنا کر اسے اپنی جائیداد میں شریک کرنا اور اپنی محرم رشتوں سے خلوت اور کھلا میل جول روا رکھنا قطعاً حرام ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ وَ مَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ وَ مَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَ اللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَ هُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ مَوَالِيْكُمْ وَ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾

[الاحزاب: ۳۳/۴۔۵]

”اللہ نے کسی آدمی کے لیے اس کے پیٹ میں دو دل نہیں بنائے، اور نہ اس نے تمھاری ان بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو، تمھاری مائیں بنایا ہے اور نہ تمھارے منہ بولے بیٹوں کو تمھارے بیٹے بنایا ہے، یہ تمھارے اپنے مونہوں کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ سچ کہتا ہے اور وہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ انھیں (لے پالکوں کو) ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو، یہ اللہ کے ہاں زیادہ انصاف کی بات ہے، پھر اگر تمھیں ان کے باپوں کا علم نہ ہو تو وہ تمھارے دینی بھائی اور تمھارے دوست ہیں اور تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو تم نے (ایسی نسبت) غلطی سے کی ہے۔ مگر جو تمھارے دلوں نے قصداً کیا ہے (اس پر گناہ ہے) اور اللہ ہمیشہ سے بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔“

فقہ الآیۃ:

۱۔ منہ بولا بیٹا بنانا، اسے اپنی ولدیت دینا اور اپنے نسب میں شامل کرنا جاہلیت کی ایک رسم تھی، جسے اسلام نے ناجائز قرار دیا ہے۔ لہٰذا کسی بھی مسلمان کے لیے لے پالک کو اپنا حقیقی بیٹا قرار دینا جائز نہیں، بلکہ اسے اِس کے اصل باپ ہی کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ اسلام میں لے پالک کو اپنی ولدیت دینا حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔

۲۔ اس حکم ربانی کے برعکس کئی اسلام کے نام لیوا اولاد سے محرومی یا ویسے ہی کسی سے محبت کی وجہ سے بھتیجوں، بھتیجیوں، بھانجوں، بھانجیوں یا، ہسپتالوں یا ایدھی سنٹرز سے لا وارث بچوں کو گود لے کر انھیں اپنی ولدیت دیتے اور حقیقی اولاد کا درجہ دیتے ہیں۔ یہ عمل سراسر ظلم اور اللہ مالک الملک کے گزشتہ حکم کی صریح نافرمانی ہے، جو کسی بھی مسلمان کے لیے قطعاً جائز نہیں، لہٰذا یہ عمل باطل اور خلاف شریعت ہے۔ اگر کسی بچے کی کفالت کی ذمہ داری لینی ہے تو اسے اس کے اصل باپ ہی کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ آپ صرف تربیت ونگہداشت کی ذمہ داری لے سکتے ہیں۔ پھر اگر تو وہ بچہ محرم رشتہ داروں سے ہے تو بیوی وغیرہ سے خلوت اور بے حجابی درست ہے۔ بصورت دیگر ایسے بچوں کی بلوغت کے بعد بے حجابی اور خلوت درست نہیں۔

۳۔ کچھ لوگ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ لا وارث بچوں کو ہم ولدیت نہ دیں تو ولدیت لکھوانا چونکہ موجودہ دور میں ملکی وعالمی سطح پر ضروری ہے، اس لیے ان بچوں کی ولدیت کا کیا جائے۔ اس کا جواب ایک تو قرآن حکیم میں وارد ہے کہ ان کے باپوں کے ناموں کا علم ہو تو انھیں حقیقی باپوں کی طرف منسوب کیا جائے اور باپوں کا علم نہ ہونے کی صورت میں انھیں بھائی یا دوست کہہ کر پکارا جائے۔ لیکن چونکہ بچوں کے تعلیمی وسفری مراحل کے لیے ولدیت کا کھاتہ پر کرنا ضروری ہے تو اس مجبوری کی صورت میں کسی معین شخص کی ولدیت دینا درست نہیں، بلکہ اس کو فرضی ولدیت دے کر اس مسئلہ کا حل کیا جا سکتا

ہے۔ اگر کسی شخص نے اسے اپنی ولدیت دی تو وہ حکم ربانی کی نافرمانی کی وجہ سے حرام کام کا مرتکب قرار پائے گا۔

غیر والد کی طرف منسوب ہونا:

جس طرح غیر اولاد کو اپنی ولدیت دینا اور اولاد بنانا حرام ہے، اسی طرح غیر والد کی ولدیت لینا اور اس کی طرف منسوب ہونا حرام ہے اور اس فعل بد پر سخت وعید وارد ہے۔

۱۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنِ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيْهِ ، وَ هُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ غَيْرُ أَبِيْهِ ،فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ))

”جس نے خود کو غیر باپ کی طرف منسوب کیا جب کہ وہ جانتا ہو کہ وہ اس کا والد نہیں تو اس پر جنت حرام ہے۔“

[صحيح بخاری:٦٧٦٦، صحيح مسلم:٦٣، سنن أبو داؤد:٥١١٣۔ سنن ابن ماجه:٢٦١٠]

۲۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَرْغَبُوْا عَنْ آبَائِكُمْ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ أَبِيْهِ فَهُوَ كُفْرٌ))

”اپنے باپوں سے بے اعتنائی نہ برتو (یعنی ان سے نسبت نہ توڑو)، چنانچہ جس نے اپنے باپ سے نسبت توڑی تو یہ کفر ہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی پامالی) ہے۔“

[صحیح بخاری:٦٧٦٨، صحیح مسلم:٦٢]

۳۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ ارشاد کیا اور فرمایا: جس نے یہ گمان کیا کہ ہمارے پاس قرآن حکیم یا اس صحیفے کے علاوہ کوئی چیز ہے جس کی ہم تلاوت کرتے ہیں تو وہ جھوٹا شخص ہے۔ (اور اس صحیفہ میں دیگر احکام کے ساتھ یہ مسئلہ بھی تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَ مَنِ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيْهِ، أَوِ انْتَمَى إِلَى غَيْرِ مَوَالِيْهِ، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلاَئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ، لاَ يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفًا وَلاَ عَدْلاً))

جس نے اپنے غیر باپ کی طرف نسبت کی یا (آزاد کردہ غلام) اپنے مالکوں کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب ہوا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی نفلی وفرضی عبادت قبول نہیں کرے گا۔

[صحیح مسلم: ۱۳۷۰]

نومولود کی کفالت اور پرورش کا بیان

ولادت سے لے کر بلوغت تک نومولود خوراک، لباس اور پرورش کے اعتبار سے والدین کا محتاج ہوتا ہے۔ اس لیے نومولود کی کفالت اور پرورش کی ذمہ داری ان پر لازم ہے اور والدین کی موجودگی میں یہ ذمہ داری والدین ہی پر عائد ہوتی ہے، کیونکہ نومولود کی بہترین تربیت والدین کے مرہون ہے، اس لیے کہ والدین کو بچے کے ساتھ خاص شفقت، محبت اور رحمدلی ہوتی ہے اور دونوں مل کر بچے کی بہتر نگہداشت اور پرورش کر سکتے ہیں، سید سابق رحمہ اللہ کہتے ہیں: "بچے کی تربیت کی بہترین صورت یہ ہے کہ بچہ والدین کے زیر تربیت پرورش پائے، کیونکہ ان کی خصوصی نگہداشت اور حفاظت کے سبب اس کا جسم نمو پاتا، عقل بڑھتی، تزکیہ نفس ہوتا اور آئندہ زندگی کے لیے بچہ تیار ہوتا ہے۔"

[فقه السنه: ۳۵۲/۲]

لہٰذا تربیت، اخلاق، جسمانی صحت اور عمدہ عادات کے لحاظ سے وہ بچے اچھے ہوتے ہیں، جنھیں والدین کی شفقت ونگہداشت حاصل ہوتی ہو۔ اس کے برعکس والد، والدہ یا ماں باپ دونوں سے محروم بچوں میں تربیت کا فقدان، جسمانی کمزوری، کم عقلی، اخلاقی ناپائیداری اور احساس کمتری کے اثرات کافی عمر تک باقی رہتے ہیں۔ لہٰذا والدین کا سایہ عاطفت نومولود کے لیے نعمت کبریٰ شمار ہوتا ہے۔

والد کی وفات کی صورت میں پرورش کی ذمہ داری:

والد کی وفات کی صورت میں اولاد کی پرورش کی ذمہ داری والدہ پر عائد ہوتی ہے۔ اگرچہ خاوند کی وفات کے بعد عورت کا بچوں تک محدود ہو جانا اور دوسری شادی نہ کرنا بہت مشکل کام ہے، لیکن یتیم بچوں کی پرورش کرنا اور انھیں والد کی محرومی کے احساس سے نجات دلانا بھی عزیمت اور عظیم کارنامہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے قریش کی عورتوں کا یہ وصف بیان کرتے ہوئے کہ وہ خاوند کی وفات کی صورت میں بچوں کی خصوصی نگہداشت کرتی ہیں، ان کی عظمت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((خَيْرُ نِسَآءٍ رَكِبْنَ الْإِبْلَ صَالِحُوْا نِسَآءِ قُرَيْشٍ، أَحْنَاهُ عَلَى وَلَدٍ فِيْ صِغَرِهِ وَ أَرْعَاهُ عَلَى زَوْجٍ فِيْ ذَاتِ يَدِهِ))

”بہترین عورتیں جو اونٹوں پر سوار ہوتی ہیں وہ قریش کی نیک عورتیں ہیں، یہ اپنے بچے پر اس کے بچپن میں حد درجہ شفیق ہوتے ہیں کہ اولاد کی وجہ سے دوسری شادی نہیں کرتیں اور خاوند کے مال کی خوب حفاظت کرنے والی ہیں۔“

[صحیح بخاری:۵۰۸۲، صحیح مسلم:۲۵۲۶]

فقہ الحدیث:

امام نووی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: اس حدیث میں قریشی عورتوں کی فضیلت اور اس میں بیان کردہ اوصاف کی عظمت کا بیان ہے اور وہ اوصاف درج ذیل ہیں۔ بچوں پر شفقت و رحم دلی، ان کی بہترین تربیت کرنا، جب وہ یتیم ہو جائیں تو ان کی نگہداشت کرنا اور ان کی وجہ سے دوسری شادی نہ کرنا، خاوند کے مال کی حفاظت کرنا اور اسے بہتر انداز میں خرچ کرنا۔

[شرح النووی:۱۶/۸۰]

چنانچہ یہ نیک اوصاف سے متصف ہونا عورت کی عظمت کی دلیل ہے۔ لہٰذا بیوہ عورت

کا شادی کرنا اگرچہ جائز ہے، لیکن اولاد کی نگہداشت اور پرورش کی خاطر دوسری شادی نہ کرنا افضل عمل ہے اور میت کے ورثاء کا حق ہے کہ بیوگی کی حالت میں بیوہ اور یتیم بچوں کی مالی معاونت کریں اور ضروریات کا خیال رکھیں۔

طلاق کی صورت میں مطلقہ پرورش کی زیادہ حقدار ہے:

اگر نومولود کے والدین میں طلاق ہو جائے اور وہ حضانت و پرورش کی عمر میں ہو تو والدہ پرورش کی زیادہ حقدار ہے، جب تک وہ دوسری شادی نہ کرے۔ دوسری شادی کرنے سے وہ نومولود کی پرورش کے حق سے محروم ہو جائے گی اور بچہ والد کی تحویل میں چلا جائے گا، عدم نکاح کی شرط پر مطلقہ والدہ کو بچے کی نگہداشت پر فوقیت اس لیے دی گئی ہے کہ مرد کی نسبت عورت بچے پر زیادہ شفیق، پرورش کے امور کی ماہر اور بچے کی شرارتوں، ضدوں اور عوارض پر زیادہ صابر ہوتی ہے۔ پھر اس مدت میں چونکہ وہ رضاعت کا بھی محتاج ہوتا ہے، اس لیے باپ کی نسبت والدہ کو کفالت کا زیادہ مستحق قرار دیا گیا ہے۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

((أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ : يَا رَسُوْلَ اللهِ ! إِنَّ ابْنِيْ هذَا كَانَ بَطْنِيْ لَهُ وِعَاءً وَ ثَدْيِيْ لَهُ سِقَاءً وَ حِجْرِیْ لَه حِوَاءً ، وَ إِنَّ أَبَاه طَلَّقَنِيْ وَ أَرَادَ أَنْ يَنْزِعَهُ مِنِّيْ، فَقَالَ لَها رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَنْتِ أَحَقُّ بِهِ مَا لَمْ تَنْكِحِيْ))

''ایک عورت نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ میرا یہ بیٹا میرا پیٹ حمل میں اس کی جائے سکونت، میرے پستان اس کے لیے دودھ کا ذریعہ تھے اور میری گود اس کی حفاظت گاہ تھی۔ اس کے والد نے مجھے طلاق دے دی ہے اور اسے (بچے کو)

مجھ سے چھیننا چاہتا ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد کیا: تو اس کی زیادہ حق دار ہے جب تک نکاح نہیں کرتی۔"

[مستدرک حاکم: ۲/۲۰۷، سنن بیہقی: ۸/۴] حسن

فقہ الحدیث:

مطلقہ عورت جب تک دوسری شادی نہ کرے وہ بچے کی پرورش کی زیادہ حق دار ہے، لیکن دوسری جگہ شادی کرنے سے عورت حق پرورش سے محروم ہو جاتی ہے اور اس صورت میں بچہ والد کی کفالت میں آ جائے گا۔ امام شوکانی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ باپ کی نسبت ماں اس وقت تک بچے کی پرورش کی زیادہ حق دار ہے جب تک کوئی مانع واقع نہیں ہوتا یعنی دوسرا نکاح نہیں کر لیتی۔ صاحب البحر نے اس مسئلہ پر اجماع نقل کیا ہے، لیکن اگر عورت کا نکاح ہو جائے تو وہ حق پرورش سے محروم ہو جائے گی۔ مالک، شافعیہ اور حنفیہ اسی موقف کے قائل ہیں اور ابن منذر نے اس پر اجماع بیان کیا ہے۔

[نیل الأوطار: ۶/۳۴۹]

عورت کے دوسری شادی کرنے کے بعد پرورش کا حق دار:

مطلقہ عورت کے دوسری جگہ شادی کر لینے کے بعد بچہ کی پرورش کا زیادہ حقدار والد قرار پائے گا، جیسا کہ گزشتہ حدیث سے عیاں ہوتا ہے اور وہ بچے کی نگہداشت و پرورش کے لیے خود وقت نکال سکے تو بہتر ورنہ اپنی والدہ، جوان بیٹیوں، بہنوں سے تعاون لے سکتا ہے، یا اجرت پر کسی ملازمہ سے بچے کی پرورش کی خدمت لے سکتا ہے۔ کیونکہ طلاق کی صورت میں جب وہ بچے کو کسی غیر عورت سے دودھ پلا سکتا ہے تو پرورش کے لیے بھی کسی ملازمہ یا رشتہ دار عورت کا انتظام کر سکتا ہے۔

والد کی وفات کی صورت میں پرورش کا مستحق :

نومولود کے والد کی وفات یا اس کے پرورش کے قابل نہ ہونے (یعنی لا علاج مرض میں مبتلا یا پاگل، انتہائی بڑھاپے) کی صورت میں پرورش کے ذمہ دار والد کے اقرباء یعنی والد، بھائیوں، چچاؤں یا ان کے بیٹوں کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ پھر اقرباء میں سے پرورش کا زیادہ مستحق وہ قرار پائے گا، جس کی زوجیت میں نومولود کی خالہ یا والدہ کی طرف سے کوئی عزیزہ ہے، کیونکہ خالہ اور والدہ کی رشتہ دار خواتین بچے سے زیادہ محبت و ہمدردی رکھتی ہیں۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کا مصالحت نامہ اور اس مصالحت نامہ کے تحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آئندہ سال مکہ جانے کے احوال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں :

((فَلَمَّا دَخَلَهَا وَمَضَى الأَجَلُ أَتَوْا عَلِيًّا، فَقَالُوا : قُلْ لِصَاحِبِكَ : اخْرُجْ عَنَّا فَقَدْ مَضَى الأَجَلُ : فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَبِعَتْهُمُ ابْنَةُ حَمْزَةَ، يَا عَمِّ ! يَا عَمِّ فَتَنَاوَلَهَا عَلِيٌّ فَأَخَذَ بِيَدِهَا : وَ قَالَ لِفَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلاَمُ دُونَكِ ابْنَةَ عَمِّكِ احْمِلِيهَا فَاخْتَصَمَ فِيهَا عَلِيٌّ وَزَيْدٌ وَجَعْفَرٌ، فَقَالَ عَلِيٌّ : أَنَا أَحَقُّ بِهَا وَهِيَ ابْنَةُ عَمِّي، وَ قَالَ جَعْفَرٌ : ابْنَةُ عَمِّي وَخَالَتُهَا تَحْتِي، وَقَالَ زَيْدٌ، ابْنَةُ أَخِي، فَقَضَى بِهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِخَالَتِهَا، وَقَالَ : الْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الأُمِّ : وَقَالَ لِعَلِيٍّ : أَنْتَ مِنِّي وَ أَنَا مِنْكَ، وَ قَالَ لِجَعْفَرٍ : أَشْبَهْتَ خَلْقِي وَخُلُقِي وَقَالَ لِزَيْدٍ : أَنْتَ أَخُونَا وَ مَوْلاَنَا))

''جب آپ ﷺ مکہ داخل ہوئے اور معاہدے کی مدت پوری ہو گئی تو وہ (مشرکین کا وفد) علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: اپنے صاحب سے کہیے کہ وہ ہمارے ہاں سے چلے جائیں، کیونکہ معاہدے کی مدت پوری ہو چکی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ وہاں سے روانہ ہوئے تو دختر حمزہ رضی اللہ عنہ چچا چچا کہتے ہوئے ان کے پیچھے ہو لی تو علی رضی اللہ عنہ نے اسے لیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اسے لو اور اپنے ساتھ سوار کر لو۔ اس پر علی رضی اللہ عنہ، زید بن حارثہ اور جعفر رضی اللہ عنہ میں (اس بچی کی کفالت پر) جھگڑا ہو گیا۔ علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس بچی کی کفالت کا زیادہ مستحق ہوں، کیونکہ یہ میری چچا زاد ہے۔ جعفر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: (میں اس کی پرورش کا زیادہ حقدار ہوں، اس لیے کہ یہ میری چچا زاد ہے اور اس کی خالہ میری زوجیت میں ہے اور زید رضی اللہ عنہ نے کہا: (میں اس کی پرورش کا زیادہ مستحق ہوں)، کیونکہ یہ میری بھتیجی ہے (نبی ﷺ نے حمزہ اور زید کے درمیان اخوت کا رشتہ قائم کیا تھا)۔ پھر آپ ﷺ نے اس بچی کی خالہ کے حق میں فیصلہ کیا اور فرمایا: خالہ ماں کے قائم مقام ہے اور آپ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم مجھ سے اور میں تم سے ہوں، اور جعفر رضی اللہ عنہ سے ارشاد کیا: شکل و عادات میں تم میرے مشابہ ہو اور زید رضی اللہ عنہ سے کہا: تم ہمارے بھائی اور دوست ہو۔''

لاوارث بچوں کی کفالت:

اگر والدین دونوں موجود نہ ہوں یا والدہ نے دوسری شادی کر لی ہو تو بچے کی کفالت کے مستحق اس کے آباؤ اجداد میں سے قریبی رشتہ دار ہوں گے۔ پھر اگر کوئی قریبی عزیز موجود نہ ہو تو ایسے لاوارث بچوں کی کفالت کا ذمہ دار حاکم قرار پائے گا اور اسلامی حکومت موجود نہ ہو تو پھر مسلمانوں میں مذہبی تنظیمیں، اہل خیر اور اہل ثروت لوگوں کو ایسے بچوں کی

کفالت کے ادارے بنانے چاہییے اور زکوۃ وصدقات کی مد سے ان کی پرورش کی ذمہ داریاں ادا کی جائیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس ایسے مردہ شخص کو لایا جاتا جس کے ذمہ قرض ہوتا تو آپ ﷺ پوچھتے: کیا اس نے اپنے قرض کی ادائیگی کے لیے اضافی مال چھوڑا ہے؟ پھر اگر آپ ﷺ کو بیان کیا جاتا کہ اس نے قرض کی ادائیگی کے لیے مال چھوڑا ہے تو آپ ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھاتے ورنہ مسلمانوں سے کہتے کہ تم اپنے ساتھی کی نماز پڑھ لو، پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو فتوحات سے نواز تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَنَا أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ، فَمَنْ تُوُفِّيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَتَرَكَ دَيْنًا فَعَلَيَّ قَضَاؤُهُ ، وَمَنْ تَرَكَ مَالاً فَلِوَرَثَتِهِ))

میں مومنوں کو ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہوں، چنانچہ مومنوں میں سے جو شخص فوت ہو اور قرض چھوڑے تو اس کی قضاء میرے ذمہ ہے اور جس نے مال چھوڑا تو وہ اس کے ورثاء کے لیے ہے۔

[صحیح بخاری: ۵۳۷۱، صحیح مسلم: ۱۶۱۱، سنن نسائی: ۱۹۶۵، سنن ابن ماجہ: ۲۴۱۵]

زوجین میں سے مسلمان کفالت کا زیادہ حق دار ہے:

اگر کسی مسلمان کی کسی غیر مسلم عورت سے شادی ہوئی، پھر ان کی جدائی ہو جائے یا کوئی مسلم عورت کسی کافر کی زوجیت میں ہے، پھر ان میں طلاق ہو جاتی ہے تو بچہ مسلمان مرد یا عورت کی کفالت میں دیا جائے گا اور اس صورت میں مسلمان کو کفالت پر ترجیح دی جائے گی۔ کیونکہ بچے کی پرورش کرنا ولایت ہے، جو صرف مسلمان کا حق ہے۔ سید سابق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کافر عورت کے لیے چھوٹے بچے کی پرورش کرنا اور کفالت ثابت نہ ہوگی ،

کیونکہ پرورش کرنا حق ولایت ہے اور اللہ تعالیٰ نے مومن کے مقابلے میں کافر کو ولایت کا حق تفویض نہیں کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَن يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا﴾

[النساء:۴/ ۱۴۱]

''اور اللہ تعالیٰ کافروں کو مومنوں پر ہرگز کوئی راہ نہ دے گا۔''

اور حق پرورش نکاح اور مال کے حکم میں ہے (جیسے نکاح اور وراثت میں کافر کا انتخاب نہیں ہوسکتا اس طرح بچے کی کفالت کافر کو تفویض نہیں کی جاسکتی) کیونکہ کافر عورت کو حق پرورش دینے سے بچے کے بے دین ہونے کا خطرہ ہے، اس لیے کہ وہ عورت اسے اپنے دین کی ترغیب دے گی اور اپنے دین کے مطابق اس کی تربیت کرے گی، پھر سن شعور میں داخل ہونے کے بعد ایسے بچے کا اس دین سے ہٹنا مشکل ہو جائے گا، جو بچے کے لیے انتہائی نقصان دہ عمل ہے اور آئندہ حدیث میں بھی وضاحت ہے کہ حق پرورش مسلمان کو تفویض کیا جائے گا۔ فرمان نبوی ﷺ ہے:

((كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ ، أَوْ يُنَصِّرَانِهِ ، أَوْ يُمَجِّسَانِهِ))

''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی، عیسائی، یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔''

[صحیح بخاری:۱۳۸۵، صحیح مسلم:۲۶۵۸، سنن أبو داؤد:۴۷۱۴، جامع ترمذی:۲۱۳۸] [فقه السنه:۲/ ۴۱۷]

نیز آئندہ روایت بھی اس مفہوم کی تائید کرتی ہے کہ کافر والدین کی صحبت بچے پر برے اثرات ڈالتی ہے اور اس کے کفر وشرک اور بے دینی کی راہ ہموار کرتی ہے، جب کہ

مسلمان والدین کی صحبت وتربیت اسے اسلام کا سچا پیروکار اور مضبوط اسلامی نظریات سے متصف حقیقی مسلمان بناتی ہے۔ اس لیے بچے کو مسلمان والد یا والدہ کی کفالت میں دیا جانا بچے کے روشن مستقبل اور اسلامی عقائد ونظریات کی حفاظت کے لیے مؤثر اور بچے کے لیے بہتر ثابت ہوگا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كُلُّ إِنْسَانٍ تَلِدُهُ أُمُّهُ عَلَى الْفِطْرَةِ، وَأَبَوَاهُ بَعْدُ يُهَوِّدَانِهِ ، وَ يُنَصِّرَانِهِ وَيُمَجِّسَانِهِ ، فَإِنْ كَانَا مُسْلِمَيْنِ فَمُسْلِمٌ))

”ہر انسان کو اس کی والدہ فطرت پر پیدا کرتی ہے۔ پھر اس کے والدین اسے یہودی، عیسائی، یا مجوسی بنا دیتے ہیں اور اگر وہ دونوں مسلمان ہوں تو بچہ مسلمان ہوگا۔“

[صحیح مسلم:٢٦٥٨]

سعودی فتویٰ کمیٹی کا فتویٰ:

ایک نومسلم عورت جو قبول اسلام سے قبل کسی غیر مسلم کی زوجیت میں تھی، اس سے اس کا بیٹا مصطفی پیدا ہوا۔ پھر قبول اسلام کے بعد میاں بیوی میں جدائی ہوگئی اور یہ اختلاف پیدا ہوا کہ بچے کی پرورش کا حق غیر مسلم والد کو سونپا جائے گا یا مسلم والدہ کو؟ چنانچہ اس نومسلم عورت نے سعودی فتویٰ کمیٹی کو یہ مسئلہ بھیجا اور اس کے حل کی اپیل کی جس پر فتویٰ کمیٹی نے درج ذیل فتویٰ جاری کیا۔

جواب تم (نومسلم عورت) اپنے بیٹے مصطفی کی کفالت وحضانت کی زیادہ حقدار ہو، جب تک اس کا باپ کافر اور تم مسلمان ہو وہ بچہ اسلام کی وجہ سے تمھارے تابع ہوگا۔ کیونکہ کافر کو مسلمان کے مقابلہ میں حق ولایت حاصل نہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴾

[النساء:۴/ ۱۴۱]

''اور اللہ تعالیٰ کافروں کو مومنوں پر ہرگز کوئی راہ نہ دے گا۔''

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ﴾

[التوبة:۹/ ۷۱]

''اور مومن مرد اور مومن عورتیں بعض بعض کے حمایتی ہیں۔''

[فتاویٰ اللجنة الدائمة للبحوث العلمیہ: ۲۱/ ۱۹۸_ ۱۹۹: ۱۲۴۴۰]

پرورش اور نگہداشت کی اجرت:

پرورش کرنے کی اجرت رضاعت کی اجرت کی مثل ہے۔ بچے کی ماں جب تک خاوند کی زوجیت میں یا طلاق کی عدت میں ہے ان احوال میں وہ پرورش کی اجرت کی حق دار نہ ہوگی۔ کیونکہ بیوی ہونے کی صورت میں بیوی کا مطلقہ ہونے کی صورت میں اسے عدت کا خرچ ملتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾

[البقرة:۲/ ۲۳۳]

''اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں، یہ اس کے لیے ہے جو دودھ کی مدت پوری کرنا چاہے اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ معروف طریقے سے ان (مطلقہ عورتوں) کا کھانا اور کپڑا ہے۔''

نیز عدت کی مدت تمام ہونے پر پرورش کرنے والی والدہ اجرت کی ویسے ہی مستحق ہے، جیسے دودھ پلائی کی اجرت کی حق دار ہے، جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿ وَ اِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ﴾

[الطلاق:٦٥/٦]

''اور اگر وہ (طلاق یافتہ عورتیں) حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرو تاوقتیکہ وہ اپنا حمل وضع کر لیں، پھر اگر وہ تمھارے لیے (تمھارے بچوں کو) دودھ پلائیں تو انھیں ان کی اجرت دو اور آپس میں بہتر طریقے سے مشورہ کرو۔''

غیر والدہ پرورش و کفالت کی اجرت کی آغاز کفالت سے مستحق ہے، جیسے دایہ دودھ پلانے کی اجرت کی مستحق ہے۔ نیز جیسے والد پر رضاعت اور پرورش کی اجرت واجب ہے، اسی طرح اس پر مکان کا کرایہ یا گھر کی تعمیر کے اخراجات لازم آئیں گے، جب چھوٹے بچے کی والدہ کے لیے ذاتی گھر نہ ہو۔ اگر والد خوشحال اور صاحب حیثیت ہو تو اگر پرورش کرنے والی بچے کی والدہ کو پرورش کے لیے کسی ملازم یا ملازمہ کی ضرورت ہے تو اس کی فراہمی بھی والد کے ذمہ ہوگی۔ یہ چیزیں ان ضروریات مثلاً خوراک، لباس، بستر اور علاج معالجہ سے اضافی ہیں، کیونکہ ان ضروریات کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں اور یہ اجرت پرورش کے وقت سے لے کر اختتام پرورش تک ہے اور یہ اخراجات باپ کے ذمہ قرض ہیں جو ادائیگی ہی سے ساقط ہوں گے۔ [فقه السنه:٢/٢١٩]

کفالت کا اختتام:

جب بچہ سن تمیز و شعور کو پہنچ جائے اور عورتوں کی خدمت کی ضرورت سے مستغنی ہو جائے، بایں صورت کہ اپنی ضروری حاجات کا از خود اہتمام کر سکے، یعنی وہ اکیلا کھا سکے، اکیلا کپڑے پہن سکے اور طہارت و نظافت کا خود اہتمام کر لے، اس کی کوئی معین حد اور عمر تو نہیں، بلکہ سن تمیز اور عورتوں کی خدمت سے استغناء ہی معتبر حد ہے۔ چنانچہ جب بچہ سن شعور کو پہنچ جائے، عورت کی خدمت و نگہداشت سے خود کفیل ہو جائے اور اپنی ضروری حاجات ادا کرنے

کے قابل ہو جائے تو اس کی پرورش اور کفالت کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔

[فقه السنه: ۲/ ۴۲۰]

پھر علماء کا کفالت کی انتہائی مدت کی تعیین میں اختلاف ہے، بعض علماء نے اس کی آخری مدت سات سال، کچھ نے نو سال اور بعض نے گیارہ سال مقرر کی ہے۔ چنانچہ قاضی اور حاکم بچے کی مصلحت کو مدنظر رکھتے ہوئے سات سال کے بعد کسی بھی مدت کو حتمی قرار دے سکتا ہے۔ [فقه السنه: ۲/ ۴۲۰۔ ۴۲۱]

کفالت کے اختتام پر بچے کی حوالگی:

والدین میں جدائی کی صورت میں جب بچہ سات سال کی عمر یا سن تمیز کو پہنچ جائے اور کفالت کی ذمہ داری ختم ہو جائے تو اگر اس کا باپ یا ماں کسی ایک کے پاس بچے کی حوالگی پر راضی ہو جائیں تو اس اتفاق کو تسلیم کیا جائے گا۔

لیکن اگر بچے کی حوالگی کے معاملہ میں والدین کا اختلاف ہو جائے اور دونوں اسے اپنی تربیت میں لینے کے لیے بضد اور مصر ہوں تو اگر وہ قرعہ اندازی پر راضی ہو تو قرعہ کے ذریعے بچے کی حوالگی کا فیصلہ کیا جائے گا۔ لیکن اگر وہ قرعہ اندازی پر راضی نہ ہوں تو بچے کو والدین میں سے کسی ایک کے انتخاب کا حق دیا جائے گا۔ پھر وہ جسے منتخب کرے گا وہی اس کا مستحق قرار پائے گا۔

ابو میمونہ سلمی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھا تھا کہ ایک فارسی عورت اپنے بیٹے کے ساتھ آئی، اس کے خاوند نے اسے طلاق دے دی تھی اور وہ دونوں (میاں بیوی) بچے کو اپنی تربیت میں لینے کا دعویٰ کرتے تھے۔ اس عورت نے کہا: اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! (وہ فارسی میں ہم کلام ہوئی) میرا خاوند مجھ سے میرا بیٹا ہتھیانا چاہتا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم اس کے بارے میں قرعہ ڈال لو (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسے فارسی

میں کہا)، اس دوران اس کا خاوند آ گیا اور اس نے کہا: کون میرے بچے کے متعلق مجھ سے جھگڑا کر سکتا ہے؟ اس پر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یقینا میں وہی بات بیان کروں گا، جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی جب کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا اور اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

((إِنَّ زَوْجِي يُرِيدُ أَنْ يَذْهَبَ بِابْنِي، وَ قَدْ سَقَانِي مِنْ بِئْرِ أَبِي عِنَبَةَ، وَقَدْ نَفَعَنِي، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اسْتَهِمَا عَلَيْهِ ، فَقَالَ زَوْجُهَا : مَنْ يُحَاقُّنِي فِي وَلَدِي ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : هَذَا أَبُوكَ ، وَهَذِهِ أُمُّكَ ، فَخُذْ بِيَدِ أَيِّهِمَا شِئْتَ ، فَأَخَذَ بِيَدِ أُمِّهِ، فَانْطَلَقَتْ بِهِ))

''بلا شبہ میرا خاوند میرے بیٹے کو ہتھیانا چاہتا ہے حالانکہ وہ مجھے ابوعنبہ نامی کنویں سے پانی پلاتا ہے اور مجھے فائدہ دیتا ہے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم دو (میاں بیوی) اس پر قرعہ ڈال لو، تو اس کے خاوند نے کہا: میرے بچے کے بارے میں کون مجھ سے جھگڑا کر سکتا ہے؟ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (بچے کو) ارشاد کیا۔ یہ تیرا باپ ہے اور یہ تیری ماں ہے، جس کا چاہے ہاتھ پکڑ لے۔ اس نے اپنی والدہ کا ہاتھ پکڑا اور وہ عورت اس بچے کو لے کر چل دی۔''

[سنن أبو داؤد: ۲۲۷۷، سنن نسائی: ۳۵۲۶، سنن دارمی: ۲۲۹۳۔ مستدرک حاکم: ۹۷/۴، سنن بیہقی: ۳۰/۸] صحیح

نومولود کی تربیت کا بیان

اولاد کی دیگر ضروریات کی ادائیگی کی طرح اس کی تربیتی ذمہ داری بھی والدین کا فرض ہے اور والدین کو اس ذمہ داری سے کوتاہی نہیں کرنی چاہیے، بلکہ پوری ذمہ داری کے ساتھ اولاد کی دینی تربیت کا اہتمام کرنا چاہیے۔ کیونکہ اولاد کی دینی تربیت کرنا، انھیں اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانا، انھیں اسلامی عقائد ونظریات سکھانا اور فرائض وعبادات کی تعلیم دینا والدین کی اہم ذمہ داری ہے، جو اولاد کے راسخ العقیدہ مسلمان ہونے کی دلیل اور اس کی اخروی کامیابی کی ضمانت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴾ [التحریم:٦]

''اے ایمان والو! تم خود کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ، جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، جس پر سخت دل بہت مضبوط فرشتے ہیں جو اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے جو وہ انھیں حکم دے اور جو وہ حکم دیے جاتے ہیں کر گزرتے ہیں۔''

اس آیت کریمہ میں گھر کے سرپرست کی اہم ذمہ داری بیان ہوئی ہے کہ وہ اپنے اہل خانہ اور اولاد کی دینی واخلاقی تربیت کا اہتمام کرے اور انھیں غلط عقائد ونظریات اور عادات سے بچا کر جہنم سے محفوظ کر دے۔

اولاد کی دینی و اخلاقی تربیت والدین کی اہم ذمہ داری ہے۔اس ذمہ داری کو بطریق احسن نبھانے والے والدین روز قیامت یقینا کامیاب ہوں گے اور جنت میں انھیں اولاد کا ہمیشہ کا ساتھ نصیب ہو گا۔ لیکن اس ذمہ داری سے کوتاہی، عدم توجہی اور لاپروائی کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی اور بچوں کی دینی تربیت میں بے اعتنائی کرنے والے اور عدم توجہی کا شکار والدین کو روز قیامت ذلت و ہزیمت اٹھانی پڑے گی اور ناکامی و نامرادی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، الإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي أَهْلِهِ وَهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْؤُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا، وَالْخَادِمُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ وَمَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ))

''تم سب نگران ہو اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی ذمہ داری کا سوال ہوگا۔ حاکم (رعایا) کا نگران ہے اور اسے اپنی رعایا کے متعلق سوال ہوگا۔ آدمی اپنے اہل خانہ کا نگران ہے اور اسے اپنے ماتحت افراد کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی، بیوی اپنے خاوند کے گھر کی ذمہ دار ہے اور اس سے اس ذمہ داری کی باز پرس ہوگی اور خادم اپنے مالک کے مال کا محافظ ہے، اسے اس نگرانی کے بارے میں سوال ہوگا۔''

[صحیح بخاری:۸۹۳، صحیح مسلم:۱۸۲۹، سنن أبو داؤد، جامع ترمذی: ۱۷۰۵]

لہٰذا اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے پوری جانفشانی سے اسلامی خطوط پر

بچوں کی تربیت کریں کہ وہ جوان ہو کر مغرب کا گرویدہ بننے کے بجائے امت مسلمہ کا عظیم سرمایہ ثابت ہوں اور نفاذ اسلام، اشاعت دین اور ترویج دین میں ممد و معاون ثابت ہوں۔

اولاد کی عمدہ تربیت کے لیے مفید مشورے:

ذیل میں اولاد کی دینی تربیت کے حوالے سے کچھ گزارشات ہیں، جن پر عمل پیرا ہو کر آپ بچوں کی بہترین تربیت کر سکتے ہیں اور یہ مفید مشورے تربیت اولاد کے لیے نہایت کارگر ثابت ہوں گے۔

بچوں کو اسلامی عقائد و نظریات سکھائیے:

والدین پر لازم ہے کہ وہ اولاد کو اسلامی عقائد و نظریات کی تعلیم دیں۔ انھیں کتاب و سنت کے قوانین کے مطابق ڈھالیں، اچھے اخلاق و آداب سے مزین کریں، اچھے دوستوں کا مصاحب بنائیں، بری عادات و اخلاق سے بچائیں اور فحش پروگرامز سے دور رکھنے کی کوشش کریں۔ ان تربیتی امور پر توجہ دیں اور اسے اپنی ذمہ داری کا حصہ سمجھیں تو آپ کی توجہ خاص سے آپ کی اولاد اسلامی نظریات میں راسخ، عقیدہ توحید میں پختہ، ارکان اسلام کی پابند اور شریعت اسلامیہ کی خوگر بن سکتی ہے۔

یاد رکھیں! کوئی بھی مذہب، نظریہ، طریقہ تعلیم و تربیت اسلام سے بہتر اور فطرت کے عین موافق نہیں۔ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین، تورات و انجیل کے منحرف و منسوخ عقائد، راہبوں، پنڈتوں اور عقل پرستوں کے اصول و قوانین زندگی میں بے شمار افراط و تفریط اور فکری و تربیتی کوتاہیاں رکھتے ہیں اور لیکن دین اسلام کی تعلیمات، نظریاتی افکار اور تربیتی قوانین افراط تفریط سے پاک اور فطرت کے عکاس ہیں۔ جن کے سامنے عقل، سائنس اور جدید ٹیکنالوجی کی محیر العقول ایجادات ہیچ ہیں۔ لہٰذا اسی دین فطرت کے مطابق اپنی اولاد کی تربیت کیجیے اور

اسلامی تربیتی اصولوں سے انھیں آراستہ کیجیے۔ مغربی افکار، ان کی تہذیب اور ان کے کھوکھلے معیار زندگی سے مرعوب نہ ہوں۔ اپنی اولاد میں عقیدہ توحید، اسلامی نظریات اور اسلامی عبادات کا تصور راسخ کیجیے۔ انھیں ڈاکٹر، انجینئر، پروفیسر، سائنسدان، تاجر، حاکم اور معاشرے کا کامیاب ترین فرد بنانے کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات سے آراستہ ضرور کیجیے۔ کیونکہ دین اسلام سے وابستگی اولاد کے روشن مستقبل کی نوید ہے اور اسلام سے لگاؤ آپ کے اور آپ کی اولاد کے حق میں بہترین پیش خیمہ ثابت ہوگا۔ نیز دنیوی و اخروی کامیابی کا انحصار بھی دین اسلام سے مضبوط تعلق پر ہے، لہٰذا سستی، کاہلی اور لا پروائی کا مظاہرہ نہ کریں۔ اولاد کی پیدائش کے ساتھ ہی اسلامی ماحول دیں کہ شعور کی آنکھیں کھولنے کے ساتھ جب وہ گھر میں اسلامی عقائد، نظریات اور عبادات کا عملی مظاہرہ دیکھیں گے تو از خود ان کا میلان مذہب کی طرف ہو جائے گا اور آپ کی مزید محبت سے یہ امت مسلمہ کا اثاثہ ثابت ہوں گے اور معاشرے کے کئی افراد کی اصلاح کا باعث بھی ہوں گے۔ لہٰذا انھیں گھر میں اسلامی ماحول فراہم کریں، یہ ان کے پختہ مسلمان ہونے کی خشت اول اور اصلاح عقائد و نظریات کا پہلا زینہ ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كُلُّ إِنْسَانٍ تَلِدُهُ أُمُّهُ عَلَى الْفِطْرَةِ ، وَأَبَوَاهُ بَعْدُ يُهَوِّدَانِهِ وَيُنَصِّرَانِهِ وَيُمَجِّسَانِهِ، فَإِنْ كَانَا مُسْلِمَيْنِ فَمُسْلِمٌ))

ہر انسان کو اس کی والدہ فطرت پر جنتی ہے۔ پھر اس کے والدین اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں اور اگر وہ مسلمان ہوں تو بچہ مسلمان ہوتا ہے۔

[صحیح مسلم:۲۶۵۸]

خدارا! اپنی اولاد پر ترس کھائیے۔ ان کے روشن مستقبل اور تابناک زندگی کو اندھیر نہ کیجیے، بلکہ اسلامی عقائد و نظریات، شرعی احکام اور دین کے بنیادی مسائل کی تعلیم دے کر انھیں پختہ مسلمان بنائیے۔ دنیاوی سٹیٹس، عمدہ معیار زندگی، بہترین روزگار کی فراہمی، یہود و نصاریٰ کی مذہبی آزادیوں اور ان کی بے تحاشا دولت سے مرعوب ہو کر بچوں کو لا دین اور دنیا کے غلام نہ بنائیے۔ اصل دولت دین اسلام سے شدید وابستگی اور شریعت اسلامیہ کی اتباع ہے۔ اگر آپ اور آپ کی اولاد دولت ایمان سے بہرہ ور ہیں تو یہ نعمت عظمیٰ دو جہانوں کی کامیابی کی ضمانت اور روشن مستقبل کی نوید ہے۔

اس کے برعکس دین سے بیزاری، شرعی قوانین سے نفرت و بے اعتنائی تاریک مستقبل کی دلیل اور غضب الٰہی کا پیش خیمہ ہے۔ کتنے ہی والدین ہیں جو بچوں کی دنیوی تعلیم کے لیے اپنی استطاعت سے زیادہ خرچ کرتے اور بے پناہ توانائیاں صرف کرتے ہیں، لیکن یہی بچے جنھیں دنیاوی تعلیم اور اسکول کالج کی کتابوں سے سر کھپانے کی فرصت نہیں ہوتی، اسلامی عقائد و نظریات سے نابلد، ارکان اسلام سے ناواقف، اپنے مقصد حیات سے بے بہرہ اور اسلام کے بنیادی رکن نماز سے غافل ہوتے ہیں۔ بچہ ایک دن ٹیوشن یا اسکول سے غیر حاضری کر لے تو ہم اسے مار مار کر ادھ موا کر دیتے ہیں، اس کے سہانے مستقبل کے خواب ٹوٹتے اور روشن مستقبل تاریک ہوتا نظر آتا ہے۔ والدین الگ پریشان، اعزاء و اقارب اپنی جگہ مضطرب ہوتے اور اسے مستقبل سے ڈراتے ہیں کہ تم دنیاوی دوڑ میں پیچھے رہ جاؤ گے۔ افسروں کے تلوے چاٹو گے اور ہوٹلوں میں برتن مانجو گے، نیز معاشرے میں بے آبرو زندگی تمھارا مقدر ٹھہرے گی۔ لیکن یہی عقل کل کے مالک اور معاشرے کے جہاندیدہ لوگ بچے کی بے دینی، اور اسلام سے دوری کی وجہ سے فکر مند ہیں، نہ بے کل، حالانکہ اسلامی عقائد و نظریات سے وابستگی اور ارکان و عبادات کا اہتمام بچے کے روشن مستقبل اور شاندار زندگی کا سامان ہے، کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ بے دین اعلیٰ افسر، اہم حکومتی عہدیدار، عظیم

بزنس مین اور کامیاب ترین سرمایہ دار دنیاوی زندگی کے لحاظ سے تو شاید قابل رشک اور پر سکون ہو۔ لیکن اخروی زندگی کے آغاز ہی پر جہنم کی اذیت ناک سزائیں اور رہولناک مناظر اس کی دنیاوی آسائشیں بدمزہ کر دیں گے اور دنیا کی تمام رعنائیاں، شہنائیاں اور راحتیں جہنم کی ایک لپٹ سے کافور ہو جائیں گے، جب کہ اسلام پر کاربند دنیاوی سہولتوں سے محروم شخص جنت کے پہلے ہی دیدار سے دنیا کے سارے دکھ، تکالیف اور پریشانیوں کو بھول جائے گا اور جنت کے حسین مناظر اس کے تلخ ماضی کی یادیں اس کے ذہن سے کھرچ دیں گے اور ہمیشہ کی راحتوں بھری زندگی اور دائمی آسائشیں اس کا مقدر ٹھہریں گے۔

سو، سمجھداری کا مظاہرہ کیجیے، دنیاوی ترقی کے ساتھ اولاد کی دینی تربیت پر خصوصی توجہ دیجیے، اولاد کو دینی تعلیم سکھانے اور شرعی احکام سے آراستہ کرنے میں ذرا عار محسوس نہ کیجیے، بلکہ دیکھئے یہودی یہودیت سے مخلص، عیسائی عیسائیت سے مانوس، ہندو ہندومت سے ٹوٹ کر محبت کرتے اور اپنے باطل ادیان پر فخر محسوس کرتے ہیں، جب کہ ہم سچے دین کے متبع ہیں۔ لہٰذا ان سے بڑھ کر اسلام دوستی کا مظاہرہ کیجیے اور اسلام دوستی کا ثبوت آپ کی اولاد کی دینی تعلیم و تربیت سے عیاں ہو گا۔

نماز کا پابند بنایئے:

اگر آپ خود نمازی ہیں تو آپ پر اللہ تعالیٰ کا عظیم فضل اور بڑا احسان ہے، لیکن اگر آپ نماز کے معاملہ میں خود تغافل کا شکار اور بے عملی کے مظاہر ہیں تو اس روش کو فوراً ترک کرنا چاہیے، خود بھی نماز کا اہتمام کریں اور بچوں کو بھی نماز کا پابند بنائیں۔ کیونکہ آپ خود نماز ادا کرنے سے اس فریضہ سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے، بلکہ بحیثیت والدین آپ پر بھی واجب ہے کہ اپنی اولاد کو نماز کی تاکید کریں اور انھیں نماز کا پابند بنائیں۔ بچوں کے سن شعور میں داخل ہونے سے پہلے اگر وہ آپ کو نماز کا پابند اور شریعت اسلامیہ پر عامل دیکھیں گے تو آپ کی معمولی توجہ ہی سے وہ نماز پڑھنا شروع کر دیں گے۔ پھر اگر وہ سستی

وکاہلی کا مظاہرہ کریں تو انھیں بڑے لاڈ پیار سے نماز کی فرضیت اور اس کے دنیاوی و اخروی فوائد سے روشناس کریں۔ ترک نماز کی ہلاکت خیزیوں سے ڈرائیں اور آپ کی مسلسل یاد دہانی سے وہ یقیناً نماز کی پابندی اختیار کر ہی لیں گے۔ اہل خانہ اور اولاد کو نماز کا پابند کرانا گھر کے بڑوں کا فریضہ ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَ اْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَ الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴾ [طٰہٰ: ۱۳۲/۲۰]

''اور اپنے اہل خانہ کو نماز کا حکم دے اور اس پر قائم رہ، ہم تجھ سے کسی رزق کا سوال نہیں کرتے، ہم ہی تجھے رزق دیں گے اور اچھا انجام تقویٰ کا ہے۔''

اس آیت میں گھر کے افراد مثلاً بیوی اور اولاد کو نماز کی تاکید کرنے کا حکم ہے اور کبھی کبھار کی تلقین سے آپ اس فریضہ سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے، بلکہ اس تاکید کو دائمی عادت بنائیے اور نماز کے معاملہ میں اولاد کی مکمل نگرانی کیجیے۔ یوں آپ معیار تقویٰ پر فائز ہو سکتے اور اپنی نجات کا سامان کر سکتے ہیں۔ نیز قرآن حکیم میں اسماعیل علیہ السلام کا یہ وصف بیان ہوا ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکاۃ کی پابندی کا حکم دیا کرتے تھے، ان کا یہ اصول تربیت اہل اسلام کے لیے بہترین نمونہ اور اچھی یادگار ہے۔ لہٰذا آپ اس اصول تربیت کو اختیار کیجیے۔ اس طریقہ کار کو اختیار کرنے سے آپ کی اولاد پانچ وقت کی نمازی بن جائے گی اور آپ کا گھر رحمتوں اور برکتوں کے نزول کا مرکز بن جائے گا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ كَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ وَ كَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴾

[مریم: ۵۵/۱۹]

''اور وہ (اسماعیل علیہ السلام) اپنے گھر والوں کو نماز اور زکاۃ کا حکم دیتے تھے اور اپنے

رب کے ہاں پسند کیے ہوتے تھے۔‘‘

اولاد کو نمازی بنانا اور سلف کا طریقہ کار:

بچوں کو نماز کی تلقین کرنا اسلاف کا طریقہ اور نبی ﷺ کا تاکیدی حکم ہے۔ اس لیے اولاد کو نماز کی پابندی کرائیں۔ انھیں مسنون نماز سکھائیں اور گھر اور مسجد میں انھیں اپنے ساتھ نماز میں کھڑا کریں۔ تمھارا یہ عمل تمھاری اولاد کو مستقبل کا پختہ نمازی اور رب تعالیٰ کا مطیع بنا دے گا۔ لقمان حکیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو نماز کی تلقین کیا کرتے تھے اور ان کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند آیا کہ اسے قرآن بنا دیا کہ رہتی دنیا تک والدین اس نصیحت کو قبول کریں اور اس طریقہ تربیت کو اختیار کر کے اولاد کو نماز کا پابند بنا لیں۔ فرمایا:

﴿ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾

[لقمان: ۱۷/۳۱]

’’اے میرے چھوٹے بیٹے! نماز قائم کر اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے روک اور تجھے جو مصیبت پہنچے اس پر صبر کر، یقیناً یہ ہمت کے کاموں سے ہے۔‘‘

بچوں کو نمازی بنانے کا بہترین اور مؤثر طریقہ:

بچوں کو نمازی بنانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ نماز ادا کرتے وقت انھیں اپنے ساتھ کھڑا کریں۔ انھیں مسجد میں لے کر جائیں اور چھوٹی عمر میں انھیں نماز کی پابندی کرائیں۔ یوں بڑے ہو کر وہ نماز میں دلچسپی لیں گے اور تربیت کے حوالے سے آپ کا کام کافی آسان ہو جائے گا۔ نبی ﷺ کا بچوں کو نمازی بنانے کا طریقہ کار بھی یہی تھا۔

ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي وَ هُوَ حَامِلٌ أُمَامَةَ بِنْتَ زَيْنَبَ بِنْتِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِأَبِي الْعَاصِ بْنِ رَبِيعَةَ بْنِ عَبْدِ شَمْسٍ، فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَهَا ، وَإِذَا قَامَ حَمَلَهَا))

''بلا شبہ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی جب کہ آپ ﷺ نے امامہ بنت زینب بنت رسول اللہ ﷺ (ابو العاص بن ربیعہ کی بیٹی) کو اٹھا رکھا تھا۔ پھر جب آپ ﷺ سجدہ کرتے تو اسے نیچے رکھ دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو اسے اٹھا لیتے۔''

[صحیح بخاری:٥١٦، صحیح مسلم:٥٤٣]

آپ ﷺ نے یہ عمل نفل نماز میں نہیں، بلکہ فرض نماز میں حالت جماعت میں کیا، تاکہ عام لوگ بھی اس سے راہنمائی لیں اور بچوں کی تربیت کے لیے اس طریقہ نبوی کو اختیار کریں۔ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

((رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّ النَّاسَ وَ أُمَامَةُ بِنْتُ أَبِي الْعَاصِ وَهِيَ ابْنَةُ زَيْنَبَ بِنْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، عَلَى عَاتِقِهِ ، فَإِذَا رَكَعَ وَضَعَهَا، وَإِذَا رَفَعَ مِنَ السُّجُودِ أَعَادَهَا))

''میں نے نبی ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ لوگوں کو امامت کروا رہے تھے جب کہ امامہ بنت ابی العاص (زینب بنت رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی) آپ ﷺ کے کندھے پر تھی اور جب آپ ﷺ رکوع کرتے تو اسے نیچے اتار دیتے اور

جب سجدہ سے اٹھتے تو اسے دوبارہ اٹھا لیتے۔"

[صحیح مسلم:۵۴۳]

یہ احادیث دلیل ہیں کہ بچوں کو مساجد میں لے جانا جائز ہے اور دوران نماز انھیں اٹھانے اور نیچے رکھنے سے نماز میں نقص واقع نہیں ہوتا، پھر بجائے اس کے کہ اس سنت حسنہ کو جاری کیا جائے ہمارا رویہ یہ کہ جب بچوں کو مساجد لے کر جایا جائے تو بزرگوں کی اکثریت اور کچھ حساس لوگ شور ڈال دیتے ہیں کہ بچے نماز میں خلل ڈالتے ہیں، جس سے نماز میں یکسوئی نہیں رہتی تو کیا بچوں کو مساجد سے روک دیا جائے؟ یہ طریقہ درست نہیں، اس سے بچے نمازی بننے سے محروم ہو جائیں گے، بلکہ ہونا یہ چاہیے کہ بچوں کے سرپرست نماز میں بچوں کو اپنے قابو میں رکھیں، انھیں شرارتوں سے باز کریں، پھر بچے ناداں ہوتے ہیں، وہ شرارتیں ہی کریں گے اور کیا کریں گے۔ آپ کی ذمہ داری ہے کہ حوصلے سے کام لیں اور ان کی معصوم شرارتوں کو برداشت کریں۔ تمھارا معمولی سا درگزر اور برداشت انھیں مستقبل کا پختہ نمازی اور مساجد کا گرویدہ بنا دے گی۔ نیز بچوں کو مسجد نبوی میں نبی ﷺ کی موجودگی میں شرارتیں کرنا ثابت ہے، لہٰذا اسے خواہ مخواہ ہوا بنا لینا درست نہیں۔ آپ ان کی شرارتوں کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے نماز میں یکسو رہیں، گستاخی معاف جب مساجد میں بزرگوں کی سیاست اور حالات حاضرہ پر بحث چھڑتی ہے تو اس سے تو کسی کی نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ لہٰذا اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ بچوں کو بھی مساجد میں برداشت کریں، ان کی تربیت کریں اور جتنا زور ان کے مساجد سے داخلہ بندی پر لگایا جاتا ہے اتنی محنت ان کی تربیت پر کریں۔ انھیں لاڈ پیار کے ساتھ کھڑا کریں اور ان کی نگرانی کریں آپ کی اس کاوش سے مساجد کا ماحول خوشگوار ہو جائے گا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فَإِذَا سَجَدَ وَثَبَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ عَلَى ظَهْرِهِ ، فَإِذَا مَنَعُوهُمَا أَشَارَ إِلَيْهِمْ أَنْ دَعُوهُمَا ، فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ وَضَعَهُمَا فِي حِجْرِهِ ، فَقَالَ : مَنْ أَحَبَّنِي فَلْيُحِبَّ هَذَيْنِ))

''رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا رہے تھے اور جب آپ ﷺ نے سجدہ کیا تو حسن و حسین رضی اللہ عنہما اچھل کر آپ ﷺ کی پشت پر سوار ہو گئے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انھیں منع کیا تو آپ ﷺ نے انھیں اشارہ کیا کہ انھیں چھوڑ دو۔ پھر جب آپ ﷺ نے نماز مکمل کی تو انھیں اپنی گود میں رکھا اور فرمایا: ''جو شخص مجھ سے محبت کرتا ہے وہ ان سے محبت کرے۔''

[ابن خزیمہ:۸۸۷، صحیح ابن حبان: ۱۹۳۱، مسند ابو یعلی:۵۰۱۷] حسن

دس سال کا بچہ نماز نہ پڑھے تو اسے مار کر نماز پڑھایئے:

سات سال تک بچوں کو نماز کی ترغیب دیجیے۔ انھیں نماز کا شوق دلایئے اور نماز کی اہمیت و افادیت اجاگر کیجیے۔ پھر جب بچہ سات سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے نماز کی خاص تاکید کیجیے اور سستی و کاہلی کا شکار نہ ہونے دیجیے۔ سات سے لے کر دس سال کی عمر کا عرصہ اگر آپ نماز میں بچے کو سست نہ ہونے دیں اور اس کے نماز کے معمولات بگڑنے نہ دیں تو دس سال سے پہلے پہلے بچہ نمازی بن جائے گا۔ لیکن دس سال کے بعد نماز کے معاملہ میں چشم پوشی تو ہرگز برداشت نہیں اور اگر دس سال کا بچہ نماز میں کوتاہی اور لاپروائی کا مظاہرہ کرے، سرے سے نماز ہی نہ پڑھے تو اسے زبردستی نماز پڑھایئے اور اس معاملہ میں اگر جبر و تشدد بھی کرنا پڑے تو دریغ نہ کیجیے۔ پھر بلوغت کے بعد تو ترک نماز کی کوئی گنجائش ہی

نہیں بلوغت کے بعد نماز چھوڑنے والوں کو جیسے تیسے نماز پڑھا سکتے ہیں، خواہ سخت مار مارنی پڑے یا بائیکاٹ کرنا پڑے بس انھیں نماز کا پابند ضرور بنائیے۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مُرُوْا اَوْلَادَكُمْ وَ هُمْ أَبْنَآءُ سَبْعِ سِنِيْنَ، وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَآءُ عَشْرِ سِنِيْنَ، وَ فَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِيْ الْمَضَاجِعِ))

''اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہوں اور اس (ترک نماز) پر انھیں مارو جب وہ دس سال کے ہوں اور (دس سال کی عمر میں) ان کے بستر الگ کر دو۔''

[مسند احمد: ۱۸۷/۲، سنن ابوداؤد: ۴۹۵، مستدرک حاکم: ۱۹۷/۱، سنن بیہقی: ۹۴/۷] حسن

فقہ الحدیث:

۱۔ علقمی رحمہ اللہ کہتے ہیں: دس سال کی عمر میں ترک نماز پر مارنے کا حکم اس لیے ہے کہ عموماً بچہ اس عمر میں مار برداشت کرنے کے قابل ہو جاتا ہے اور مقصود یہ ہے کہ اسے بے تحاشا نہ مارا جائے بلکہ ہلکی مار ماری جائے اور چہرے پر مارنے سے اجتناب کیا جائے۔

۲۔ خطابی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ جب بچہ دس سال کا ہو جائے تو ترک نماز پر اسے مارو، دلیل ہے کہ بالغ ہونے کے بعد نماز چھوڑنے پر اسے سخت سزا دی جائے اور بعض فقہائے شافعیہ کہتے ہیں: یہ حدیث دلیل ہے کہ بلوغت کے بعد عمداً نماز چھوڑنے پر اسے قتل کرنا واجب ہے۔ چنانچہ بلوغت سے قبل نماز چھوڑنے پر بچہ مار کا مستحق قرار پاتا ہے۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بلوغت کے بعد نماز چھوڑنے پر وہ مار سے سخت سزا کا مستحق ہے، نیز علماء بیان کرتے ہیں کہ مار کے بعد سخت ترین سزا

قتل ہی ہے۔

[عون المعبود: ۲/۱۲۲، تحفۃ الاحوذی: ۲/۳۰۸]

۳۔ لیکن ہمارا المیہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہونے والے بچے کے عارضی مستقبل، دنیاوی منفعت و ترقی، افسری، اعلیٰ تعلیم اور دنیا میں عروج حاصل کرنے کے حوالے سے والدین کے دلوں میں لاکھوں خواہشات ابھرتی اور ان گنت تصورات تلملاتے ہیں۔ دن رات حصول دنیا کے لیے انتھک کوششیں کی جاتی ہیں۔ ٹیوشن کے بھاری اخراجات اور مہنگے ترین اسکولز کی کمر توڑ فیسیں ادا کی جاتی ہیں، اگر بچہ ٹیوشن یا اسکول سے انکار کرے تو ہڈی پسلی ایک کر دی جاتی ہے، گھر میں اس کا عرصہ حیات تنگ کر دیا جاتا ہے۔ ہوٹلوں کی ملازمت اور دنیاوی ذلت کا خوف دلایا جاتا ہے، لیکن اولاد کے ترک نماز پر نہ والد کے کان پر جوں رینگتی ہے اور نہ والدہ تشویش و اضطراب کا شکار ہوتی ہے۔ بچے کی اعلیٰ تعلیم کے سہانے خواب، دنیاوی ترقی کی منازل طے کرنا اور اعلیٰ عہدے کی نامزدگی یہ سب چیزیں مبارک ہوں، لیکن اسے مسلمان تو بنایئے، نماز کی پابندی کروایئے، کتاب و سنت کے احکام کی تعمیل میں اس کے دل میں نماز پڑھنے اور مسجد میں جانے کا شوق تو پیدا کیجیے، یہ کتنی بڑی حماقت ہے کہ عارضی زندگی کی بہتری کے لیے تو ہم بچے پر بے تحاشا بوجھ ڈالیں، لیکن مستقبل کی دائمی فلاح، نا ختم ہونے والی زندگی کی ترقی، جنت کی دائمی راحتوں اور ہمیشہ کی آسائشوں سے محروم کر کے اسے بے نماز ایجوکیٹر، ڈاکٹر، پروفیسر، سیکرٹری، اور کامیاب تاجر بنا کر اس کی عاقبت خراب کر دیں۔ یہ کتنے گھاٹے کا سودا ہے؟

خدارا! رکیے، جذبات و احساسات کو لگام ڈالیے، معیشت اور معاش کے جھمیلوں سے نکل کر سوچیے کہ تخلیق انسانیت کا اصل مقصد کیا ہے؟ ہم سے پہلے کی اقوام نے بڑی ترقیاں کیں، بڑے بڑے سائنسی کمالات دکھائے، پہاڑوں کو تراش کر بڑی شاندار عمارتیں تعمیر کیں،

معیشت کی ترقی کو چار چاند لگائے، معیار زندگی کو عروج بخشا، بڑے بڑے شہ دماغوں اور ارسطوؤں کا ڈنکا بجا، لیکن دین سے دوری، رب تعالیٰ کی بغاوت، انبیاء کی تعلیمات سے انحراف کی صورت میں ان کا انجام کیا ہوا؟ تباہی، ہلاکت، بربادی، بدترین عذاب، ذلت و رسوائی، آخرت کی ناکامی اور جہنم کی آبادکاری، اس کے سوا انھیں کیا ملا؟ سو دنیا کی ظاہری چمک دمک، مغرب و یورپ کی ہوش ربا ترقی اور معیار زندگی سے مرعوب ہونے کے بجائے دین حنیف سے لو لگایئے، بچوں کی اسلامی نہج پر تربیت کیجیے، کتاب و سنت کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اپنا اور اپنی اولاد کا مستقبل سنواریے، انھیں دنیاوی شہزادے اور رئیس بنانے کے ساتھ ساتھ جنت کے شہزادے اور اللہ تعالیٰ کے مطیع بنایئے۔ واللہ ولی التوفیق

قرآن حکیم کی تعلیم دیجیے:

بچے جونہی پڑھنے کے قابل ہوں تو انھیں روز مرہ کی دعاؤں اور عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم کی تعلیم ضرور دیجیے، انھیں ناظرہ قرآن سکھایئے، تیسواں پارہ مکمل یا اس کے آخر سے آسان سورتیں حفظ کرائیں، کیونکہ قرآن حکیم سے وابستگی رشد و ہدایت کا ذریعہ، تربیت کا بہترین سبب اور بے شمار نیکیوں کا خزینہ ہے۔ لہٰذا باقی علوم کی نسبت قرأت قرآن پر زیادہ توجہ دیجیے اور اگر کسی اچھے قاری یا قاریہ کا بندوبست ممکن ہو تو بچوں کو ان سے قرآن کی تعلیم دلوایئے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم سکھانے کی ترغیب پر درج ذیل عنوان قائم کیا ہے۔

((بَابُ تَعْلِيمِ الصِّبْيَانِ الْقُرْآنَ))

''بچوں کو قرآن سکھانے کا بیان۔''

[صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن: قبل از حدیث: ۵۰۳۵]

نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول تھا کہ وہ بچپن ہی میں بچوں کو قرآن حکیم کی تعلیم دیتے اور

چھوٹی عمر میں بچے قرآن کریم حفظ کرنا شروع کر دیتے تھے اور سن تمیز تک پہنچنے کی عمر میں انھیں کافی قرآن حفظ ہو چکا ہوتا تھا۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ جن صورتوں کو تم مفصل کہتے ہو وہ محکم صورتیں ہیں، نیز وہ بیان کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا:

((تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ أَنَا ابْنُ عَشْرِ سِنِيْنَ، وَ قَدْ قَرَأْتُ الْمُحْكَمَ))

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو میں دس سال کا تھا اور میں محکم (یعنی مفصل صورتیں جو راجح قول کے مطابق سورہ حجرات سے لے کر آخر قرآن تک ہیں) پڑھ چکا تھا۔''

[مسند احمد: ۱/۲۵۳، صحیح بخاری: ۵۰۳۵]

نیز قرآن کی تعلیم کو دیگر علوم و فنون پر اس لیے بھی ترجیح دینی چاہیے کہ قرآن سیکھنا اور سکھانا افضل علم ہے۔ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَ عَلَّمَهُ))

''تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن کی تعلیم سیکھے اور سکھائے۔''

[صحیح بخاری: ۵۰۲۷، سنن أبو داؤد: ۱۴۵۲، جامع ترمذی: ۲۹۰۷]

تحفیظ قرآن اخروی عظمت و عروج کا باعث:

کوشش کریں بچوں کو قرآن زبانی یاد کرائیں اور انھیں حافظ قرآن بنائیں، یہ بچوں کے دنیاوی فائدے کے ساتھ ساتھ اخروی رفعت و عروج کا باعث بھی ہے، جہاں تمام علوم و فنون کے اثرات ذہنوں سے مٹ جائیں گے، وہاں قرآن کا تعلق حافظ قرآن کے ساتھ استوار رہے گا اور حافظ قرآن کو کہا جائے گا کہ قرآن کی تلاوت کے ساتھ اخروی منازل

طے کرتا جا۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ : اقْرَأْ ، وَارْتَقِ ، وَ رَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا فَإِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةٍ تَقْرَؤُهَا))

''(روز قیامت) حافظ قرآن سے کہا جائے گا، قرآن کی تلاوت کر اور (آخرت کی منازل) چڑھتا جا، قرآن اس طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جیسے دنیا میں ترتیل کے ساتھ پڑھا کرتا تھا، بلا شبہ تیری منزل اس آیت کی انتہاء پر ہے۔ جو (آخری آیت) تو تلاوت کرے گا۔''

[سنن أبو داؤد: ۱۴۶۴] حسن

لہٰذا بچوں کے ارفع مستقبل کے لیے انھیں قرآن حکیم حفظ کروایئے، جو ان کی اخروی رفعتوں اور بلندیوں کا پیش خیمہ ہے۔

کھانے پینے کے آداب سکھائیں:

بچوں کو کھانے پینے کے مسنون آداب ضرور سکھائیں، کیونکہ اکثر لوگ بڑی عمر میں داخل ہونے کے باوجود کھانے پینے کے مسنون آداب سے غافل ہوتے ہیں اور بڑے دھڑلے سے شیطانی طریقوں کو رواج دیتے ہیں۔

کھانے کے مسنون آداب

۱۔ بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کریں:

بچوں کو کھانے اور پینے کے آداب میں سب سے پہلا ادب یہ سکھائیں کہ وہ کھانے کا آغاز بسم اللہ سے کریں، اس سے کھانے میں برکت بھی واقع ہوگی اور شیطان بھی ایسے کھانے سے محروم رہے گا۔

۲۔ عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر کفالت تھا اور کھانے کے دوران میرا ہاتھ پلیٹ میں گھوم رہا تھا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد کیا۔

((يَا غُلَامُ ! سَمِّ اللّٰهَ ، وَ كُلْ بِيَمِيْنِكَ ، وَ كُلْ مِمَّا يَلِيْكَ))

"اے بچے! بسم اللہ پڑھ، دائیں ہاتھ سے کھا اور اپنے سامنے سے کھا۔"

[صحیح بخاری: ۵۳۷۶، صحیح مسلم: ۲۰۲۲]

۳۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ الشَّيْطَانَ يَسْتَحِلُّ الطَّعَامَ أَنْ لاَّ يُذْكَرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ))

بلا شبہ شیطان ایسے کھانے کو حلال سمجھتا ہے جس پر اللہ کا نام ذکر نہ کیا جائے۔

[صحیح مسلم: ۲۰۱۷]

کھانا دائیں ہاتھ سے کھائیں:

بچوں کو دائیں ہاتھ سے کھانا کھانے کی عادت ڈالیں اور انھیں اس بات کا پابند کریں کہ وہ کھانے اور پینے میں دایاں ہاتھ استعمال کریں، کیونکہ دائیں ہاتھ سے کھانا واجب ہے۔

عمر بن سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا:

((سَمِّ اللّٰهَ ، وَ كُلْ بِيَمِيْنِكَ ، وَ كُلْ مِمَّا يَلِيْكَ))

''کھانے کے شروع میں بسم اللہ پڑھ، دائیں ہاتھ سے کھا اور اپنے سامنے سے تناول کر۔''

[صحیح بخاری: ۵۳۷۶، صحیح مسلم: ۲۰۲۲]

نیز بائیں ہاتھ سے کھانا یا پینا حرام ہے، لہٰذا بچوں کو کھانے اور پینے میں بایاں ہاتھ استعمال کرنے سے منع کرنا چاہیے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَأْكُلْ بِيَمِيْنِهِ ، وَ إِذَا شَرِبَ فَلْيَشْرَبْ بِيَمِيْنِهِ ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِشِمَالِهِ ، وَ يَشْرَبُ بِشِمَالِهِ))

''جب تم میں سے کوئی کھائے تو دائیں ہاتھ سے کھائے اور جب پیئے تو دائیں ہاتھ سے پیئے، کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے۔''

[صحیح مسلم: ۲۰۲۰، سنن أبو داؤد: ۳۷۷۶، جامع ترمذی: ۱۸۰۰]

سامنے سے کھائیں:

بچوں کو اس بات کی عادت ڈالیں کہ وہ کھانا کھاتے وقت اپنے سامنے سے کھائیں، کیونکہ اکثر بچوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ برتن میں مختلف حصوں سے کھاتے ہیں۔ یہ عمل نہایت قبیح ہے اور ایسا بچہ حریص اور کمینہ خصلت محسوس ہوتا ہے۔ لہٰذا بچوں کو ایسی عادت بد

سے منع کریں اور سامنے سے کھانے کی تلقین کریں۔

عمر بن سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھانا کھایا اور میں پلیٹ کے کناروں سے گوشت لینے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا:

((كُلْ مِمَّا يَلِيْكَ))

"اپنے سامنے سے کھاؤ۔"

[صحیح بخاری:۵۳۷۷، صحیح مسلم:۲۰۲۲]

پینے کے آداب

پانی میں سانس لینا اور پھونکنا:

بچوں کو پینے کے مسنون آداب سکھائیں، اس سے وہ شرعی احکام کے پابند بھی ہوں گے اور کئی بیماریوں سے بھی محفوظ رہیں گے۔ چنانچہ انھیں پانی میں سانس لینے اور پھونکنے سے منع کر دیں، کیونکہ پانی کے برتن میں سانس لینا اور پھونکنے سے سانس کے راستے جراثیم اور لعاب داخل ہوتا ہے، جو صحت کے لیے مضر اور ساتھ بیٹھے افراد کے لیے ناگواری کا باعث ہے۔ نیز نبی ﷺ نے اس قبیح فعل سے منع کیا ہے۔

ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا شَرِبَ أَحَدُكُمْ فَلاَ يَتَنَفَّسْ فِي الْإِنَاءِ))

"جب تم میں سے کوئی شخص پیئے تو وہ برتن میں سانس نہ لے۔"

[صحیح بخاری: ٥٦٣٠، صحیح مسلم: ٢٦٧]

پانی تین سانسوں میں پئیں:

پانی یا کوئی بھی مشروب پیتے وقت برتن سے باہر تین مرتبہ سانس لینا مستحب عمل ہے۔

لہٰذا خود بھی اس پر عمل کیجیے اور بچوں کو بھی اس کا پابند بنائیے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَنَفَّسُ فِي الْإِنَاءِ

ثَلاَثًا))

بلا شبہ رسول اللہ ﷺ پینے کے دوران تین سانس لیتے تھے۔

[صحیح بخاری: ۵۶۳۱، صحیح مسلم: ۲۰۲۸]

یہ عمل پیاس مٹانے، صحت مندی اور زود ہضمی کا ذریعہ بھی ہے۔

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تین سانسوں میں پانی پیتے اور فرماتے:

((إِنَّهُ أَرْوٰی وَ أَبْرَأُ وَ أَمْرَأُ))

(تین سانسوں میں پینا) زیادہ پیاس بجھانے کا باعث، انتہائی صحت افزاء اور نہایت زود ہضم ہے۔

[صحیح مسلم: ۲۰۲۸، سنن أبو داؤد: ۳۷۲۷، جامع ترمذی: ۱۸۸۴]

کھانے کے بعد ہاتھ اور برتن چاٹ لیں

خود بھی اس بات کی پابندی کریں کہ کھانے سے فراغت پر ہاتھ اور برتن دھونے سے قبل انھیں چاٹ لیں اور بچوں کو بھی اس کا عامل بنائیے، کیونکہ اس میں حکم نبوی کی تعمیل بھی اور یہ عمل برکت کا باعث بھی ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِلَعْقِ الْأَصَابِعِ وَالصَّحْفَةِ، وَ قَالَ : إِنَّكُمْ لاَ تَدْرُونَ فِي أَيِّهِ الْبَرَكَةُ))

"بلا شبہ نبی ﷺ نے (کھانے کے بعد) انگلیاں اور پلیٹ چاٹنے کا حکم دیا اور فرمایا: تمھیں نہیں معلوم کہ کس کھانے میں برکت ہے۔" [صحیح مسلم: ۲۰۳۳]

کھانے کے بعد مسنون دعاؤں کا اہتمام:

کھانے کے بعد کی دعائیں خود بھی یاد کریں اور اپنے بچوں کو بھی حفظ کرائیں، کیونکہ

کھانے کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا، اس کی حمد و تعریف کرنا سنت نبوی بھی ہے اور اس عمل سے اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوتے ہیں۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ لَيَرْضَى عَنِ الْعَبْدِ أَنْ يَأْكُلَ الأُكْلَةَ فَيَحْمَدَهُ عَلَيْهَا، أَوْ يَشْرَبَ الشَّرْبَةَ فَيَحْمَدَهُ عَلَيْهَا))

''بلا شبہ اللہ تعالیٰ بندے کے اس عمل سے خوش ہوتا ہے کہ وہ کھانا کھائے اور اس کی حمد بیان کرے اور مشروب پیئے اور اس پر اس کی تعریف کرے۔''

[صحیح مسلم: ۲۷۳۴، جامع ترمذی: ۱۸۱۶]

کھانے کے بعد کی مسنون دعائیں:

۱۔ ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنا دستر خوان سمیٹتے تو یہ دعا کرتے تھے:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ غَيْرَ مَكْفِيٍّ ، وَّلَا مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ ، رَبُّنَا))

''بہت زیادہ پاکیزہ اور مبارک ہر قسم کی تعریف اللہ کے لیے ہے، اس حال میں کہ اس سے کفایت نہیں کی گئی، نہ وہ چھوڑا ہوا ہے اور نہ اس سے بے نیاز ہوا جا سکتا ہے۔ (اور) وہ ہمارا رب ہے۔''

[صحیح بخاری: ۵۴۵۸، سنن أبو داؤد: ۳۸۴۹، سنن ابن ماجہ: ۳۲۸۴]

۲۔ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کھانا کھاتے اور پانی پیتے تو یہ کلمات کہتے تھے:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَطْعَمَ وَ سَقٰى وَ سَوَّغَهُ ، وَ جَعَلَ لَهُ مَخْرَجًا))

”سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے کھلایا، پلایا، اسے خوشگوار بنایا اور اس کے نکلنے کا راستہ بنایا۔“

[سنن أبو داود: ۳۸۵۱، صحیح ابن حبان: ۱۳۵۱] صحیح

۳۔ معاذ بن انس جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو شخص کھانا کھائے، پھر یہ کلمات کہے:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَطْعَمْنِی هٰذَا الطَّعَامَ وَ رَزَقَنِیْهِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّةٍ))

”تمام تعریف اللہ کے لیے ہے، جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور میری طاقت اور قوت کے بغیر مجھے یہ رزق دیا۔“

تو اس کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

[سنن أبو داود: ۴۰۲۳، جامع ترمذی: ۳۴۵۸، سنن ابن ماجہ: ۳۲۸۵] حسن

قضائے حاجت کے آداب

بچوں کو دیگر آداب کی طرح قضائے حاجت کے آداب بھی سکھائے جائیں تاکہ یہ ان آداب ضروریہ سے متصف بھی ہوں، بیت الخلاء میں جانے کی دعا بھی سکھائیں تاکہ یہ جنات کے حملوں سے محفوظ رہیں۔ بچوں کو ان آداب کا پابند بنانا والدین کی ذمہ داری ہے اور قضائے حاجت کے آداب کو معمولی نہ سمجھا جائے، کیونکہ نبی ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان آداب کی تعلیم دیتے اور خاص اہتمام کرتے تھے۔

۱۔ بول و براز کی حالت میں قبلہ کی طرف رخ کرنا، دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا وغیرہ ممنوع ہے۔

بچوں کو قضائے حاجت کے آداب سکھائیں کہ قبلہ رخ پیشاب اور پاخانہ کرنا، دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا، تین ڈھیلوں سے کم استعمال کرنا اور ہڈی یا لید سے استنجاء کرنا ممنوع و ناجائز ہے۔ لہٰذا ان چیزوں سے احتراز کیا جائے۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (مشرکین کی طرف سے انھیں) یہ بات کہی گئی کہ بلاشبہ تمھارے نبی نے تمھیں تمام امور کی تعلیم دی ہے حتیٰ کہ تمھیں قضائے حاجت کے آداب بھی سکھلائے ہیں (یہ کلمات انھوں نے بطور توہین کہے)۔

اس پر سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: جی ہاں!

((لَقَدْ نَهَانَا أَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ لِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ، أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِالْيَمِينِ، أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِأَقَلَّ مِنْ ثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ، أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِرَجِيعٍ أَوْ بِعَظْمٍ))

''یقینا آپ ﷺ نے ہمیں پاخانے یا پیشاب کی حالت میں قبلہ رخ ہونے، دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے، تین پتھروں سے کم سے استنجاء کرنے اور لید یا ہڈی سے استنجاء کرنے سے منع کیا۔''

[صحیح مسلم: ۲۶۲، سنن أبوداؤد: ۷، جامع ترمذی: ۱۶، سنن نسائی: ۴۱، سنن ابن ماجه: ۳۱۶]

پانی کے برتن میں پیشاب نہ کیا جائے:

پانی کے کسی برتن مثلاً بالٹی یا ٹب وغیرہ میں پیشاب نہ کیا جائے، کیونکہ نبی ﷺ نے اس کام سے منع کیا ہے۔ لہٰذا بچوں کو سختی سے اس فعل سے روک دیں۔ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں:

((أَنَّهُ نَهَى أَنْ يُبَالَ فِي الْمَاءِ الرَّاكِدِ))

''آپ ﷺ نے رکے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع کیا ہے۔''

[صحیح مسلم: ۲۸۱، سنن نسائی: ۳۵، سنن ابن ماجه: ۳۴۳]

بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت مسنون دعا کا اہتمام:

بچوں کو بیت الخلاء میں داخل ہونے اور نکلنے کی مسنون دعائیں حفظ کروائی جائیں، کیونکہ یہ دعائیں اجر وثواب کا باعث تو ہیں ہی۔ نیز بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت مسنون دعا کے اہتمام سے بچے جنات کے حملوں اور اثرات سے بھی محفوظ ہو جائیں گے۔

بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت کی مسنون دعا:

انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو یہ کلمات کہتے تھے:

((أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ))

''اے اللہ! میں خبیث جنوں اور خبیث جنیوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

[صحیح بخاری:۱۴۲، صحیح مسلم:۳۷۵]

فائدہ:

اس دعا کا فائدہ یہ ہے کہ بیت الخلاء اور نجس مقامات پر جنات کے ڈیرے ہوتے ہیں اور اس دعا کے اہتمام سے انسان جنات کے اثرات اور حملوں سے محفوظ رہتا ہے۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ هَذِهِ الْحُشُوشَ مُحْتَضَرَةٌ، فَإِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الْخَلَاءَ فَلْيَقُلْ : أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ))

''بلا شبہ یہ بیت الخلاء شیطانوں کے حاضر ہونے کے مقامات ہیں، چنانچہ جب تم میں سے کوئی بیت الخلاء میں داخل ہو تو وہ یہ کلمات کہے:

((أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ))

''اے اللہ! میں خبیث جنوں اور خبیث جنیوں سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔''

[سنن أبو داؤد:٦، سنن ابن ماجه:٢٩٦، صحيح ابن خزيمه:٦٩، مسند ابو یعلی:۷۲۱۹، مسند احمد:۳۶۹/۴] صحیح

بیت الخلاء سے نکلنے کی دعا:

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء سے نکلتے تو

یوں کہتے: " غُفْرَانَكَ "

''اے اللہ! میں تیری بخشش چاہتا ہو۔''

[سنن أبو داؤد: ۳۰، جامع ترمذی: ۷، سنن ابن ماجہ: ۳۰۰] حسن

نیز بچوں کی تربیت کے حوالے سے مفصل معلومات حاصل کرنے کے لیے راقم الحروف کی کتاب ''مثالی گھر'' کا مطالعہ کیجئے جو گھر کی اصلاح اور بچوں کی تربیت کے حوالے سے نہایت مفید کتاب ہے۔

متفرق مسائل

نومولود کے پیشاب کا حکم:

دودھ پینے کی مدت میں بچے اور بچی کے پیشاب کی طہارت کا حکم مختلف ہے کہ شیر خوار بچے کے پیشاب سے کپڑے کو دھونا لازم نہیں، بلکہ پیشاب زدہ حصے پر پانی کے چھینٹے مارنے سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے۔ جب کہ شیر خوار بچی اگر پیشاب کر دے تو اس جگہ یا کپڑے کو دھونا ضروری ہے، پھر جب ان کی خورک دودھ کے علاوہ ہو تو بچے اور بچی کے پیشاب کو دھونا لازم ہوگا۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔

۱۔ لبابہ بنت حارث رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حسین بن علی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی گود میں پیشاب کر دیا تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اپنا کپڑا مجھے دیجیے اور آپ کوئی اور کپڑا پہن لیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّمَا يُنْضَحُ مِنْ بَوْلِ الذَّكَرِ، وَ يُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْأُنْثَى))

''لڑکے کے پیشاب سے تو چھینٹے مارے جاتے ہیں اور لڑکی کے پیشاب سے (کپڑا) دھویا جاتا ہے۔''

[سنن أبو داؤد: ۳۷۵، سنن ابن ماجہ: ۵۲۲] حسن

۲۔ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں:

((أُتِيَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَبِيٍّ فَبَالَ عَلَى ثَوْبِهِ

فَدَعَا بِمَاءٍ فَأَتْبَعَهُ إِيَّاهُ))

"رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک بچہ لایا گیا اور اس نے آپ ﷺ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا، چنانچہ آپ ﷺ نے پانی منگوایا اور اسے کپڑے پر چھڑک دیا (لیکن دھویا نہیں)۔" [صحیح بخاری:۲۲۲]

۳۔ ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ بیان کرتی ہیں:

((أَنَّهَا أَتَتْ بِابْنٍ لَهَا صَغِيرٍ لَمْ يَأْكُلِ الطَّعَامَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَجْلَسَهُ رَسُولُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حِجْرِهِ فَبَالَ عَلَى ثَوْبِهِ، فَدَعَا بِمَاءٍ فَنَضَحَهُ وَلَمْ يَغْسِلْهُ))

"وہ اپنے چھوٹے بیٹے کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لائی جو کھانا نہیں کھاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنی گود میں بٹھا لیا تو اس نے آپ ﷺ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا، آپ ﷺ نے پانی منگوایا، کپڑے پر چھینٹے مارے اور اسے دھویا نہیں۔"

[صحیح بخاری : ۲۲۳، صحیح مسلم : ۲۸۷، سنن أبو داؤد : ۳۷۴، جامع ترمذی ۷۱، سنن ابن ماجہ: ۵۲۴]

یہ حکم اس وقت تک ہے، جب بچوں کی خوراک دودھ ہو، چنانچہ جب دودھ کے علاوہ خوراک استعمال کریں تو بچے اور بچی کے پیشاب کی طہارت کا فرق ختم ہو جائے گا اور دونوں کے پیشاب سے کپڑے وغیرہ کو دھونا ضروری قرار پائے گا، چنانچہ قتادہ بن دعامہ ان احادیث کی توضیح یوں بیان کرتے ہیں:

((هٰذَا مَا لَمْ يَطْعَمَا الطَّعَامَ، فَإِذَا طَعِمَا غُسِلاً جَمِيعًا))

"یہ (شیر خوار بچے کے پیشاب سے چھینٹے مارنا اور بچی کے پیشاب سے دھونا)

اس وقت تک ہے جب دونوں خوراک نہ کھاتے ہیں، اور جب وہ دونوں کی خوراک کھانے لگیں تو دونوں کے پیشاب سے دھویا جائے گا۔"

[سنن أبو داؤد، بعداز حدیث:۳۷۸]

بچے کے لعاب اور قے نجس نہیں:

نومولود کے منہ سے عموماً لعاب بہتا رہتا ہے اور اکثر بچہ دودھ نکالتا رہتا ہے یا بچوں کو اکثر قے آتی رہتی ہے۔ شارع کو اس صورتحال سے مکمل آگہی تھی اس کے باوجود شارع کی اس سے خاموشی اس کے پاک ہونے کی دلیل ہے۔ لہٰذا بچے کے لعاب قے اور دودھ نکالنے سے نہ کپڑے کو دھونا لازم آتا ہے اور نہ اس سے انسان کی طہارت پر کوئی اثر پڑتا ہے۔

بچوں کو اٹھا کر نماز پڑھنا:

بچوں کو اٹھا کر نماز پڑھنا جائز ہے، خواہ ان کے لباس کی طہارت کا یقینی علم نہ ہو اور بچوں کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي وَهُوَ حَامِلٌ أُمَامَةَ بِنْتَ زَيْنَبَ بِنْتِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِأَبِي الْعَاصِ بْنِ رَبِيعَةَ بْنِ عَبْدِشَمْسٍ فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَهَا، وَإِذَا قَامَ حَمَلَهَا))

"بلا شبہ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی جب کہ آپ ﷺ نے امامہ بنت زینب بنت رسول اللہ ﷺ (ابو العاص بن ربیعہ کی بیٹی) کو اٹھا رکھا تھا۔ پھر جب آپ ﷺ سجدہ کرتے تو اسے نیچے رکھ دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو اسے اٹھا لیتے۔"

[صحیح بخاری:۵۱۶، صحیح مسلم:۵۴۳]

فقہ الحدیث:

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس حدیث سے درج ذیل مسائل اخذ کیے ہیں۔

۱۔ اس حدیث میں وسوسوں کے شکار لوگوں کا رد ہے (جو بچوں کے متعلق یہ وسوسے پالتے ہیں کہ ان کے ساتھ کوئی نہ کوئی ناپاکی لگی ہوتی ہے۔ اصل طہارت ہے۔
لہٰذا جب تک بچوں پر نجاست کے واضح آثار نہ نظر آئیں انھیں پاک ہی سمجھا جائے گا۔

۲۔ بغرض ضرورت نماز میں متفرق عمل کرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

۳۔ اس میں بچوں کے ساتھ شفقت کرنے کا بیان ہے۔

۴۔ اس حدیث میں عاجزی وانکساری اور اچھے اخلاق کی تعلیم کا بیان ہے۔

۵۔ چھوٹے بچے کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

[تحفة المودود: ص: ۲۳۹]

بچے کی نجاست دھونے سے وضو کا حکم:

اگر وضو کی حالت میں بچہ پیشاب یا پاخانہ کر دے یا وضو کی حالت میں بچے کی نجاست صاف کرنا پڑے تو اس سے وضو متاثر نہیں ہوتا بلکہ نجس زدہ کپڑے یا جسم کو دھونا اور نجاست کو زائل کرنا ہی لازم ہے۔ جسم یا کپڑے پر نجاست لگنا ناقص وضو نہیں کیونکہ نواقص وضو میں سے یہ چیز ناقص وضو نہیں ہے۔ البتہ اگر بچے کی شرمگاہ کو ہاتھ لگ جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا کیونکہ شرمگاہ کو ہاتھ لگنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ بسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ مَسَّ ذَكَرَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ))

”جس کا ہاتھ اپنے شرمگاہ کو لگ جائے تو وہ وضو کرے۔“

[سنن ابو داؤد: ۱۸۱، جامع ترمذی: ۸۲، سنن نسائی: ۴۴۷] صحیح

سعودی فتویٰ کمیٹی کا فتویٰ:

سوال کسی نے دریافت کیا کہ میں نے وضو کے بعد اپنے بچے کی نجاست دھوئی، کیا اس سے میرا وضو ٹوٹ گیا؟

جواب باوضو یا بے وضو شخص کے جسم سے نجاست دھونا ناقض وضو نہیں ہے۔ البتہ اگر بچے کی شرمگاہ کو ہاتھ لگ جائے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا، جس طرح اپنی شرمگاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس طرح بچے کی شرمگاہ کو ہاتھ لگانے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ [فتاوی برائے خواتین:ص:۷۱] دارالسلام

بچیوں کے کان بنوانا:

زیورات وغیرہ پہننے کی غرض سے بچیوں کے کان بنوانا جائز عمل ہے۔ احادیث میں زیورات پہننے اور زینت اختیار کرنے کی غرض سے بچیوں کے کانوں میں سوراخ کروانا جائز عمل ہے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: زینت کی خاطر بچیوں کے کان بنوانا جائز ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ بچیوں کے کان بنوانے کے جواز اور بچوں کے کانوں میں سوراخ کروانے کی کراہت پر نص بیان کی ہے۔ اس تفریق کا سبب یہ ہے کہ بچی کو زیورات کے استعمال کی ضرورت ہے، اس مصلحت کے پیش نظر بچی کے کان بنوائے جائیں گے۔ جب کہ بچے کو یہ ضرورت درپیش نہیں، اس لیے اس کا کان بنوانا مکروہ عمل ہے۔

[تحفة المودود:ص:۲۲۹]

عورتوں کے کان بنوانے کے جواز کے دلائل درج ذیل ہیں۔

۱۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

((أَشْهَدُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَصَلَّى قَبْلَ الْخُطْبَةِ قَالَ : ثُمَّ خَطَبَ فَرَأَى أَنَّهُ لَمْ يُسْمِعِ النِّسَاءَ فَأَتَاهُنَّ

فَذَكَّرَهُنَّ وَوَعَظَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ، وَبِلَالٌ قَائِلٌ بِثَوْبِهِ ، فَجَعَلَتِ الْمَرْأَةُ تُلْقِي الْخَاتَمَ وَالْخُرْصَ وَالشَّيْءَ))

''میں یقینی خبر دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ سے پہلے نماز ادا کی، پھر خطبہ ارشاد کیا، بعدازاں آپ ﷺ کو محسوس ہوا کہ آپ ﷺ عورتوں کو خطبہ نہیں سنا سکے، تو آپ ﷺ عورتوں کے پاس تشریف لائے، انھیں وعظ و نصیحت کی اور انھیں صدقہ کا حکم دیا جب کہ بلال رضی اللہ عنہ اپنے کپڑا پھیلائے ہوئے تھے۔ چنانچہ عورتیں اس کپڑے میں انگوٹھیاں، بالیاں اور دیگر اشیاء ڈالنے لگیں۔''

[صحیح بخاری: ۱۴۴۹، صحیح مسلم: ۸۸۴، سنن ابو داؤد: ۱۱۴۲، سنن ابن ماجہ: ۱۲۷۳]

اَلْخُرْصُ ان بالیوں کو کہتے ہیں، جو عورتیں کانوں میں ڈالتی ہیں اور کانوں میں بالیوں کے لیے کان بنوانا عورتوں کی معروف عادت رہی ہے۔ لہٰذا زیورات پہننے کے لیے عورتیں کان بنوا سکتی ہیں۔ کیونکہ اگر یہ عمل ناجائز ہوتا تو نبی ﷺ عورتوں کو اس کام سے روک دیتے۔

۲۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے خطبہ عید میں عورتوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیا:

((فَجَعَلْنَ يَتَصَدَّقْنَ مِنْ حُلِيِّهِنَّ، يُلْقِيْنَ فِيْ ثَوْبِ بِلَالٍ مِنْ أَقْرِطَتِهِنَّ وَ خَوَاتِيْمِهِنَّ))

''عورتیں اپنے زیورات صدقہ کرنے لگیں، اور اپنی بالیاں، جھمکے اور انگوٹھیاں بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں ڈالنے لگیں۔''

[مسند احمد: ۳/۳۱۸، صحیح مسلم: ۸۸۵، سنن نسائی: ۱۵۷۶، سنن بیہقی: ۳/۲۹۶]

أَقْرِطَةٌ، اَلْقُرْطُ کی جمع ہے اور قُرط بالی اور جھمکے کو کہتے ہیں اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابیات بالیاں اور جھمکے استعمال کیا کرتی تھیں۔ جو کانوں میں سوراخ کر کے ہی ڈالے جاتے ہیں۔ لہٰذا زیورات کے استعمال کے لیے عورتوں کا کان بنوانا جائز ہوا، نیز اس عمل کے جواز کی تیسری دلیل ام زرع والی معروف حدیث ہے، جس میں ام زرع ابو زرع کے فضائل اور عنایات کو بیان کرتے ہوئے کہتی ہے:

((أَنَاسَ مِنْ حُلِيٍّ أُذُنَيَّ))

''اس نے زیورات سے میرے کان بھر دیے تھے۔''

پھر اس واقعہ کے آخر میں رسول اللہ ﷺ کا عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہنا کہ:

((كُنْتُ لَكِ كَأَبِي زَرْعٍ لِأُمِّ زَرْعٍ))

''میں تیرے حق میں ایسا ہوں جیسے ابو زرع ام زرع کے لیے تھا۔''

[صحیح بخاری: ۵۱۸۹، صحیح مسلم: ۲۴۴۸]

یہ حدیث دلیل ہے کہ نبی ﷺ نے عورتوں کا کان بنوانے کے عمل کو جائز قرار دیا ہے۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

عورتوں کے کان بنوانے کے جواز کے لیے اس عمل کے متعلق اللہ اور رسول ﷺ کو اس کا علم ہونا اور اسے ثابت رکھنا ہی کافی ہے، کیونکہ اگر یہ عمل ممنوع ہوتا تو قرآن و سنت اسے ممنوع قرار دے دیتے۔ [تحفۃ المودود: ص: ۲۲۹]

بچے کے کان میں سوراخ کروانا:

گزشتہ بحث سے یہ ثابت ہوا کہ کانوں میں سوراخ کروانا اور زیورات پہننا عورتوں ہی کا خاصہ ہے، یہ عمل مرد حضرات کے لیے ثابت نہیں۔ لہٰذا بچوں کے کان بنوانا نا جائز عمل ہے اور عورتوں کی مشابہت کی وجہ سے بچوں کے حق میں یہ عمل لعنت کا باعث ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں :

((لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُتَشَبِّهِينَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ، وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ))

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مردوں پر اور مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔''

[صحیح بخاری: ۵۸۸۵، سنن أبو داؤد: ۴۰۹۷، سنن ابن ماجه: ۱۹۰۴]

بچوں کے کانوں میں سوراخ کرانا اور ایک قبیح عقیدہ :

کچھ کمزور عقیدہ لوگ جب ان کے ہاں اولاد زندہ نہ رہتی ہو، کچھ بد عقیدہ پیروں کے پاس جاتے ہیں، جو انھیں دیگر خلاف شریعت کاموں کے ساتھ اس بات کی بھی تاکید کرتے ہیں کہ وہ بچے کی پیدائش پر اس کے کان کے اوپر والی جانب سوراخ کر دیں تو بچہ موت سے محفوظ رہے گا اور اس کی زندگی محفوظ ہو جائے گی۔ پھر یہ ضعیف الاعتقاد لوگ یہی عمل دہراتے اور بچہ موت سے محفوظ رہے تو اس پیر کی کرامت کہتے ہیں۔ یہ عقیدہ سراسر کفر و شرک ہے۔ کیونکہ موت و حیات کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور کسی اور زندگی یا موت کا اختیار دینا اور اسے زندگی کی حفاظت کا ضامن بنانا کفر وشرک ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ﴾ [الاعراف: ۱۵۸/۷]

''اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ زندگی دیتا اور موت سے دو چار کرتا ہے۔''

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴾ [التوبہ: ۱۱۶/۹]

''بلا شبہ آسمان اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کے لیے ہے، وہ زندہ کرتا اور موت دیتا ہے۔ اللہ کے سوا تمھارا نہ کوئی دوست ہے اور نہ مددگار۔''

اس لیے بچوں کی حیات، لمبی عمر اور موت سے حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ ہی سے دعا کرنی چاہیے وہی بچوں کو موت سے محفوظ کرے گا اور انھیں لمبی زندگی عطا کرے گا۔

مشکلات کو ٹالنا اللہ ہی کے بس میں ہے:

اگر آپ کسی مصیبت میں پھنسے ہیں، کسی آزمائش کی زد میں ہے یا بچوں کی اموات کے بھاری غم سے رنجیدہ ہیں تو اس مصیبت کے ازالہ کے لیے اللہ تعالیٰ کو پکاریں۔ وہی آفات ٹالتا، مصائب سے نجات دیتا اور مشکلات آسان کرتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾

''اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تجھے بھلائی پہنچائے تو وہ ہر چیز پر پورا قادر ہے۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۚ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴾ [یونس:۱۰/۱۰۷]

''اور اگر وہ تجھے کوئی مصیبت پہنچائے تو اس کے سوا اسے کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تیرے ساتھ بھلائی کا ارادہ رکھے تو اس کے فضل کو کوئی دور کرنے والا نہیں۔ وہ اپنے بندوں میں سے اپنا فضل جسے چاہتا ہے پہنچاتا ہے اور وہ بے

حد بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔''

غیر اللہ سے زندگی کی امید رکھنا:

اللہ کے سوا کسی اور ذات سے زندگی کے اضافے کی امید رکھنا اور یہ نظریہ رکھنا ہی شرک ہے نیز اس نظریہ و اعتقاد کے باوجود غیر اللہ سے کسی نفع کی توقع رکھنا بھی بے سود ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن ہستیوں سے نفع ونقصان کی امید رکھی جاتی ہے وہ خود بے اختیار اور کسی بھی تصرف سے عاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان ہستیوں کی بے اختیاری و بے بسی کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

﴿ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝۲ وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ وَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا وَّ لَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّ لَا حَيٰوةً وَّ لَا نُشُوْرًا ﴾

[الفرقان:۲۵/۲۔۳]

''اللہ وہ ذات ہے جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اور اس نے اولاد نہیں پکڑی اور نہ بادشاہت میں اس کا کوئی شریک ہے اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور بہتر اندازہ لگایا اور انھوں (مشرکوں) نے اس کے علاوہ کئی معبود بنائے جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے جب کہ وہ پیدا کیے ہوئے ہیں اور وہ اپنی ذاتوں کے لیے نہ نقصان کے مالک ہیں اور نہ نفع کے اور نہ وہ موت، زندگی اور دوبارہ اٹھنے پر اختیار رکھتے ہیں۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝۱۳ اِنْ

تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴾

[فاطر:۳۵/۱۳۔۱۴]

''اور وہ ہستیاں جنھیں تم پکارتے ہوئے وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے (یعنی کسی بھی چیز) کے مالک نہیں ہیں، اگر تم انھیں پکارو تو وہ تمھاری پکار نہیں سنتے گے، اور قیامت کے دن وہ تمھارے شرک کا انکار کریں گے اور خوب خبر رکھنے والے کی مثل کوئی تجھے خبر نہیں دے گا۔''

پھر ایسی ہستیوں سے حاجات طلب کرنا ہی حرام اور شرک ہے، اللہ رب العزت نے اس قبیح جرم سے منع کیا ہے۔فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ [یونس:۱۰/۱۰۶]

اور اللہ کے علاوہ ایسی ہستیوں کو نہ پکارو جو نہ تجھے نفع دیتی اور نہ نقصان پہنچاتی ''ہیں، پھر اگر تو نے (یہ جرم) کیا تو یقینا تب تو ظالموں (مشرکوں) میں سے ہوگا۔''

لہٰذا اللہ سے ڈرتے ہوئے ایسے شرکیہ کاموں کے ارتکاب سے باز رہنا لازم ہے۔

پیمپر اور نیپی کے اندر والی نجاست کا حکم:

بچوں کو پیمپر یا نیپی لگانے کے بعد بچے اگر پیمپر میں پیشاب یا پاخانہ کر دیں تو ایسی نجاست کو طہارت ہی پر محمول کیا جائے گا، ایسے بچے کو اٹھانا، اٹھا کر نماز پڑھنا یا تلاوت کرنا مشروع ہے۔ البتہ پیشاب یا پاخانہ نیپی یا پیمپر سے بہنا شروع ہو جائے تو اس کا ازالہ لازمی ہے۔ دوسرے لفظوں میں جب نجاست کپڑے یا جسم وغیرہ پر لگے تب موثر ہے،

بصورت دیگر پیمپر یا پیپی میں محفوظ ہے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

بچوں کو صاف ستھرا رکھیں:

بچوں کو صاف ستھرا رکھنا، انھیں اچھا لباس پہنانا اور ان کی وضع قطع اچھی رکھنا والدین کی ذمہ داری ہے۔ اس سے بچوں کی صحت پر بھی اچھے اثرات پڑتے ہیں اور گھر کے افراد سمیت دیگر لوگ بھی خوش لباس و صاف ستھرے بچوں سے محبت رکھتے اور مانوس ہوتے ہیں۔ پھر خوبصورتی اللہ تعالیٰ کو پسند بھی ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ، قَالَ رَجُلٌ : إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَكُوْنَ ثَوْبُهُ حَسَنًا وَ نَعْلُهُ حَسَنَةً، قَالَ : إِنَّ اللهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ : الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ، وَ غَمْطُ النَّاسِ))

''وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا، جس کے دل میں ذرہ بھر تکبر ہوا، ایک شخص نے عرض کیا: بلا شبہ انسان اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اور جوتا خوبصورت ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ تکبر تو حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔''

[صحیح مسلم: ۹۱]

بچوں کو نظر بد سے بچاؤ کی صورتیں

نظر بد کا لگنا حق ہے، اور بچے نظر بد کا زیادہ شکار ہوتے ہیں، اس لیے بچوں کو شرعی وظائف کے ذریعے نظر بد سے بچایا جا سکتا ہے۔

پہلا طریقہ: بچوں کو نظر بد سے بچاؤ کے وظائف:

ا۔ مستقبل میں نظر بد کے خطرات سے بچاؤ کی خاطر آئندہ وظائف کو معمول بنایا جائے۔ ان وظائف کے دائمی اہتمام سے بچے نظر بد، آفات اور شیطانی تسلط سے محفوظ رہیں گے۔

ا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حسن وحسین رضی اللہ عنہم کو ان کلمات کے ساتھ پناہ دیا کرتے تھے۔

((أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّآمَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَ هامَّةٍ ، وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لامَّةٍ))

''میں اللہ تعالیٰ کے مکمل کلمات کے ساتھ شیطان، زہریلے جانور اور ہر لگنے والی آنکھ سے پناہ طلب کرتا ہوں۔''

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام کو ان کلمات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی پناہ دیا کرتے تھے۔

[صحیح بخاری: ۳۳۷۱، سنن ابو داؤد: ۴۷۳۷، جامع ترمذی: ۲۰۶۰، سنن ابن ماجہ: ۳۵۲۵]

②:

صبح و شام سورہ اخلاص، سورہ الفلق اور سورہ الناس تین تین مرتبہ پڑھ کر بچوں کو دم کریں اس سے بچے ہر قسم کی آفت اور نظر بد سے محفوظ ہو جائیں گے۔

عبداللہ بن خبیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ حِينَ تُمْسِي، وَحِينَ تُصْبِحُ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ تَكْفِيكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ))

''صبح و شام قل ھو اللہ احد اور معوذتین (سورہ فلق اور الناس) کی تین تین مرتبہ تلاوت کرنا تجھے ہر چیز (آفت، نظر بد وغیرہ) سے کافی ہو جائے گا۔''

[سنن أبو داؤد: ۵۰۸۲، جامع ترمذی: ۳۵۷۵، سنن نسائی: ۵۴۳۰] حسنٌ

لہٰذا جو بچے ان سورتوں کو حفظ کرنے پر قادر ہیں، انھیں یہ سورتیں حفظ کرائیں اور صبح و شام ان سورتوں کی تلاوت کا پابند بنائیں اور جو حفظ کرنے کے قابل نہیں ہوتے یہ سورت تلاوت کر کے انھیں دم کریں وہ مستقبل کی آفت اور نظر بد سے محفوظ رہیں گے۔

بچوں کی خوبصورتی یا اچھی عادات دیکھ کر برکت کی دعا کرنا:

بچوں کی خوبصورتی، حسن اور اچھی عادات دیکھ کر اگر ان کے لیے برکت کی دعا کی جائے تو وہ نظر بد سے محفوظ رہیں گے۔ ابو امامہ بن سہل بن حنیف بیان کرتے ہیں کہ عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ، سہل بن حنیف انصاری رضی اللہ عنہ کے قریب سے گزرے جب کہ وہ چشمے میں نہا رہے تھے تو اس (عامر) نے کہا: میں نے آج کی طرح کوئی خوبصورت جلد نہیں دیکھی حتیٰ کہ اتنی خوبصورت جلد کسی پردہ نشین عورت کی بھی نہیں۔ اس پر سہل رضی اللہ عنہ زمین پر گر پڑے۔ پھر انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا اور عرض کی گئی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے پاس سہل بن حنیف کی (صحت بحالی کا کوئی مداوا ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم (انھیں اس

صورت حال سے دو چار کرنے کا) کسی کو قصور وار ٹھہراتے ہو؟ انھوں نے عرض کی: جی ہاں! عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ اس کے قریب سے گزرے اور انھیں غضب ناک نظر سے دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (عامر رضی اللہ عنہ سے) کہا: تو نے اس کے لیے برکت کی دعا کیوں نہ کی؟ اس کے لیے غسل کر، عامر رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے غسل کیا (پھر وہ پانی اس پر بہایا گیا) تو وہ شفا یاب ہو گیا۔

[مستدرک حاکم: ۴۱۱/۳] صحیح

((مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه)) کہیں:

نظر بد سے بچاؤ کے لیے بچوں کو دیکھ کر مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه کہنے سے بھی وہ نظر بد سے محفوظ رہیں گے، جیسا کہ سورہ کہف آیت ۳۹ میں مذکور ہے۔

نظر بد کا علاج:

گزشتہ بحث میں نظر بد سے بچاؤ کی حفاظتی تدابیر کا بیان ہے، لیکن اگر بچوں کو نظر لگ چکی ہو اور نظر بد کی وجہ سے وہ کسی جسمانی یا روحانی مرض کا شکار ہو چکا ہو تو ایسے مریض کے علاج کے دو طریقے ہیں۔

پہلا طریقہ:

نظر بد کے شکار بچے کے علاج کی پہلی صورت یہ ہے کہ جس شخص کی نظر لگنے کا علم ہو یا جس کی نظر لگنے کا شک ہو اسے غسل کرنے کا حکم دیا جائے اور اس کے غسل کے پانی کو محفوظ کر لیا جائے۔ پھر وہ غسل کا پانی مریض پر چھڑکا جائے تو مریض شفا یاب ہو جائے گا۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلْعَيْنُ حَقٌّ، وَلَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابَقَ الْقَدَرَ سَبَقَتْهُ الْعَيْنُ ، وَ إِذَا اسْتُغْسِلْتُمْ فَاغْسِلُوْا))

”نظر کا لگنا حق ہے اور اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت لے جا سکتی تو نظر سبقت لے جاتی اور جب تم سے غسل کروایا جائے تو غسل کرو۔“

[صحیح مسلم:۲۱۸۸، جامع ترمذی:۲۰۶۲]

سہل بن حنیف کو عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کی نظر لگ گئی تو نبی ﷺ نے عامر بن ربیعہ کو غسل کرنے کا حکم دیا۔ اس نے غسل کیا اور غسل کا پانی سہل بن حنیف پر چھڑکا تو وہ شفا یاب ہو گیا۔

[مستدرک حاکم:۴۱۱/۳]صحیح

دوسرا طریقہ:

نظر بد سے بچاؤ کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ نظر بد سے علاج کے لیے دم کیا جائے اور نظر بد سے بچاؤ کے لیے مؤثر دموں سے سورہ فاتحہ، آیت الکرسی، سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں، سورہ اخلاص، سورہ فلق اور الناس کی تلاوت کر کے دم کیا جائے یا آئندہ مسنون دعائیں پڑھی جائیں جو اس بحث کے آخر میں ذکر کی جائیں گی، سردست وہ دلائل بیان کیے جائیں گے جو نظر سے دم کے جواز پر دال ہیں۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

((رَخَّصَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ الرُّقْيَةِ مِنَ الْعَيْنِ، وَالْحُمَةِ ، وَالنَّمْلَةِ))

”رسول اللہ ﷺ نے نظر بد، زہر اور پہلو میں نکلنے والی پھنسیوں سے دم کرنے کی رخصت دی۔“ [صحیح مسلم:۲۱۹۶]

عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ بیان کرتی ہیں:

((كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنِىْ أَنْ أَسْتَرْقِ مِنَ الْعَيْنِ))

"رسول اللہ ﷺ مجھے نظر بد سے دم کرانے کا حکم دیا کرتے تھے۔"

[صحیح بخاری:۵۷۳۸، صحیح مسلم:۲۱۹۵]

ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے ان کے گھر ایک لڑکی دیکھی جس کے چہرے پر زردی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِسْتَرْقُوْا لَهَا، فَإِنَّ بِهَا النَّظْرَةَ))

"اسے دام کراؤ، کیونکہ اسے نظر لگی ہے۔"

[صحیح بخاری:۵۷۳۹، صحیح مسلم:۲۱۹۷]

نظر بد سے بچاؤ کا دم:

نظر بد کے شکار بچوں کو آئندہ دعاؤں سے کوئی دعا پڑھ کر دم کر دیں، مؤثر ہوگا۔

ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نبی ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: اے محمد ﷺ: آپ ﷺ بیمار ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں! تو جبرائیل علیہ السلام نے یہ دعائیہ کلمات کہے:

((بِسْمِ اللهِ أَرْقِيْكَ، مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيْكَ، مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْ عَيْنِ حَاسِدٍ، اللهُ يَشْفِيْكَ بِاسْمِ اللهِ أَرْقِيْكَ))

"اللہ کے نام سے میں تجھے دم کرتا ہوں، ہر اس چیز کے شر سے جو تکلیف دے، ہر نفس کے شر سے اور ہر حاسد کی نظر بد سے، اللہ تجھے شفا دے، اللہ کے نام سے میں تجھے دم کرتا ہوں۔" [صحیح مسلم:۲۱۸۵]

عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بیمار ہوتے تو

جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کو یہ دم کیا کرتے تھے:

((بِسْمِ اللهِ يُبْرِيْكَ، وَ مِنْ كُلِّ دَاءٍ يَشْفِيْكَ، وَ مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ، وَ شَرِّ كُلِّ ذِيْ عَيْنٍ))

''اللہ کے نام سے، وہ تجھے شفا دے، وہ ہر بیماری سے آپ ﷺ کو شفا دے، ہر حاسد کے شر سے، جب وہ حسد کرے اور ہر نظر بد لگنے والے شخص کے شر تجھے شفا دے۔'' [صحیح مسلم:۲۱۸۵]

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ہم میں سے کوئی شخص بیمار ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس پر دایاں ہاتھ پھیرتے پھر یہ کلمات کہتے:

((أَذْهِبِ الْبَأْسَ، رَبَّ النَّاسِ، وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ، شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا))

بیماری دور کردے، اے لوگوں کے پروردگار اور شفا دے تو ہی شفا دینے والا ہے تیری شفا کے سوا کوئی شفا نہیں ایسی شفا دے جو بیماری کا نام نہ چھوڑے۔

[صحیح بخاری:۵۷۴۳، صحیح مسلم:۲۱۹۱]

نظر بد اور جنات سے بچاؤ کی ناجائز صورتیں:

نظر بد اور جنات سے بچاؤ کی جائز صورتیں بیان کرنے کے بعد عامۃ الناس میں پھیلی نظر بد اور جنات سے بچاؤ کی ناجائز اور خلاف شریعت صورتوں کا بیان ملاحظہ کریں اور یاد رکھیں کتاب وسنت سے غیر ثابت کسی بھی معاملہ میں کوئی بھی طریقہ غیر مؤثر اور گناہ کا باعث ہے۔ لہٰذا جنات کے جادو کے توڑ اور نظر بد سے بچاؤ کے آئندہ غیر شرعی طریقہ سے اجتناب کیا جائے۔

تعویذ لٹکانا:

شریعت اسلامیہ میں تعویذ کرنے، کروانے اور لٹکانے کا تصور ہی معدوم ہے اور تعویذات سے بچاؤ کا نظریہ ہی غیر ثابت ہے۔ مروجہ تعویذات کی دو صورتیں ہیں۔

۱۔ شرکیہ تعویذ

۲۔ قرآنی آیات اور مسنون عمل دعاؤں پر مشتمل تعویذ۔

شرکیہ تعویذ تو قطعاً حرام ہیں۔ لہٰذا ایسے تعویذ جن میں شرکیہ کلمات، بزرگوں سے استغاثہ یا غیر اللہ سے مدد کی اپیل ہو حرام ہیں جب کہ قرآنی آیات اور دعاؤں پر مشتمل تعویذ کتاب وسنت سے عدم ثبوت کی وجہ سے ناجائز ہیں۔

شرکیہ اور بدعیہ تعویذات کی تفصیل کے لیے فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ کا فتویٰ ملاحظہ کیجیے:

سوال کیا قرآنی تعویذ لکھنا اور گردن میں لٹکانا شرک ہے۔

جواب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ الرُّقَى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ))

''بلاشبہ شرکیہ دم، تعویذ اور جادو منتر (اور محبت کا تعویذ) شرک ہے۔''

[مسند احمد: ۱/ ۳۸۱، سنن ابو داؤد: ۳۸۸۳]

ضعیف۔ اس میں سلیمان بن مہران اعمش کی تدلیس ہے، لیکن اس معنی کی شاہد ایک حسن روایت ہے، قیس بن سکن رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کے پاس داخل ہوئے تو انھوں نے اس پر خسرہ کی بیماری سے بچاؤ کا تعویذ دیکھا تو اسے زبردستی کاٹ دیا اور ارشاد کیا: ''عبداللہ کا گھرانہ شرک سے پاک ہے۔''

نیز فرمایا:

((كَانَ مِمَّا حَفِظْنَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ الرُّقَى وَالتَّمَائِمِ وَالتَّوَلَةَ مِنَ الشِّرْكَ))

''جو احکام ہم نے نبی ﷺ سے یاد کیے ان میں سے یہ احکام ہیں کہ شرکیہ دم، تعویذ اور جادو منتر (اور محبت کا تعویذ) شرک ہے۔''

[مستدرک حاکم: ۲۱۷/٤] حسن

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ تَعَلَّقَ تِمِيْمَةً فَلاَ أَتَمَّ اللهُ، وَ مَنْ تَعَلَّقَ وَدَعَةً فَلاَ وَدَعَ اللهُ))

''جو تعویذ لٹکائے اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری نہ کرے اور جو گھونگھا باندھے اللہ تعالیٰ اسے سکون نہ دے۔''

[مسند احمد: ۱۵۴/۴] ضعیف۔ خالد بن عبید معافری مجہول راوی ہے۔

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ عَلَّقَ تَمِيْمَةً فَقَدْ أَشْرَكَ))

جس نے تعویذ لٹکایا یقیناً اس نے شرک کیا۔

[مسند احمد: ۱۵٦/۴] صحیح

اس معنیٰ کی کئی اور احادیث بھی وارد ہیں۔

تمیمہ وہ تعویذ ہیں جو بچوں یا بڑوں کو نظر بد سے بچاؤ اور جنات و امراض سے حفاظت کے لیے لٹکائے جاتے ہیں، ان تعویذوں کی دو اقسام ہیں۔

پہلی قسم:

پہلی قسم ان تعویذوں کی ہے، جو شیاطین کے ناموں، ہڈیوں، گھونگھوں، کیلوں یا اعداد

کی صورت میں ہوتے ہیں، تعویذ کی یہ صورت یقیناً حرام ہے۔ ان کی حرمت پر کئی دلائل وارد ہیں اور مذکورہ روایات کی رو سے شرک اصغر کی قبیل سے ہے اور بعض اوقات یہ تعویذ شرک اکبر کی صورت اختیار کر لیتے ہیں، جب تعویذ لٹکانے والے کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے اذن و مشیت کے بغیر ہی یہ تعویذ حفاظت کرتے، مرض دور کرتے اور نظر بد سے بچاتے ہیں۔

دوسری قسم:

تعویذ کی دوسری قسم وہ ہے، جو قرآنی آیات اور مسنون ادعیہ وغیرہ پر مشتمل ہو، ایسے تعویذوں کے جواز وعدم جواز میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض اہل علم نے ایسے تعویذوں کو جائز قرار دیا ہے کہ یہ جائز دم کی جنس سے ہیں اور بعض اہل علم نے انھیں دو وجوہ کی وجہ سے حرام قرار دیا ہے۔

① تعویذ کی ممانعت اور زجر و توبیخ کی احادیث عام ہیں اور تعویذ شرک کے حکم میں ہے۔ لہٰذا کسی شرعی دلیل کے بغیر کسی قسم کے تعویذ کی تخصیص جائز نہیں اور کوئی ایسی دلیل موجود نہیں جو اس تعویذ کی تخصیص پر دال ہو، نیز دم کا معاملہ تعویذ کے برعکس ہے۔ چنانچہ احادیث کی رو سے قرآنی آیات اور مسنون ادعیہ سے دم کے جواز کا ثبوت ہے اور دم کروانے والا دم کی تاثیر ہی پر کامل اعتماد نہیں کرتا، بلکہ دم کروانے میں اس کا اعتقاد یہ ہوتا ہے کہ یہ اسباب علاج میں سے ایک سبب ہے، کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ ایسے دم میں کوئی حرج نہیں جس میں شرک نہ ہو۔ نیز نبی ﷺ سمیت بعض صحابہ کا دم کرنا ثابت ہے اور آپ ﷺ کا فرمان بھی ہے۔

((لَا رُقْيَةَ إِلَّا مِنْ عَيْنٍ أَوْ حُمَةٍ))

''نظر بد یا بچھو کے زہر ہی سے دم ہے۔''

[مسند احمد: ۴/۴۳۸، سنن أبو داؤد: ۳۸۸۴، جامع ترمذی: ۲۰۵۷]

دم کے جواز میں تو بے شمار احادیث ہیں، لیکن تعویذ کے متعلق کسی قسم کے تعویذ کا استثنا منقول نہیں۔ سو عام احادیث پر عمل کرتے ہوئے ہر قسم کے تعویذ سے اجتناب لازم ہے۔

④ شرک کے ذرائع مسدود کرنے کے لیے قرآنی تعویذ بھی ممنوع ہیں اور یہ واضح ہے کہ جب ہم قرآنی آیات اور ادعیہ مسنونہ کے تعویذوں کو جائز قرار دیں گے تو شرکیہ تعویذوں کا دروازہ کھل جائے، جائز تعویذ حرام تعویذوں سے خلط ملط ہو جائیں گے اور بمشکل ہی تمیز باقی رہے گی۔ لہٰذا شرک کے دروازے بند کرنے اور شرکیہ راہوں کو مسدود کرنے کے لیے تمام تعویذوں پر پابندی لازم ہے اور یہی مؤقف راجح ہے۔

[فتاویٰ ابن باز: ۱/ ۳۸۴۔۳۸۵]

جنات سے بچاؤ کے لیے چھری رکھنا:

نومولود کو جنات کے اثر سے بچاؤ کے لیے بچے کے سرہانے چھری یا لوہے کی کوئی چیز رکھنا شریعت سے ثابت نہیں، یہ توہم پرستی کی قبیح شکل ہے۔ نہ تو نومولود جنات کی زد پر ہوتا ہے اور نہ چھری یا لوہے کی کوئی چیز رکھنے سے وہ جنات کے شر سے محفوظ رہتا ہے، لہٰذا ہر وہ عمل کرنے سے اجتناب کیا جائے جو شریعت سے ثابت نہیں۔ اس عمل کی مزید بے ثباتی آئندہ واقعہ سے ثابت ہوتی ہے۔ ام علقمہ مرجانہ رحمہا اللہ بیان کرتی ہیں کہ لوگوں کے ہاں جب بچے پیدا ہوتے تو وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس لائے جاتے عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے لیے برکت کی دعا کرتیں، چنانچہ ایک بچہ لایا گیا تو وہ اس کا سرہانہ رکھنے لگی، کیا دیکھتی ہیں کہ اس کے نیچے ایک اُسترا ہے، عائشہ رضی اللہ عنہا نے لوگوں سے اُسترے کا سبب پوچھا تو انھوں نے کہا: ہم یہ اُسترا جنوں سے تحفظ کی خاطر رکھتے ہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اُسترا لے کر دور پھینک دیا اور انھیں اس عمل سے منع کیا۔ انھوں نے کہا یقیناً رسول اللہ ﷺ نے بد فالی کو مکروہ خیال کرتے اور اس سے نفرت کرتے تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا اس کام یعنی بچوں کے پاس اُسترا رکھنے سے منع کرتی تھیں۔ [الادب المفرد: ۹۱۲] حسن

متفرقات

بچوں کی تصاویر اتارنا:

والدین یا قریبی رشتہ دار بچوں کی محبت سے سرشار ہو کر ان کی بچپن کی تصاویر یادگار کے طور پر محفوظ کر لیتے ہیں اور یہ تصور پیش کیا جاتا ہے کہ ان بچوں کے بڑے ہونے پر ان کی یادگاری تصاویر دکھائی جائیں گی اور ویڈیو موبائل کی بہتات کی وجہ سے یہ وبا عام ہو چکی ہے کہ دن میں کئی مرتبہ بچوں بڑوں کی تصاویر بنائی جاتی ہیں اور تصویر سازی کی حرمت کو لمحہ لمحہ پامال کیا جاتا ہے۔ جبکہ شریعت کی رو سے نہ بچوں کی یادگاری تصاویر بنانا جائز ہے اور نہ بڑوں، بوڑھوں کی تصویر سازی کی اجازت، تصویر کھینچنا حرام فعل ہے۔ لہٰذا بچوں کی محبت میں گرفتار ہو کر ان کی تصویر بنانے کے جرم کا ارتکاب نہ کیجیے۔ تصویر سازی کی حرمت کے دلائل درج ذیل ہیں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْمُصَوِّرُونَ))

''بے شک روز قیامت سخت ترین عذاب میں مبتلا تصویر بنانے والے ہوں گے۔''

[صحیح بخاری:۵۹۵۰، صحیح مسلم:۲۱۰۹]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ الَّذِينَ يَصْنَعُونَ هَذِهِ الصُّوَرَ يُعَذَّبُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ،

يُقَالُ لَهُمْ : أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ))

''بلا شبہ وہ لوگ یہ تصاویر بناتے ہیں، روز قیامت عذاب دیے جائیں گے اور انھیں کہا جائے گا جو تم نے تخلیق کیا ہے انھیں زندگی دو۔''

[صحیح بخاری:۲۲۲۵، صحیح مسلم:۲۱۱۰]

۳۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ صَوَّرَ صُورَةً فَإِنَّ اللَّهَ مُعَذِّبُهُ حَتَّى يَنْفُخَ فِيهَا الرُّوحَ وَلَيْسَ بِنَافِخٍ فِيهَا أَبَدًا))

''جس شخص نے کوئی تصویر بنائی تو اللہ تعالیٰ اسے اس وقت تک عذاب دینے والا ہے، جب تک وہ اس میں روح نہ پھونکے اور وہ کبھی بھی روح نہ پھونک سکے گا۔''

[صحیح بخاری:۲۲۲۵، صحیح مسلم:۲۱۱۰]

فقہ الحدیث:

یہ احادیث دلیل ہیں کہ تصویر بنانا حرام فعل اور کبیرہ گناہ ہے اور ہر قسم کی عکسی و غیر عکسی اور وڈیو کیمرے سے تصویر بنانا حرام عمل ہے اور ہاتھ یا کسی بھی آلے سے تصویر بنانے والے کے لیے سخت وعید ہے۔ لہٰذا اس گناہ کو ہلکا، کم تر یا اختلافی مسئلہ سمجھتے ہوئے ہلاکت کا سامان نہ کیجیے اور اولاد کی محبت میں گرفتار ہو کر ان کی یادگاری تصاویر بنا کر اپنی عاقبت برباد نہ کیجیے۔

بچوں کو کھلونے مہیا کرنا:

بچوں کو کھولنے اور گڑیائیں مہیا کرنا جائز عمل ہے اور بچوں کے کھلونے اور گڑیائیں ممنوعہ تصاویر سے مستثنیٰ ہیں۔ گڑیاؤں اور کھلونوں کے جواز کے دلائل درج ذیل ہیں۔

۱۔ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

((كُنْتُ أَلْعَبُ بِالْبَنَاتِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَ

كَانَ لِي صَوَاحِبُ يَلْعَبْنَ مَعِي، فَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ يَتَقَمَّعْنَ مِنْهُ فَيُسَرِّبُهُنَّ إِلَيَّ فَيَلْعَبْنَ مَعِي))

''میں نبی ﷺ کے پاس گڑیاؤں سے کھیلا کرتی تھی اور میری کچھ سہیلیاں میرے ساتھ کھیلا کرتی تھیں چنانچہ رسول اللہ ﷺ جب (گھر میں) داخل ہوتے تو وہ آپ ﷺ سے چھپ جاتیں، پھر آپ ﷺ انھیں میرے پاس بھیجتے اور وہ میرے ساتھ کھیلتیں۔''

[صحیح بخاری: ۶۱۳۰، صحیح مسلم: ۲۴۴۰، سنن أبوداؤد: ۴۹۳۱]

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ بیان کرتی ہیں:

((قَدِمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَزْوَةِ تَبُوكَ أَوْ خَيْبَرَ، وَ فِي سَهْوَتِهَا سِتْرٌ فَهَبَّتْ رِيحٌ فَكَشَفَتْ نَاحِيَةَ السِّتْرِ عَنْ بَنَاتٍ لِعَائِشَةَ لُعَبٍ، فَقَالَ : مَا هٰذَا يَا عَائِشَةُ ؟ قَالَتْ : بَنَاتِي، وَ رَأَى بَيْنَهُنَّ فَرَسًا لَهُ جَنَاحَانِ مِنْ رِقَاعٍ فَقَالَ : مَا هٰذَا الَّذِي أَرَى وَسْطَهُنَّ . قَالَتْ فَرَسٌ، قَالَ : وَمَا هٰذَا الَّذِي عَلَيْهِ ؟ قَالَتْ : جَنَاحَانِ، قَالَ : فَرَسٌ لَهُ جَنَاحَانِ، قَالَتْ : أَمَا سَمِعْتَ أَنَّ لِسُلَيْمَانَ خَيْلاً لَهَا أَجْنِحَةٌ قَالَتْ فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى رَأَيْتُ نَوَاجِذَهُ))

رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک یا غزوہ خیبر سے واپس آئے اور ان (عائشہ رضی اللہ عنہا) کی الماری پر پردہ تھا، ہوا چلی اور اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی گڑیوں اور کھلونوں سے پردہ ہٹا دیا تو آپ ﷺ نے پوچھا: عائشہ یہ کیا ہے؟ انھوں نے عرض کی: یہ میری گڑیاں

ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کے درمیان ایک گھوڑا دیکھا جس کے کپڑے کے بنے ہوئے دو پر تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: یہ کیا ہے جو میں ان کے درمیان دیکھ رہا ہوں؟ انھوں نے بتایا: گھوڑا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ اس کے اوپر کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: دو پر ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: گھوڑے کے دو پر؟ انھوں نے بیان کیا کہ کیا آپ ﷺ نے سنا نہیں کہ سلیمان علیہ السلام کا گھوڑا تھا جس کے دو پر تھے۔ انھوں نے بیان کیا کہ اس پر رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے حتیٰ کہ میں نے آپ ﷺ کی داڑھیں دیکھیں۔" [سنن أبو داؤد: ۴۹۳۲] حسنٌ

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، امام نووی رحمہ اللہ اور شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ان احادیث کی رو سے بچیوں کے کھیل کے لیے گھر پر تصویر والی گڑیائیں اور کھلونے رکھنا جائز ہے اور یہ تصاویر عام تصاویر سے مستثنیٰ ہیں۔ جنھیں رکھنے کی ممانعت ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے یہ موقف بالجزم بیان کیا اور جمہور علماء سے بھی نقل کیا ہے۔ نیز جمہور علماء نے بچپن میں لڑکیوں کی تربیت اور گھریلو معاملات اور بچوں کی پرورش کی مشق کے طور پر ان کے لیے کھلونوں اور گڑیاؤں کی خرید و فروخت کی اجازت دی ہے۔

[فتح الباري: شرح النووي: ۲۰۴/۱۸، عون المعبود: ۹۱/۱۴]

بعض علماء نے کھلونے اور گڑیائیں رکھنے کے عمل کو منسوخ قرار دیا ہے، لیکن تنسیخ کی کوئی واضح نص موجود نہیں۔ لہٰذا جمہور علماء کا موقف راجح ہے، پھر کھلونے اور گڑیائیں ایسی تصاویر ہیں، جن کی توہین و تذلیل بھی خوب ہوتی ہے اور ان کے جواز میں کوئی دلیل بھی حائل نہیں ہے۔

بچوں کی دل لگی کے لیے گھر میں پرندے رکھنا:

بچوں کو بہلانے اور ان کی دل لگی کی خاطر گھر میں پرندے رکھنا جائز و مباح عمل ہے

اور گھر کا سرپرست بچوں کے مطالبے پر انھیں گھر میں پرندے لا کر دے سکتا ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ بہترین اخلاق کے مالک تھے۔ ابوعمیر نامی میرا ایک چھوٹا بھائی تھا، آپ ﷺ جب ہمارے گھر تشریف لائے تو کہتے: ابوعمیر! چھوٹی چڑیا کا کیا ہوا؟ اس کی ایک چڑیا تھی جس کے ساتھ وہ کھیلا کرتا تھا۔

[صحیح بخاری:۶۲۰۳، صحیح مسلم:۲۱۵۰]

فقہ الحدیث :

۱۔ چھوٹے بچے کا پرندے سے کھیلنا جائز ہے۔

۲۔ والدین کو چھوٹے بچوں کو مباح کھیل کھیلنے دینا چاہیے، یہ مشروع عمل ہے۔

۳۔ بچے جن مباح چیزوں سے دل بہلاتے ہیں ان کے حصول کے لیے مال خرچ کرنا جائز ہے۔

۴۔ پرندوں کو پنجرے میں بند کرنا اور ان کے پر کاٹنا جائز ہے۔

[فتح الباری:۴۰۷/۱۷]

جامع آداب :

شام کے وقت آئندہ آداب و احکام کی ضرور پابندی کریں، کیونکہ ان آداب کی پابندی آپ کے جان و مال اور اولاد کی حفاظت کی ضامن ہے۔ ان احکام کی تعمیل سے آپ شیطانی حملوں، خطرناک وباؤں سے خود بھی محفوظ رہیں گے اور آپ کے بچے شیطانی لپٹ اور اس کے غلبے سے بھی مامون رہیں گے۔ لہٰذا آئندہ احکام کی تعمیل سے بالکل سستی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔

۱۔ سرِ شام (سورج غروب ہوتے وقت) اپنے بچوں اور مویشیوں کو گھر پر یا حویلی میں روک دیں اور یہ مدت مغرب کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ تک ہونی چاہیے، مغرب کا

اندھیرا چھٹنے کے بعد بچوں اور مویشیوں کو باہر بھیجنے میں کوئی خطرہ نہیں۔

۲۔ غروب آفتاب کے وقت بسم اللہ پڑھ کر دروازے بند کر دیں اور کوئی دروازہ کھلا نہ رہنے دیں۔

۳۔ سر شام بسم اللہ پڑھ کر مشکیزوں کے منہ بند کر دیں اور بسم اللہ پڑھ کر تمام برتن ڈھانپ دیں، اگر برتن ڈھانپ نہ سکیں تو ان پر چوڑائی میں کوئی چیز رکھ دیں اور یہ عمل صبح تک جاری رہے۔

۴۔ رات کو سوتے وقت گھروں میں موم بتی، لالٹین، گیس ہیٹر اور آگ جلتی نہ چھوڑیں۔

دلائل حسب ذیل ہیں۔

۱۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِذَا كَانَ جُنْحُ اللَّيْلِ ، أَوْ أَمْسَيْتُمْ فَكُفُّوا صِبْيَانَكُمْ فَإِنَّ الشَّيَاطِينَ تَنْتَشِرُ حِينَئِذٍ، فَإِذَا ذَهَبَ سَاعَةٌ مِنَ اللَّيْلِ فَحُلُّوهُمْ، فَأَغْلِقُوا الأَبْوَابَ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللهِ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَفْتَحُ بَابًا مُغْلَقًا، وَأَوْكُوا قِرَبَكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللهِ وَخَمِّرُوا آنِيَتَكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللهِ، وَلَوْ أَنْ تَعْرُضُوا عَلَيْهَا شَيْئًا، وَأَطْفِئُوا مَصَابِيحَكُمْ))

''جب رات کی ابتدائی تاریکی ہو یا تم شام کرو تو اپنے بچوں کو (گھروں میں) روک لو، کیونکہ اس وقت (زمین میں) شیطان پھیلتے ہیں اور جب رات کی ایک گھڑی (گھنٹہ) گزر جائے تو انھیں چھوڑ دو، (سر شام) دروازے بند کر دو اور (دروازے بند کرتے وقت) بسم اللہ پڑھو، اس لیے کہ شیطان بند دروازہ نہیں کھول سکتا، اپنے مشکیزوں کے سر بند باندھ دو اور اس پر اللہ کا نام لو، اپنے برتن

ڈھانپ دو اور (برتن ڈھانپتے وقت) بسم اللہ کہو، اور اگر تم (برتن نہ ڈھانپ سکو) تو ان پر چوڑائی میں کوئی چیز رکھ اور اپنے چراغ گل کر دو۔"

[صحیح بخاری:۵۶۲۳، صحیح مسلم:۲۰۱۲]

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ مرفوع روایت بیان کرتے ہیں: (کہ آپ ﷺ نے فرمایا)

((خَمِّرُوا الآنِيَةَ، وَأَوْكُوا الأَسْقِيَةَ ، وَأَجِيفُوا الأَبْوَابَ، وَاكْفِتُوا صِبْيَانَكُمْ عِنْدَ الْعِشَاءِ، فَإِنَّ لِلْجِنِّ انْتِشَارًا وَخَطْفَةً، وَأَطْفِئُوا الْمَصَابِيحَ عِنْدَ الرُّقَادِ فَإِنَّ الْفُوَيْسِقَةَ رُبَّمَا اجْتَرَّتِ الْفَتِيلَةَ فَأَحْرَقَتْ أَهْلَ الْبَيْتِ))

شام کے وقت برتن ڈھانپ دو، مشکیزوں کے تسمے باندھ دو اور عشاء کے وقت بچوں کو (گھر میں) اپنے ساتھ ملا لو، کیونکہ اس وقت جنات کا پھیلنا اور اچکنا ہوتا ہے اور سوتے وقت دیے بجھا دو، اس لیے کہ بعض اوقات چوہیا دیے کی بتی کھینچ کر اہل خانہ کو جلا دیتی ہے۔" [صحیح بخاری:۶/۳۳]

غروب آفتاب سے لے کر رات کی ابتدائی تاریکی چھٹنے تک (جس کا وقت تقریباً ایک گھنٹہ ہے، کیونکہ یہ حدیث میں سَاعَةٌ مِنَ اللَّيْلِ کے الفاظ وارد ہیں، دن رات میں چوبیس ساعات ہوتی ہیں، یوں یہ وقت ایک گھنٹہ بنتا ہے) بچوں اور مویشیوں کو گھروں سے باہر نہ بھیجا جائے، کیونکہ شیاطین کے انتشار اور اچکنے کا وقت ہوتا ہے، اس نصیحت اور حکم نبوی پر عمل کرنے سے آپ کے بچے شیطانی حملوں، شیاطین کے چمٹنے اور نظر بد سے محفوظ رہیں گے۔ لیکن شرعی تعلیمات سے جہالت اور دینی احکام سے دوری کا نتیجہ ہے کہ ہمارے اکثر بچے شام کے وقت گھروں سے باہر گلیوں میں کھیل کود میں مصروف ہوتے ہیں اور اکثر شیر خوار

جو بیمار ہوتے ہیں یہ ویسے ہی شوقیہ طور پر انھیں شام کے قت دم کرانے کے لیے مساجد سے باہر بھیج دیا جاتا ہے۔ ان اوقات میں بچون کو گھروں میں روک کر رکھیں، اس سے آپ کے بچے اور مویشی آفات ومصائب سے مامون ومحفوظ رہیں گے۔

سرِ شام بسم اللہ پڑھ کر دروازے بند کر دیں اور غروب آفتاب سے لے کر ایک گھنٹہ تک دروازے بند رکھیں، اس سے شیطان گھر میں داخل نہیں ہو سکتے، یوں اس عمل سے گھر کے افراد اور گھر شیاطین کے غلبے سے محفوظ رہیں گے۔ تمام زندگی اس حکم کی تعمیل کریں، سال، مہینے یا ہفتے کا کوئی دن اس سے مستثنیٰ نہیں۔ لیکن جہالت اور بے دینی کی وجہ سے یہ بات لوگوں میں عام ہو چکی ہے کہ جمعرات کی رات روحیں گھروں کا چکر لگاتی ہیں۔ لہٰذا جمعرات کی شام دروازے کھلے رکھنے چاہئیں، یہ من گھڑت کہانی ہے جس کا کتاب وسنت کے دلائل اور احکام شرعیہ سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ جمعرات کی شام دروازے کھولنے سے روحیں تو گھروں میں داخل نہیں ہوتیں، البتہ شیاطین داخل ہو کر اپنا تسلط جماتے اور بے دینی کو فروغ دیتے ہیں۔

بچوں کی سالگرہ منانا:

شریعت اسلامیہ میں صرف دو ہی تہوار منانے کی اجازت ہے، ایک عید الفطر دوسرا عید الاضحیٰ، ان دو عیدوں کے علاوہ سال بھر میں کسی بھی خوشی کے موقعے پر کوئی تہوار منانا جائز نہیں۔ اسی مناسبت سے بچوں کی پیدائش کے دن ہر سال یادگار کے طور پر سالگرہ منانا، کیک کاٹنا، عزیز واقارب کو کھانے پر مدعو کرنا اور بچے کی درازی عمر کے لیے مختلف یورپین طرز کے الفاظ کہنا، یہود ونصاریٰ کی مشابہت اور غیر مسلموں کی نقالی کی وجہ سے ناجائز عمل ہے۔ یہ رسم بد عیسائیوں اور غیر مسلموں سے مستعار ہے اور مغرب کے گرویدہ اور یہود و نصاریٰ

سے مرعوب ذہن کے لوگ ایسی رسم بد کی ترویج کا اہتمام کرتے ہیں، یاد رکھیں کتاب و سنت کی تعلیمات کی رو سے یہود ونصاریٰ کی مخالفت کا حکم ہے اور ان کی رسوم اختیار کرنے اور فضول رسموں کی نقالی پر سخت وعید وارد ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ))

''جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ ان میں سے ہے۔''

[سنن أبوداؤد: ۴۰۳۱] حسن

لہٰذا ایسی خلاف شریعت رسموں سے اجتناب کیجیے اور بے جا تکلفات میں پڑ کر مال کا ضیاع نہ کیجیے۔

ناموں کے متعلق احکام و مسائل

نام تجویز کرنے کا مشروع وقت:

بچے کی پیدائش کے بعد اس کے نام کے انتخاب کے بارے میں غور وخوض شروع کر دینا چاہیے اور کسی اچھے نام پر اتفاق ہو جائے تو ولادت کے پہلے دن ہی نام تجویز کرنا جائز ہے اور اگر کسی نام پر اتفاق نہ ہو رہا ہو اور نام کے انتخاب میں مشکل واقع ہو رہی ہو تو ساتویں دن تک اس کے نام کے انتخاب کی رخصت ہے۔ ساتویں دن سے تاخیر درست نہیں۔ لہٰذا مستحب و افضل عمل یہ ہے کہ بچے کی پیدائش کے ساتویں روز بچے کا نام رکھا جائے، کیونکہ اتنے دنوں میں کسی اچھے نام پر اتفاق بھی یقینی ہے، آئندہ حدیث اس موقف کی مؤید ہے۔ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((كُلُّ غُلَامٍ رَهِينَةٌ بِعَقِيْقَتِهِ، تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهِ، وَ يُحْلَقُ وَ يُسَمَّى))

”ہر بچہ اپنے عقیقہ کے عوض گروی ہے۔ ساتویں دن اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے، اس کا سر مونڈھا جائے اور اس کا نام رکھا جائے۔“

[مسند احمد:۵/۱۷، سنن أبو داؤد : ۲۸۳۸، جامع ترمذی:۱۵۲۲، سنن نسائی:۴۲۲۵، سنن ابن ماجه:۳۱۶۵] حسن

یہ حدیث دلیل ہے کہ ولادت کے ساتویں دن بچے کا نام رکھنا مستحب عمل ہے۔

ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی رو سے ولادت کے ساتویں روز بچے کا

سر مونڈھا اور اس کا نام رکھنا مستحب عمل ہے۔

[المغنی لابن قدامہ: ۸/۲۲]

امام شوکانی حدیث میں مذکور لفظ، "یُسَمّٰی" سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

((یُسَمّٰی، دَلِیْلٌ عَلَی اسْتِحْبَابِ التَّسْمِیَةِ فِی الْیَوْمِ السَّابِعِ))

حدیث میں وارد لفظ یُسَمّٰی (کہ ساتویں روز بچے کا نام تجویز کیا جائے) ساتویں روز بچے کا نام تجویز کرنے کے مستحب ہونے کی دلیل ہے۔

[نیل الاوطار: ۵/۱۹۴]

البتہ دلائل کی رو سے پیدائش کے پہلے دن بھی بچے کا نام رکھنا جائز اور مشروع ومسنون ہے، اس کے جواز کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وُلِدَ لِیَ اللَّیْلَةَ غُلَامٌ، فَسَمَّیْتُهُ بِاسْمِ أَبِیْ، إِبْرَاهِیْمَ))

"آج رات میرے ہاں بیٹے کی پیدائش ہوئی ہے اور میں نے اس کا نام اپنے باپ کے نام پر ابراہیم رکھا ہے۔"

[صحیح مسلم: ۲۳۱۵، سنن أبوداؤد: ۳۱۲۶]

۲۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((وُلِدَ لِیْ غُلَامٌ، فَأَتَیْتُ بِهِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، فَسَمَّاهُ إِبْرَاهِیْمَ ، فَحَنَّكَهُ بِتَمْرَةٍ))

"میرے ہاں بیٹے کی ولادت ہوئی تو میں اسے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور کھجور کے ساتھ اسے گھٹی دی۔"

[صحیح بخاری: ۵۴۶۷، صحیح مسلم: ۲۱۴۵]

۳۔ سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب منذر بن ابو سید رضی اللہ عنہما

پیدا ہوئے تو اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا، نبی ﷺ نے اسے اپنی ران پر رکھا ابو اسید (نومولود کے والد) بھی بیٹھے تھے، پھر نبی ﷺ اپنے سامنے کسی چیز میں مشغول ہو گئے، اس پر ابو اسید رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کے متعلق حکم دیا، اسے آپ ﷺ کی ران سے اٹھا لیا گیا اور انھوں نے اسے واپس گھر بھیج دیا۔ رسول اللہ ﷺ پہلی حالت میں آئے تو پوچھا کہ بچہ کہاں ہے؟ ابو اسید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے اسے گھر بھیج دیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: اس کا نام کیا ہے؟ انھوں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! اس کا فلاں نام ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، بلکہ اس کا نام منذر ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اسی دن اس کا نام منذر رکھا۔

[صحیح بخاری: ۶۱۹۱، صحیح مسلم: ۲۱۴۹]

اس طرح دیگر روایات میں ہے کہ نبی ﷺ نے عبداللہ بن زبیر

[صحیح مسلم: ۲۱۴۶]

اور ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے کا نام عبداللہ

[صحیح بخاری: ۵۴۶۷، صحیح مسلم ۲۱۴۵]

ان کی ولادت کے دن ہی تجویز کیا تھا۔

خلاصۃ التحقیق:

گزشتہ دلائل کی رو سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نومولود کا نام تجویز کرنے میں وسعت ہے اور ولادت کے پہلے روز یا ساتویں روز بچے کا نام تجویز کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

((اَلسُّنَّةُ أَنْ يُسَمَّى الْمَوْلُوْدُ الْيَوْمَ السَّابِعَ مِنْ وِلَادَتِهِ أَوْ يَوْمَ الْوِلَادَةِ))

''نومولود کا ولادت کے ساتویں دن یا ولادت کے دن نام رکھنا مسنون ہے۔''
[شرح النووی: ۱۴/ ۱۶۵]

ابن علان رحمہ اللہ المواہب اللدنیۃ میں لکھتے ہیں:

((يُحْمَلُ عَلَى أَنَّهَا لَا تُؤَخَّرُ عَنِ السَّابِعِ، لَا أَنَّهَا لَا يَكُوْنُ إِلَّا فِيْهِ، بَلْ هِيَ مَشْرُوْعَةٌ مِنْ حِيْنِ الْوِلَادَةِ إِلَى السَّابِعِ))

''ان احادیث کو اس معنی پر محمول کیا جائے گا کہ ولادت کے ساتویں دن سے نام رکھنے میں تاخیر مشروع نہیں (یعنی ساتویں دن تک نام تجویز کر لینا چاہیے) اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ساتویں روز ہی نام رکھا جائے، بلکہ ولادت کے وقت سے لے کر ساتویں روز تک نام تجویز کرنا مشروع ہے۔''
[الفتوحات الربانیہ: ۶/ ۹۷]

ولادت سے لے کر ساتویں دن تک بچے کا نام تجویز کرنا جائز ومباح ہے: البتہ ساتویں دن سے تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔

نام تجویز کرنے کا مستحق کون؟

بچے کا نام تجویز کرتے وقت تمام اہل خانہ کی رائے لینا ضروری ہے اور باہمی مشاورت سے جس نام پر اتفاق ہو اسے تجویز کر لینا چاہیے، نام تجویز کرنے کی یہ صورت افضل ہے اور اس کے اچھے نتائج ثابت ہوتے ہیں اور ''فَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ'' حکم ربانی کی تعمیل بھی ہو جاتی ہے۔

والدہ بھی نام کا انتخاب کر سکتی ہے:

والدہ کو بھی نام تجویز کرنے کا اختیار ہے اور اگر خاوند بیوی کو بچے کا نام رکھنے میں اختیار دے دے یا اس کے تجویز کردہ نام پر خوش ہو تو والدہ کا انتخاب کردہ نام تجویز کرنا

بھی درست ہے۔ جیسا کہ مریم علیہا السلام کی والدہ ہی نے ان کا نام تجویز کیا تھا، جیسا کہ قرآن مجید میں اس کی صراحت ہے۔

﴿وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ﴾ [آل عمران:۳/۳۶]

''اور میں نے اس کا نام مریم رکھا۔''

کسی بزرگ ہستی سے بھی نام رکھوایا جا سکتا ہے:

کسی معزز و محترم بزرگ اور مذہبی پیشوا سے بھی نام رکھوایا جا سکتا ہے یا کسی مذہبی شخصیت کا تجویز کردہ نام بھی رکھا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے ابوموسیٰ اشعری کے بیٹے کا نام ابراہیم رکھا۔

[صحیح بخاری:۵۴۶۷، صحیح مسلم۲۱۴۵]

زبیر کے بیٹے کا نام عبداللہ (صحیح مسلم : ۲۱۴۶) اور ابوسعید رضی اللہ عنہ کے بیٹے کا نام منذر تجویز کیا۔ [صحیح بخاری: ۶۱۹۱۔ صحیح مسلم:۲۱۴۹]

اختلاف کی صورت میں باپ کی تجویز معتبر ہوگی:

اگر خاوند بیوی یا رشتہ داروں میں بچے کے نام کے انتخاب پر اختلاف ہو جائے اور وہ کسی ایک نام پر متفق نہ ہو رہے ہوں تو بچے کے والد کا تجویز کردہ نام معتبر ہوگا۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ رقم طراز ہیں کہ اس مسئلہ میں بالکل اختلاف نہیں ہے کہ جب والدین کا بچے کا نام رکھنے میں اختلاف ہو جائے تو باپ کا تجویز کردہ نام معتبر پائے گا۔

گزشتہ احادیث اس پر دال ہیں، اسی طرح بچہ باپ کی طرف منسوب ہوتا ہے نہ کہ ماں کی طرف اس لیے باپ کے تجویز کردہ نام کو ترجیح دی جائے گی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ [الاحزاب:۵]

"تم انھیں ان کے باپوں کی طرف منسوب کرو۔ اللہ کے ہاں یہ بات زیادہ انصاف والی ہے۔ بچہ آزادی اور غلامی میں ماں کے اور نسب اور نام میں باپ کے تابع ہے۔" [تحفة المودود، ص:۱۵۴]

اور آئندہ روایت بھی دلیل ہے کہ بچے کا نام رکھنا والد کا حق ہے، انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وُلِدَ لِيَ اللَّيْلَةَ غُلَامٌ، فَسَمَّيْتُهُ بِاسْمِ أَبِيْ، إِبْرَاهِيْمَ))

"آج رات میرے ہاں بچے کی ولادت ہوئی ہے اور میں نے اس کا نام اپنے باپ کے نام پر ابراہیم تجویز کیا ہے۔"

[صحیح مسلم ۲۳۱۵۔ سنن أبو داؤد:۳۱۲۶]

ناموں کے انتخاب میں ضروری ہدایات:

بچے کے نام کے انتخاب میں ان ناموں کو ترجیح دینی چاہیے، جو اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں یا شرعاً مستحب ہیں اور ایسے ناموں سے گریز کرنا چاہیے جو شرعاً حرام یا مکروہ ہیں۔ ذیل میں ہم پسندیدہ، مستحب، حرام اور مکروہ ناموں کو بالتفصیل بیان کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ترین نام

اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ترین نام عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں، لہٰذا نام کے انتخاب کے وقت ان دو ناموں میں سے کسی ایک نام کو ترجیح دینا افضل ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ أَحَبَّ أَسْمَائِكُمْ إِلَى اللهِ عَبْدُ اللهِ وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ))

''بلا شبہ اللہ کے ہاں تمھارے پسندیدہ ترین نام عبداللہ اور عبدالرحمن ہیں۔''

[صحیح مسلم:۲۱۳۲، سنن أبو داؤد:۴۹۴۹، جامع ترمذی:۲۸۳۴، سنن ابن ماجہ:۳۷۲۸]

فقہ الحدیث:

۱۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ترین نام عبداللہ اور عبدالرحمن ہیں اور انبیاء وصلحا اور شہداء و اولیاء کے ناموں کی بہ نسبت یہ نام رکھنا افضل ہے۔ چنانچہ حافظ عبدالرحمن مبارکپوری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

" فِيْهِ التَّسْمِيَةِ بِهٰذَيْنِ الْأَسْمَيْنِ، وَ تَفْضِيْلُهُمَا عَلَى سَائِرِ مَا يُسَمّٰى "

''اس حدیث میں یہ دو نام (عبداللہ اور عبدالرحمن) رکھنے کی ترغیب ہے اور یہ

وضاحت ہے کہ یہ دو نام تمام ناموں سے افضل ہیں۔"

[تحفۃ الاحوذی: ۹۹/۸، ۱۰۰، عون المعبود: ۱۹۹/۱۳]

۲۔ حافظ ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں:

((اِتَّفَقُوْا عَلَى اسْتِحْسَانِ الْأَسْمَاءِ الْمُضَافَةِ إِلَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ، كَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَمَا أَشْبَهَ ذٰلِكَ))

"علماء کا ان ناموں کے مستحسن ہونے پر اتفاق ہے، جو نام اللہ عزوجل کی طرف منسوب ہیں، جیسے (عبداللہ، عبدالرحمن) اور ان کے مشابہ دیگر اسماء۔"

[مراتب الاجماع، ص: ۱۵۴]

۳۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: فقہاء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ترین نام کیا ہے؟ چنانچہ جمہور علماء کا موقف ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ترین نام عبداللہ اور عبدالرحمن ہیں، سعید بن مسیب رحمہ اللہ کہتے ہیں:

" أَحَبُّ الْأَسْمَاءِ إِلَيْهِ أَسْمَآءُ الْأَنْبِيَاءِ "

اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ترین نام انبیاء علیہم السلام کے نام ہیں۔

[مصنف ابن أبی شیبہ: ۲۶۴۳۰] صحیح

لیکن (اوپر بیان کردہ) صحیح مرفوع حدیث دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ترین نام عبداللہ اور عبدالرحمن ہیں (چنانچہ سعید بن مسیب کے قول کی حدیث کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں)

ان ناموں کے زیادہ پسندیدہ ہونے کی حکمت:

ان ناموں کے اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسندیدہ ہونے کی حکمت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں ان الفاظ میں بیان کی ہے کہ امام قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ان دو ناموں کے ساتھ

ان کے ہم مثل نام مثلاً عبدالرحیم، عبدالملک اور عبدالصمد وغیرہ بھی شامل ہیں۔ یہ نام اللہ تعالیٰ کو اس لیے زیادہ محبوب ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لازم وصف معبود ہونے اور انسان کے وصف لازم یعنی عبودیت کو شامل ہیں۔ پھر عبد کی رب کی طرف اضافت حقیقی ہے، جو ان اسماء کے تم افراد پر صحیح صادق آتی ہے۔ نیز اس ترکیب میں یہ اضافت تشریفی بھی ہے، چنانچہ اسے یہ فضیلت حاصل ہوگئی (کہ اس نسبت سے منسوب نام اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ٹھہرے)۔ ان کے علاوہ دیگر علماء کہتے ہیں کہ ان دو ناموں کے افضل ہونے پر اکتفا اس لیے ہے کہ قرآن حکیم میں عبد کی نسبت اللہ تعالیٰ کے ان دو ناموں (اللہ اور رحمٰن) ہی کی طرف منسوب ہے۔ (اس لیے یہ نام افضل ہیں) جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ﴾

اور شان یہ ہے کہ جب اللہ کا بندہ کھڑا ہوا کہ اس کو پکارے۔ اور دوسرے آیت میں

" وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ "

کے لفظ ہیں اور مزید تائید اس فرمان سے ہوئی ہے۔

﴿قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ﴾

"کہیے اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو پکارو۔"

نیز وہ روایات جن میں یہ ترغیب ہے کہ وہ نام تجویز کیے جائیں، جن کا آغاز عبد سے ہوتا ہے۔ وہ ضعیف و ناقابل احتجاج ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ ابو ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا سَمَّيْتُمْ فَعَبِّدُوا))

"جب تم نام رکھو تو اس میں عبد کا لفظ شامل کرو۔"

[معجم طبرانی کبیر: ۲۰/۱۷۹/ ۳۸۳، الضعیفة: ۲۹۹۰] ضعیف جدًا

اس کی سند میں ابو امیہ بن یعلی ثقفی متروک راوی ہے۔

۲۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَحَبُّ الْأَسْمَاءِ إِلَى اللهِ مَا تُعُبِّدَ))

اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ نام وہ ہیں جن میں عبد کے الفاظ ہوں۔

[طبرانی کبیر: ۹۹۹۲، طبرانی اوسط: ۶۹۴، الضعیفة: ۴۰۸] موضوع

اس روایت کی سند میں محمد بن محصن عکاشی کذاب و وضاع راوی ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں: محدثین نے اسے کذاب قرار دیا ہے۔ [تقریب التھذیب]

اور دارقطنی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ متروک راوی ہے، جو احادیث گھڑا کرتا تھا۔

[میزان الاعتدال: ۸۱۲۰]

③ ((أَحَبُّ الْأَسْمَاءِ إِلَى اللهِ مَا عُبِّدَ وَ حُمِّدَ))

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک انتہائی پسندیدہ نام وہ ہیں جن میں عبد اور حمد کے الفاظ ہوں۔"

[الضعیفة :۴۱۱] بے سند لا اصل لہ

علامہ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ بے سند روایت ہے، جس کی اصل نا معلوم ہے۔

حارث نام کے متعلق وارد روایات کی تحقیق:

حارث کا معنی شیر اور خوشحال ہے۔ معنوی لحاظ سے یہ نام رکھنا درست ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کئی صحابہ کرام اس نام سے موسوم تھے۔ مثلاً :

① حارث بن اوس طائی صحابی ہیں۔ الکاشف للذہبی۔

② حارث بن حارث اشعری صحابی ہیں، ان کی کنیت ابو مالک ہے۔ تقریب التھذیب

③ حارث بن حاطب بن حارث صحابی ہیں۔ تقریب التھذیب

④ حارث بن حاطب بن عمرو صحابی۔تقریب التہذیب

⑤ حارث بن زیاد ساعدی صحابی۔

⑥ حارث بن عمرو انصاری

⑦ حارث بن مالک بن قیس

⑧ حارث بن نوفل بن حارث۔تقریب التہذیب

لہٰذا حارث نام لکھنا مسنون و مستحب عمل ہے اور معنوی و شرعی اعتبار سے یہ نام تجویز کرنے میں کوئی قباحت نہیں، البتہ اس نام کی مدح و ذم میں کئی روایات ہیں، جو سند کے اعتبار سے کمزور ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حارث نام کی مدح میں مروی روایات:

۱۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَحَبُّ الْأَسْمَاءِ إِلَى اللهِ عَبْدُ اللهِ وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَالحَارِثُ))

''اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ترین نام عبداللہ، عبدالرحمن اور حارث ہے۔''

[مسند ابو یعلیٰ: ۲۷۷۸] ضعیف

اس حدیث کی سند میں اسماعیل بن عیاش ہے، اس کی غیر شامیوں سے روایت ضعیف ہے اور حسن بصری رحمہ اللہ غیر شامی ہیں، نیز حسن بصری کی تدلیس ہے۔

۲۔ عبدالرحمن بن ابی سبرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، جب کہ میں کم سن تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (میرے والد سے) پوچھا: تیرے اس بیٹے کا کیا نام ہے؟ انھوں نے عرض کیا: عزیز، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کا نام عزیز نہ رکھو، بلکہ اس کا نام عبدالرحمن رکھو۔

((فَإِنَّ أَحَبَّ الْأَسْمَاءِ إِلَى اللهِ عَبْدُ اللهِ، وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ،

وَالْحَارِثُ))

''کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ترین نام عبد اللہ، عبدالرحمن اور حارث ہے۔''

[معرفة الصحابة لابی نعیم : ۴۱۱۶، الادب للبیهقی : ۳۸۲، مسند احمد : ۱۷۸/۴، مستدرک حاکم: ۲۷۶/۴] ضعیف

اس حدیث کی سند میں ابواسحاق سبیعی کی تدلیس ہے۔

۳۔ سبرہ بن ابی سبرہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے پوچھا : تیرے بیٹے کتنے ہیں؟ انھوں نے عرض کیا : ''عبد العزیٰ، سبرہ اور حارث، آپ ﷺ نے فرمایا: عبدالعزیٰ نام نہ رکھو، پھر آپ ﷺ نے اس کا نام عبداللہ رکھا اور فرمایا:

((إِنَّ خَيْرَ الْأَسْمَاءِ عَبْدُ اللهِ وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَ دَعَا لَهُ وَلِوَلَدِهِ، فَلَمْ يَزَالُوْا فِيْ شَرَفٍ إِلَى الْيَوْمِ))

''بلا شبہ بہترین نام عبداللہ اور عبدالرحمن ہیں اور آپ ﷺ اس کے لیے اور اس کی اولاد کے لیے دعا کی، چنانچہ وہ آج تک مسلسل معزز و محترم رہے ہیں۔''

[طبرانی کبیر: ۶۵۰۵/۷: ۱۱۸، الآحاد والمثانی: ۲۴۷۷] ضعیف

اس حدیث کی سند میں حجاج بن ارطاہ ضعیف و مدلس راوی ہے۔

۴۔ ابو وہب جشمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((تَسَمُّوْا بِاسْمِ الْأَنْبِيَاءِ، أَحَبُّ الْأَسْمَاءِ إِلَى اللهِ، عَبْدُ اللهِ وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ، وَ أَصْدَقُهَا حَارِثٌ وَ هَمَّامٌ، وَ أَقْبَحُهَا حَرْبٌ وَ مُرَّةٌ))

''تم انبیاء کے ناموں پر نام رکھو، اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ترین نام عبد اللہ اور عبدالرحمن ہے۔ وفا شعار نام حارث اور ہمام ہے اور بدترین نام حرب اور مرّہ ہے۔''

[سنن أبوداؤد: ۴۹۵۰، سنن نسائی: ۳۵۹۵، طبرانی کبیر: ۱۸/۲۲: ۸۰۱۳۸۰]

عقیل بن شعیب مجہول راوی ہے۔ تقریب التھذیب، میزان الاعتدال

حارث نام کی مذمت میں روایات:

ذیل میں وہ روایت بیان کی جائیں گی، جس میں حارث نام رکھنے کی ممانعت اور مذمت بیان ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

((نَهَى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُسَمَّى الرَّجُلُ حَارِثٌ، أَوْ وَلِيْدٌ، أَوْ حَكَمٌ ، أَوْ أَبُوْ الْحَكَمِ، أَوْ أَفْلَحُ أَوْ نَجِيْحٌ أَوْ يَسَارٌ، وَ قَالَ : إِنَّ أَحَبَّ الْأَسْمَاءَ إِلَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ مَا تُعُبِّدَ بِهِ))

''رسول اللہ ﷺ نے منع کیا کہ کسی آدمی کا نام حارث، ولید، حَکَم، ابوالحکم، اَفْلَح، نجیح یا یسار رکھا جائے اور آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ترین نام وہ ہیں جن میں عبدیت کا معنی پایا جائے۔''

[طبرانی اوسط: ۶۹۴، طبرانی کبیر: الضعیفة: ۴۰۸] موضوع

اس حدیث کی سند میں محمد بن محصن عکاشی کذاب و وضاع راوی ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں: محدثین نے اسے کذاب قرار دیا ہے۔ [تقریب التھذیب: ۶۲۶۸]

اور دارقطنی کہتے ہیں یہ متروک راوی ہے اور احادیث گھڑتا ہے۔

[میزان الاعتدال: ۸۱۲۰]

کیا حارث ابلیس کا نام ہے؟

بعض لوگ حارث نام اس لیے نہیں رکھتے کہ یہ ابلیس لعین کا نام ہے، اس لیے اس نام سے اجتناب لازم ہے۔ جب کہ اس مفہوم کی مروی روایت ضعیف اور نا قابل احتجاج ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَمَّا حَمَلَتْ حَوَّآءُ طَافَ بِهَا إِبْلِيْسُ، وَ كَانَ لَا يَعِيْشُ لَهَا وَلَدٌ، فَقَالَ : سَمِّيْهِ عَبْدَ الْحَارِثِ، فَسَمَّتْهُ عَبْدَ الْحَارِثِ فَعَاشَ، وَ كَانَ ذَلِكَ مِنْ وَحْيِ الشَّيْطَانِ وَ أَمْرِهِ))

''جب اماں حوا حاملہ ہوئیں تو ابلیس ان کے پاس آیا، اماں حوا کی اولاد زندہ نہ رہتی تھی، تو اس نے کہا: اس کا نام عبدالحارث رکھنا، چنانچہ انھوں نے اس کا نام عبدالحارث رکھا تو وہ زندہ رہا۔ اور یہ (بچے کا نام عبدالحارث رکھنا) شیطان کے حکم کی تعمیل میں تھا۔''

[مسند أحمد: ۵/ ۱۱، مسند بزار: ۴۵۸۰، جامع ترمذی: ۳۰۷۷، مستدرک حاکم: ۲/ ۵۴۵۔ ضعیف]

اس روایت کی سند میں عمر بن ابراہیم عبدی صدق راوی ہے، لیکن اس کی قتادہ سے روایت ضعیف ہے۔ [تقریب التھذیب: ۴۸۶۳]

اور اس کی روایت میں یہ قتادہ بن دعامہ سے روایت کر رہا ہے، نیز قتادہ بن دعامہ کی تدلیس ہے۔ لہٰذا یہ واقعہ بے اصل ہے کہ شیطان کا نام حارث تھا اور اس نے اماں حوا کو بیٹے کی اپنی طرف نسبت کرنے کا حکم دیا تھا۔

مستحب نام

۱۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی طرف عبدیت کی نسبت کرنا، مثلاً عابد اللہ، عباد اللہ، عبید اللہ، عبیداللہ، عباد الرحمن، عباد الرحمن، عبید الرحمن، عوبید الرحمن اور دیگر اسماء و صفات کی طرف عبد کی نسبت کرنا مستحب عمل ہے۔

انبیاء اور صالحین کے ناموں پر نام رکھنا:

انبیاء اور صالحین کے ناموں پر نیک فال کے طور پر نام رکھنا مستحب فعل ہے اور اس میں دوسری بڑی حکمت یہ ہے کہ اس سے انبیاء کی یاد تازہ رہتی ہے اور ان کے نام اور کردار زندہ رہتے ہیں، نیز آئندہ دلائل ان کے استحباب کی دلیل ہیں۔

۱۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وُلِدَ لِيَ اللَّيْلَةَ غُلاَمٌ، فَسَمَّيْتُهُ بِاسْمِ أَبِيْ، إِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلاَمِ))

[صحیح مسلم:۲۳۱۵۔ سنن أبو داؤد:۳۱۲۶]

”آج رات میرے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے اور میں نے اس کا نام اپنے والد ابراہیم علیہ السلام کے نام پر رکھا ہے۔“

عبدالمحسن العباد سنن ابو داؤد کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث دلیل ہے کہ انبیاء علیہم السلام

کے نام پر نام رکھنا جائز ہے۔[شرح سنن أبی داؤد: ۱۶/ ۴۴۴]

۲۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((وُلِدَ لِيْ غُلَامٌ فَأَتَيْتُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَمَّاهُ إِبْرَاهِيْمَ فَحَنَّكَهُ بِتَمْرَةٍ، وَ دَعَالَهُ بِالْبَرَكَةِ))

[صحیح بخاری: ۶۱۹۸، صحیح مسلم: ۲۱۴۵]

"میرے ہاں بیٹا پیدا ہوا اور میں اسے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام ابراہیم رکھا، اسے کھجور کی گھٹی دی اور اس کے لیے برکت کی دعا کی۔"

امام نووی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: " وَ فِيْهِ جَوَازُ التَّسْمِيَةِ بِأَسْمَاءِ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامَ"

"یہ حدیث انبیاء علیہم السلام کے ناموں پر نام رکھنے کے جواز کی دلیل ہے۔"

[شرح النووی: ۱۴/ ۱۲۵]

۳۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں جب نجران گیا تو انھوں نے مجھ سے سوال کیا کہ تم یہ آیت:

﴿ يَٰأُخْتَ هَارُوْنَ ﴾ [مریم: ۲۸]

تلاوت کرتے ہو(یعنی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مریم ہارون اور موسیٰ علیہ السلام کی بہن تھی) جب کہ موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ عیسیٰ علیہ السلام سے بہت پہلے کا ہے۔ پھر جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر ہوا اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّهُمْ كَانُوْا يُسَمُّوْنَ بِأَنْبِيَائِهِمْ وَالصَّالِحِيْنَ قَبْلَهُمْ))

”بلاشبہ وہ لوگ اپنے انبیاء اور اپنے سے پہلے نیک لوگ کے ناموں پر نام رکھتے تھے۔“

[صحیح مسلم:۲۱۳۵، جامع ترمذی:۳۱۵۵]

فقہ الحدیث:

۱۔ امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: علماء کی ایک جماعت نے اس حدیث سے دلیل لی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے ناموں پر نام رکھنا جائز ہے اور اس کے جواز پر علماء کا اجماع ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے کا نام ابراہیم رکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں کافی تعداد انبیاء علیہم کے ناموں سے موسوم تھی۔ (شرح النووی:۲۱/۱۱۷)

۲۔ صحابہ و تابعین، تبع تابعین، محدثین، علماء کرام، شہداء عظام اور امت کے نیک افراد کے ناموں پر نام رکھنا مشروع ہے، اسی طرح گزشتہ امتوں کے صالح افراد کے ناموں پر نام رکھنا جائز و مباح ہے۔

۳۔ یوسف بن عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں:

((سَمَّانِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْسُفَ وَ مَسَحَ عَلَى رَأْسِيْ))

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام یوسف رکھا اور میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔“

[مسند احمد:۳۵/۴، الادب المفرد:۸۳۸، مسند حمیدی:۸۶۹] حسن

گزشتہ دلائل کی رو سے انبیاء کرام علیہم السلام کے نام تجویز کرنا اور ان کے ناموں پر نام رکھنا جائز و مباح ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے نام تجویز کرنے کی حکمت:

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: جب انبیاء کرام علیہم السلام انسانوں کے سردار، اخلاق کا اعلیٰ

پیکر اور کردار کے اعلیٰ نمونے ہیں اور ان کے نام بہترین نام ہیں، اس لیے نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو انبیاء ﷺ کے نام تجویز کرنے کی ترغیب دی ہے۔ پھر دیگر فوائد سے قطع نظر اگر یہ فائدہ ہی ہو کہ نام معنیٰ کے ساتھ تعلق کا متقاضی ہے تو انبیاء کے نام رکھنے میں یہی مصلحت کافی ہے اس کے ساتھ دیگر فوائد یہ ہیں کہ اس سے انبیاء ﷺ کے نام اور ان کی یاد محفوظ رہے گی اور ان کے نام بھولنے سے محفوظ رہیں گے، نیز ان کے نام ان کے اوصاف اور حالات کی یاد دلاتے رہیں گے۔ [زاد المعاد: ۲/ ۳۱۲]

انبیاء کرام ﷺ کے پیارے نام:

قرآن وحدیث میں انبیاء کرام ﷺ کے درج ذیل نام مذکور ہیں:

۱۔ آدم — گندم گوں

۲۔ ابراہیم — خادم

۳۔ ادریس — پڑھا ہوا

۴۔ اسحاق — ہنسنے والا

۵۔ الیاس — قائم ودائم

۶۔ ایوب — رجوع کرنے والا

۷۔ خضر — سرسبز (علی بن نایف شحود کہتے ہیں کہ خضر کے نبی ہونے میں اختلاف ہے۔ صالح آدمی تھے۔ جمہور علماء کا موقف ہے کہ یہ نبی تھے اور یہی قول راجح ہے۔
[المفصل فی شرح حدیث من بدل دینه فاقتلوه]

۸۔ داوٗد — عزیز، دوست

۹۔ ذوالکفل — کفالت والا (انھیں نبی قرار دیتے ہیں)

۱۰۔ زکریا — بھرنا (پر کرنا)

۱۱۔سلیمان	سلامتی
۱۲۔شعیب	درست کرنے والا
۱۳۔شیث	کثرت (علامہ عینی کہتے ہیں: یہ نبی مرسل تھے) [عمدة القاری: ۱/ ۴۱]
۱۴۔صالح	نیک
۱۵۔عزیر	تعاون کرنا (ان کی نبی ہونے میں اختلاف ہے)
۱۶۔عیسیٰ	زندگی والا
۱۷۔لوط	دلی محبت
۱۸۔محمد	تعریف کیا ہو
۱۹۔موسیٰ	پانی سے پکڑا ہوا
۲۰۔نوح	تسکین والا
۲۱۔ہارون	سردار، پاسبان
۲۲۔یحییٰ	زندہ رہنے والا
۲۳۔الیسع	فراخ وسعت والا
۲۴۔یعقوب	پیچھے آنے والا
۲۵۔یوسف	خوبصورت
۲۶۔یوشع	بلندی
۲۷۔یونس	مانوس، ستون
۲۸۔ھود	توبہ کرنے والا

انبیاء کرام کے ناموں کی ناپسندیدگی کے متعلق شبہات:

انبیاء کرام کے نام تجویز کرنے کے متعلق کئی اعتراضات وشبہات پیش کیے جاتے ہیں،

یعنی یہ عذر پیش کیا جاتا ہے کہ بچوں کے نام انبیاء کرام کے ناموں پر نہیں رکھنے چاہییں، کیونکہ عموماً بچوں کو گالیاں دی جاتی ہیں یا اکثر ان پر لعن طعن ہوتا ہے، جس سے انبیاء کرام علیہم السلام کی تعظیم و تقدیس پر حرف آتا ہے، اس لیے ایسے ناموں سے اجتناب بہتر ہے۔
یہ شبہ جہالت کا شاخسانہ ہے، کیونکہ ایک تو نبی ﷺ کے نام سے موسوم شخص پر لعن طعن یا تنقیص میں مذکورہ شخصیت ہی ہدف ہوتی ہے۔ کسی نبی کی تعظیم و تقدیس ذرا متاثر نہیں ہوتی، پھر اس فعل بد (بچوں کو گالیاں دینا اور لعن طعن کرنا) سے اجتناب کرنا چاہیے، نہ کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے محترم و مقدس ناموں کا سلسلہ ترک کر دیا جائے۔ نیز کچھ کمزور روایات منقول ہیں، جو اس سوچ کو بنیاد مہیا کرتی ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔ ابو العالیہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

" تَفْعَلُوْنَ شَرًّا مِنْ ذَلِكَ، تُسَمُّوْنَ أَوْلَادَكُمْ أَسْمَآءَ الْأَنْبِيَاءِ، ثُمَّ تَلْعَنُوْنَهُمْ "

"تم بدترین کام کرتے ہو کہ اپنی اولاد کے نام انبیاء علیہم السلام کے ناموں پر رکھتے ہو پھر تم ان پر لعنت کرتے ہو۔"

[مصنف ابن أبی شیبہ: ۲۶۴۲۸] ضعیف

فضل بن دکین کی تدلیس ہے اور یہ ابو العالیہ کا قول ہے، نہ کہ حدیث نبوی:

۲۔ سالم بن ابی الجعد رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے (اہل کوفہ کو) خط لکھا:

((لَا تُسَمُّوْا بِاسْمِ نَبِيٍّ، فَكَانَ رَجُلٌ يُسَمَّى هَارُوْنَ فَغَيَّرَ اسْمَهُ))

کسی نبی کے نام پر نام نہ رکھو، چنانچہ ایک آدمی کا نام ہارون تھا تو انھوں نے اس کا نام تبدیل کر دیا۔" [جزء حنبل بن اسحاق: ۲۶] ضعیف

یہ روایت دو علتوں کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۱۔ قتادہ بن دعامہ کی تدلیس ہے۔

۲۔ سالم بن ابی الجعد کی عمر بن خطاب سے روایت مرسل ہے۔

[کتاب المراسیل لابن حاتم رازی، ص:۸۰]

انبیاء علیہم السلام کے ناموں کی فضیلت:

جس طرح انبیاء علیہم السلام کے ناموں پر نام رکھنے کی کراہت اور ممانعت کے متعلق روایات کمزور ہیں۔ ایسے ہی کچھ روایات میں انبیاء علیہم السلام کے نام تجویز کرنے کی فضیلت منقول ہے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا مِنْ أَهْلِ بَيْتٍ فِيهِمُ اسْمُ نَبِيٍّ إِلاَّ بُعِثَ إِلَيْهِمْ مَلَكٌ ، يُقَدِّسُهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ))

''جس گھرانے میں نبی کے نام کا شخص ہو، ان کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو صبح شام ان کی تقدس و تعظیم کرتا ہے۔''

[الفردوس بما ثور الخطاب:۶۱۷۲، اخبار اصبهان:۹۹۴، الموضوعات لابن الجوزی:۱/۱۵۴، تذکرۃ الموضوعات:۱/۸۹، تنزیہ الشریعہ:۴۹] موضوع

یہ روایت من گھڑت ہے۔ حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ اس میں کئی متروک راوی ہیں اصبغ بن نباتہ کے بارے میں یحییٰ بن معین کہتے ہیں: اس کی کچھ حیثیت نہیں اور محمد بن حمید کو ابو زرعہ نے کذاب قرار دیا ہے۔

[الموضوعات لابن الجوزی:۱/۱۵۴]

۲۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ مِنْ بَرَكَةِ الطَّعَامِ أَنْ يَكُوْنَ عَلَيْهِ رَجُلٌ اسْمُهُ اسْمُ نَبِيٍّ))

''کھانے کی برکت میں سے ہے کہ کھانے پر ایسا آدمی ہو، جس کا نام نبی کے نام سے موسوم ہو۔''

[الموضوعات لابن الجوزی : ۲/۲۸۴، تذکرۃ الموضوعات: ۱/۸۹، تنزیہ الشریعہ: ۵۰، اللالی المصنوعۃ: ۱/۹۲، الفردوس بماثور الخطاب: ۵/۲۰۱۵] موضوع

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد ابن عدی کہتے ہیں : یہ حدیث باطل ہے، اس کی سند میں اسماعیل بن یحییٰ ثقہ راویوں سے باطل روایات نقل کرتا ہے۔ دارقطنی نے کہا: یہ کذاب و متروک راوی ہے، اس سند میں زکریا بن حکیم راوی ہے، احمد اور یحییٰ کہتے ہیں : یہ کچھ بھی نہیں اور ابن مدینی نے اسے ہالک کہا ہے، اس سند میں تیسرا راوی محمد بن یحییٰ بن رزین ہے، جس کے متعلق حافظ ابن حبان کہتے ہیں : یہ دجال ہے اور احادیث گھڑتا تھا۔

[الموضوعات لابن الجوزی: ۲/۲۸۴، ۲۸۵]

نبی ﷺ کے نام پر نام رکھنا:

نبی ﷺ کے نام پر نام رکھنا مستحب فعل ہے، اس سے آپ ﷺ کا نام، کردار اور سیرت کا تحفظ اور مسمّی کے لیے نیک فال ہے کہ اس کی زندگی ، سیرت اور کردار نبی ﷺ کی سیرت کے تابع ہو۔ رسول مقدس کے ناموں کا انتخاب کرنا اور آپ ﷺ کے ناموں پر نام رکھنے کے جواز و استحباب کے دلائل درج ذیل ہیں۔

ا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابو القاسم ﷺ نے فرمایا:

((سَمُّوْا بِاسْمِيْ وَلَا تَكْتَنُوْا بِكُنْيَتِيْ))

''میرا نام رکھو، لیکن میری کنیت تجویز نہ کرو۔''

[صحیح بخاری: ۶۱۸۸، صحیح مسلم: ۲۱۳۴]

۲۔ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو اس نے اس کا نام محمد رکھنا چاہا، چنانچہ وہ نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور اس بارے میں آپ ﷺ سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَحْسَنَتِ الْأَنْصَارُ، تَسَمُّوْا بِاسْمِي وَلاَ تَكْتَنُوْا بِكُنْيَتِيْ))

''انصار کا یہ فعل (میرے نام پر نام رکھنا) اچھا ہے۔ تم میرا نام رکھو، لیکن میری کنیت پر کنیت نہ رکھو۔''

[صحیح مسلم:۲۱۳۳]

فقہ الحدیث:

۱۔ نبی ﷺ کے نام پر نام رکھنا جائز و مستحب فعل ہے۔

۲۔ عہد رسالت میں آپ ﷺ کی کنیت رکھنا ممنوع تھا اور کسی کو بھی آپ ﷺ کا نام مع کنیت رکھنے کی اجازت نہ تھی۔

عہد رسالت میں صرف آپ ﷺ کی کنیت ممنوع تھی:

عہد رسالت میں کسی بھی شخص کے لیے جائز نہ تھا کہ وہ آپ ﷺ کی کنیت اختیار کرے۔ آپ ﷺ نے اپنی کنیت ابو القاسم اختیار کرنے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو منع کی تھا۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔

۱۔ جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم میں سے ایک شخص کے ہاں بیٹا ہوا تو اس نے اس کا نام قاسم رکھا۔ اس پر ہم نے کہا: ہم تیری کنیت ابو القاسم نہ رکھیں گے، نہ اس عزت سے شرف یاب کریں گے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((سَمِّ ابْنَكَ عَبْدَالرَّحْمٰنِ))

''اپنے بیٹے کا نام عبدالرحمن رکھ لو۔''

[صحیح بخاری:۶۱۸۶، صحیح مسلم:۲۱۳۳]

۲۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں: بقیع مقام میں ایک شخص نے ایک دوسرے شخص کو ابو القاسم کہہ کر پکارا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی طرف التفات کیا تو اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے مخاطب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں، میں نے تو فلاں شخص کو پکارا ہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((تَسَمُّوْا بِاسْمِيْ وَ لاَ تَكْتَنُوْا بِكُنْيَتِيْ))

''تم میرے نام پر نام رکھو، لیکن میری کنیت نہ رکھو۔''

[صحیح بخاری:۲۱۲۰، صحیح مسلم:۲۱۳۱]

فقہ الحدیث:

یہ احادیث اور اس سے گزشتہ احادیث صریح دلیل ہیں کہ عہد رسالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام رکھنے کی رخصت اور کنیت رکھنے کی ممانعت تھی، یعنی بیٹے کا نام محمد رکھنا اور ابو القاسم کنیت اختیار کرنا یا بیٹے کا نام قاسم رکھ کر خود کو ابو القاسم کنیت رکھنا، یہ صورتیں ممنوع تھیں۔ البتہ جو رخصت بیان کی جاتی ہے کہ عہد رسالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اور کنیت ایک ساتھ رکھنے کی ممانعت تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف نام یا صرف کنیت رکھنے کے جواز کی صورت جائز تھی۔ یہ گزشتہ دلائل کے مخالف ہے اور اس کے جواز میں جو روایت پیش کی جاتی ہے وہ ضعیف ناقابل احتجاج ہے۔

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ تَسَمَّى بِاسْمِيْ فَلاَ يَكْتَنِيْ بِكُنْيَتِيْ وَ مَنِ اكْتَنَى

بِكُنْيَتِيْ فَلاَ يَتَسَمَّى بِاسْمِيْ))
”جو شخص میرا نام رکھے وہ میری کنیت نہ رکھے اور جس نے میری کنیت اختیار کی وہ میرا نام نہ رکھے۔“

[مسند احمد:۳/۳۱۳، سنن أبو داؤد:۴۹۶۶، جامع ترمذی:۲۸۴۲، صحیح ابن حبان:۵۸۱۶، سنن بیهقی:۹/۳۰۹، شعب الایمان للبیهقی:۶/۳۹۳، ۸۶۳۶] ضعیف

اس روایت میں ابو زبیر مکی کی تدلیس ہے۔

یہی روایت [مسند أحمد:۲/۳۱۲، ۲/۴۵۴] میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ لیکن یہ روایت بھی ضعیف ہے کیونکہ اس میں شریک بن عبداللہ قاضی مختلط و مدلس راوی ہے اور اس روایت میں اس کا عنعنہ ہے۔

یہی روایت (مسند بزار: ۳۱۳۹) میں مروی ہے اور اس کی سند سخت ضعیف ہے، کیونکہ اس میں ابو بکر بن ابی سبرہ متروک راوی ہے، حافظ ہیثمی کہتے ہیں: اس روایت میں ابو بکر بن ابی سبرہ متروک راوی ہے۔ [مجمع الزوائد:۸/۹۴]

نام و کنیت رکھنے کی رخصت:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت رکھنے کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ساتھ خاص تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اور کنیت رکھنا جائز و مباح ہے۔ اس کی دلیل آئندہ حدیث ہے اور اکثر علماء نے اس سے یہ جواز اخذ کیا ہے۔ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں:

((قُلْتُ : يَا رَسُوْلَ اللهِ ! إِنْ وُلِدَ لِيْ مِنْ بَعْدِكَ وَلَدٌ، أُسَمِّيْهِ بِاسْمِكَ وَ أُكَنِّيْهِ بِكُنْيَتِكَ ، قَالَ : نَعَمْ))

''میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ ﷺ کے بعد میرے ہاں بیٹا ہو تو آپ ﷺ کے نام پر اس کا نام اور آپ ﷺ کی کنیت پر اس کی کنیت رکھ لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! (رکھ لینا)۔''

[مسند أحمد : ۱/۹۵، سنن ابو داؤد : ۴۹۶۷، جامع ترمذی: ۲۸۴۳، سنن بیھقی: ۹/۳۰۹] حسن

فطر بن خلیفہ صدوق راوی ہے اور باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔

صالحین کے نام تجویز کرنا:

پچھلی امتوں کے اولیاء و صالحین کے نام تجویز کرنا اور ایسے ہی اس امت میں سے صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، محدثین و فقہاء، شہداء و صلحاء، اولیا و اصفیاء، علماء و واعظین اور نیک بزرگوں کے ناموں پر نام رکھنا جائز ہے۔ اس کی دلیل مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّهُمْ كَانُوْا يُسَمُّوْنَ بِأَنْبِيَائِهِمْ وَالصَّالِحِيْنَ قَبْلَهُمْ))

''وہ (عیسائی) اپنے انبیاء اور اپنے سے پہلے صالحین کے ناموں پر نام رکھتے تھے۔''

[صحیح مسلم: ۲۱۳۵، جامع ترمذی: ۳۱۵۵]

اچھے معانی کے حامل اسماء کا انتخاب:

ایسے نام جن کا معنی و مفہوم اچھا ہو، ایسے نام کا انتخاب کرنا مشروع ہے اور اچھے نام کا شخصیت پر اچھا اثر ہوتا ہے، لہٰذا معنی و مفہوم کے لحاظ سے اچھے ناموں کا انتخاب جائز ہے۔ دلائل حسب ذیل ہے۔

۱۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((أَسْلَمُ سَالَمَهَا اللهُ، وَ غِفَارُ غَفَرَ اللهُ لَهَا))
''اسلم (قبیلہ) کو اللہ تعالیٰ سالم رکھے اور غفار (قبیلہ) کی اللہ تعالیٰ مغفرت کرے۔''
[صحیح بخاری:۳۵۱۴، صحیح مسلم:۲۵۱۴]

۲۔ صلح حدیبیہ کی شرائط طے پانے کے وقت مشرکین کی طرف سے سہیل بن عمرو بطور نمائندہ آئے (یہ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) تو نبی ﷺ نے فرمایا:

((لَقَدْ سَهُلَ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ))
''یقیناً تمھارے لیے تمہارا معاملہ آسان ہو گیا ہے۔''
[صحیح بخاری:۲۷۳۱، ۲۷۳۲]

ولید نام رکھنا:

ولید (نوجوان، نومولود) نام رکھنا جائز و مباح ہے، کیونکہ ولید نام کے کئی صحابہ و تابعین اور محدثین ہیں اور امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں ''بَابُ تَسْمِيَةِ الْوَلِيْدِ'' ولید نام رکھنے کا بیان، قائم کر کے اس نام کے جواز کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس باب کے تحت درج ذیل روایات نقل کر کے اس کے جواز کا ثبوت پیش کیا ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے رکوع سے سر اٹھایا تو (قنوت نازلہ میں) یہ کلمات کہے:

((أَللّٰهُمَّ أَنْجِ الْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ وَعَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ بِمَكَّةَ))
''اے اللہ! ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام، عیاش بن ربیعہ اور مکہ کے کمزور مسلمانوں کو (کفار کی قید سے) نجات دے۔''
[صحیح بخاری:۶۲۰۰، صحیح مسلم:۶۷۵]

نیز جس روایت میں ولید نام رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔ وہ من گھڑت اور کمزور ہے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ام المومنین ام سلمہ کے بھائی کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو انھوں نے اس کے لیے ولید نام تجویز کیا، اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((سَمَّيْتُمُوْهُ بِاسْمِ فَرَاعِنَتِكُمْ، لَيَكُوْنَنَّ فِيْ هَذِهِ الْأُمَّةِ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ الْوَلِيْدُ، لَهُوَ شَرٌّ عَلَى هَذِهِ الْأُمَّةِ مِنْ فِرْعَوْنَ لِقَوْمِهِ))

[مسند احمد: ۱۸/۱۔ مسند الحارث: ۸۰۴۔ مصنف عبدالرزاق: ۱۹۸٦۱]

ضعیف۔ یہ حدیث دو علتوں کی وجہ سے ضعیف ہے:

۱۔ زہری کی تدلیس ہے۔

۲۔ سعید بن مسیب رحمہ اللہ کا عمر بن خطاب سے سماع ثابت نہیں۔

[کتاب المراسیل لابن ابی حاتم ص: ۴۱،۴۲]

ممنوع وحرام نام

شرعی دلائل کی رو سے کچھ ناموں کی ممانعت وارد ہوئی ہے، لہٰذا ان ممنوع اسماء سے گریز لازم ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ یہ نام مالک الاملاک، سلطان السلاطین (شہنشاہ، بادشاہوں کا بادشاہ) حاکم الحکام، اور قاضی القضاۃ، اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہیں، اس لیے ان ناموں سے اجتناب کرنا چاہیے۔ ان ناموں کی حرمت کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أَخْنَعُ اسْمٍ عِنْدَ اللهِ رَجُلٌ تَسَمَّى بِمَلِكِ الْأَمْلَاكِ قَالَ سُفْيَانُ : يَقُوْلُ غَيْرُهُ، تَفْسِيْرُهُ شَاهَانَ شَاهِ))

[صحیح بخاری:۶۲۰۶، صحیح مسلم:۲۱۴۳]

''اللہ تعالیٰ کے ہاں (قبیح اور ذلیل ترین نام اس شخص کا ہے جو اپنے نام مالک املاک (یعنی بادشاہوں کا بادشاہ) رکھتا ہے۔''

سفیان نے کہا: ابو الزناد کے علاوہ دیگر راویوں نے مالک املاک کی تفسیر شہنشاہ کی ہے۔

۲۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أَغْيَظُ رَجُلٍ عَلَى اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَخْبَثُهُ وَأَغْيَظُهُ عَلَيْهِ،

رَجُلٌ كَانَ يُسَمَّى مَلِكَ الْأَمْلاَكِ، لاَ مَلِكَ إِلاَّ اللّٰه))

[صحیح مسلم: ۲۱۴۳]

''روز قیامت اللہ تعالیٰ کے ہاں بدترین، خبیث ترین اور مبغوض ترین وہ شخص ہے، جو خود کو ملک املاک یعنی شاہان شاہ کہلواتا تھا۔ کیونکہ بادشاہوں کا بادشاہ تو اللہ تعالیٰ ہے۔''

فقہ الحدیث :

۱۔ ابن بطال رحمہ اللہ کہتے ہیں: مخلوق میں سے کسی شخص کا ملک الاملاک یعنی شہنشاہ نام سے موسوم ہونا اللہ تعالیٰ کو اس لیے ناپسند اور مکروہ ہے کہ یہ نام اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور مخلوق کے شایان شان نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات سے موسوم ہو اور نہ کسی کے لیے یہ نام رکھنا درست ہیں، کیونکہ بندوں کی شان یہ ہے کہ وہ عجز و انکساری اور بندگی سے متصف ہوں۔

[شرح صحیح بخاری لابن بطال: ۹/۳۵۳، ۳۵۴]

۲۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں: ان احادیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ مذکورہ نام (ملک الاملاک) رکھنا حرام ہے، کیونکہ اس کے متعلق سخت وعید وارد ہے اور یہ وعید ان اسماء مثلاً خالق الخلق (تمام مخلوق کا خالق) احکم الحاکمین (حاکموں میں بڑا حاکم)، سلطان السلاطین اور امیر الامراء کو بھی شامل ہے۔ نیز جو شخص اللہ تعالیٰ کے خاص ناموں میں سے کسی خاص نام مثلاً رحمن، قدوس، جبار وغیرہ نام رکھنا بھی اس وعید میں داخل ہیں۔ (لہٰذا ان ناموں کا انتخاب مخلوق کے لیے حرام ہے)۔

[فتح الباری: ۱۰/۵۱۰۔ تحفۃ الاحوذی: ۸/۱۰۲]

۳۔ حافظ ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں: بعض علماء کا موقف ہے کہ قاضی القضاۃ اور حاکم الحکام نام رکھنا بھی مکروہ ہے کیونکہ حاکم الحکام (حاکموں کا حاکم) حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہے

اور اہل علم و فضل میں سے ایک جماعت قطعاً قاضی القضاۃ اور حاکم الحکام کہنے سے اجتناب کرتی تھی۔اس وعید پر قیاس کرتے ہوئے کہ ملک الاملاک کے نام اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے اور یہ قیاس موافق ہے۔

[تحفة المودود باحكام المودود، ص:۱۳۳]

اللہ تعالیٰ کے ناموں پر نام رکھنا:

اللہ تعالیٰ کے خاص ناموں اور صفات پر نام رکھنا ممنوع ہے۔حافظ ابن قیم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: انسان کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ناموں پر نام رکھنا ممنوع ہے۔سو احد، صمد، خالق، رازق اور وہ تمام نام جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں، یہ نام رکھنا جائز نہیں، اس طرح بادشاہوں کے لیے قاہر، ظاہر، جبار اور متکبر، اول ، اخر، باطن اور علام الغیوب نام رکھنا ناجائز ہیں۔اس کی دلیل پچھلی بحث میں مروی روایات ہیں،مزید دلیل درج ذیل ہے۔

ہانی بن یزید مذحجی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں، جب وہ اپنی قوم کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس وفد میں آئے تو آپ ﷺ نے انھیں سنا کہ وہ (ہانی) کو ابوالحکم کنیت سے پکارتے تھے۔آپ ﷺ نے اسے بلایا اور فرمایا، بلا شبہ اللہ ہی حکم (حقیقی فیصل ہے) اور ہر فیصلہ کا مرجع وہ ہے۔تو ابوالحکم کنیت کیوں رکھتا ہے؟اس نے عرض کی: میری قوم کے لوگ جب کسی مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں تو وہ میرے پاس آتے ہیں تو میں ان کے درمیان فیصلہ کرتا ہوں اور دونوں فریق راضی ہو جاتے ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:یہ بہت عمدہ ہے۔پھر (آپ ﷺ نے پوچھا) تیرے بچے کتنے ہیں؟ اس نے کہا: میرے تین بیٹے، شریح، مسلم، اور عبداللہ ہیں۔آپ ﷺ نے پوچھا: ان میں سے بڑا کون ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: شریح، آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو تم ابوشریح ہو۔''

[سنن أبو داؤد: ۴۹۵۵، سنن نسائی: ۵۳۸۹، مستدرک حاکم: ۲۷۹/۴، الادب المفرد: ۸۱۱] حسن

یزید بن مقدام بن شریح صدوق راوی ہے اور باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔

توحید کے منافی نام:

وہ تمام نام جو توحید کے منافی ہیں جن میں شرک کا شائبہ اور غیر اللہ کے لیے عبدیت کا اظہار ہوتا ہے، ایسے تمام نام بالاتفاق حرام ہیں۔ حافظ ابن حزم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: علماء کا ہر اس نام کی حرمت پر اتفاق ہے، جس میں غیر اللہ کے لیے عبدیت کا اظہار ہو۔ (یعنی غیر اللہ کی طرف عبد کی نسبت ہو) جیسے عبدالعزیٰ، عبد ھبل، عبد عمرو، عبدالکعبہ اور اس کے مثل دیگر نام ہیں۔

[مراتب الاجماع، ص: ۱۳۱]

حافظ ابن حزم کہتے ہیں: لہٰذا عبدالعلی، عبدالحسین اور عبدالکعبہ نام رکھنا حرام ہیں۔

[تحفة المودود: ص، ۱۳۱]

اور علامہ البانی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ عبد النبی اور عبد الرسول نام رکھنا بھی نا جائز ہیں۔ جیسا کہ اہل السنہ میں سے بعض لوگ ایسے نام رکھتے ہیں۔

[الضعیفة: ۱/ ۵۹٦]

تحفۃ الاسماء کے مؤلف غازی عزیر لکھتے ہیں: بعض شیعہ حضرات غلام علی، غلام حسین، غلام موسیٰ کاظم، غلام مہدی، غلام مہر، غلام حیدر، غلام مرتضیٰ اور کنیز فاطمہ وغیرہ نام رکھتے ہیں۔ اسی طرح بعض سنی حضرات بھی لاعلمی کے سبب اپنے بچوں کے نام عبدالنبی، غلام نبی، غلام علی، غلام رسول، غلام مصطفی، غلام احمد اور غلام محمد وغیرہ رکھتے ہیں۔ ایسے تمام نام شرعاً حرام ہیں ان کی تحریم کے متعلق کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔

[تحفۃ الاسماء، ص: ۷۱، ۷۲]

نیز غیر اللہ کی طرف عبدیت کی نسبت والے نام کو تبدیل کر کے کوئی اسلامی نام رکھنا چاہیے۔ جیسا کہ نبی ﷺ سے مسنون ہے۔ ھانی بن یزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَمُّوْنَ رَجُلاً مِنْهُمْ عَبْدَ الْحَجَرِ، فَقَالَ: النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَا اسْمُكَ ؟ قَالَ : عَبْدُ الْحَجَرَ قَالَ : لَا، أَنْتَ عَبْدُ اللهِ))

نبی ﷺ نے سنا، ان کی قوم کے لوگ ان میں سے ایک آدمی کو عبدالحجر کے نام سے پکارتے ہیں تھے تو نبی ﷺ نے پوچھا: ''تیرا نام کیا ہے؟'' اس نے عرض کیا: ''عبدالحجر۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، تم عبداللہ ہو۔''

[الادب المفرد: ۸۱۱، معرفة الصحابة لابی نعیم: ۵۹۵۰] حسن

کسی پیر یا ولی کی طرف نسبت کرنا:

بعض لوگ جو اولاد سے محروم ہوتے ہیں یا نرینہ اولاد کے فقدان کا شکار ہوتے ہیں، وہ کسی نبی، پیر، ولی یا بزرگ کے مزار یا آستانہ پر جا کر منتیں اور نذریں مانتے ہیں کہ اگر ہمیں اولاد نصیب ہوئی تو ہم اس بچے کو ان ہستیوں کی طرف منسوب کریں گی، پھر جب انھیں اللہ تبارک وتعالیٰ نعمت اولاد سے نوازتے ہیں تو وہ بچوں کے نام رسول بخش، پیراں داتا، عطاء محمد، پیر بخش، غوث بخش، غلام فرید وغیرہ رکھتے ہیں۔ ایسے نام قطعاً حرام ہیں اور لوگوں کے اس فعل بد کو اللہ مالک الملک نے شرک قرار دیا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝۱۸۹ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾

[الاعراف: ۷/۱۸۹، ۱۹۰]

”وہی ہے جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا۔ تاکہ وہ اس سے سکون حاصل کرے، پھر جب مرد نے عورت سے مباشرت کی تو اس نے ہلکا سا حمل اٹھایا اور اسے لے کر چلتی پھرتی رہی، بعد ازاں جب وہ بوجھل ہوگئی تو دونوں نے اللہ سے دعا کی، جو ان کا رب ہے کہ اگر تو نے ہمیں تندرست بچہ عطا کیا تو ہم ضرور شکر گزاروں سے ہوں گے۔ پھر جب اس نے انھیں تندرست بچہ دیا تو ان دونوں نے اس میں جو اس نے عطا کیا تھا۔ اس کے لیے شریک بنا لیے۔ پس اللہ اس سے بہت بلند ہے، جو وہ شریک بناتے ہیں۔“

لہٰذا غیر اللہ کی طرف اولاد کو منسوب کرنا اور ان کے ناموں کی نسبت انبیاء، اولیاء، شہداء اور پیروں کی طرف کرنا شرک ہے، جس سے اجتناب لازم ہے۔

نبی ﷺ کے مخصوص اوصاف پر نام رکھنا:

رسول اللہ ﷺ کی وہ صفات، جن سے صرف وہی متصف ہے، ان ناموں پر نام رکھنا امتیوں کے لیے حرام ہے۔ چنانچہ سید الناس، سید الکل اور سید ولد آدم نام رکھنا ناجائز ہے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: ایسے ہی سید الناس، سید الکل اور سید ولد آدم نام رکھنا حرام ہے، کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ ہی کی صفات ہیں، آپ ﷺ ہی سید ولد آدم ہیں، سو کسی کے لیے حلال نہیں کہ وہ ان صفات کو کسی دوسرے پر اطلاق کرے۔

[تحفة المودود: ص، ۱۴۳]

مکروہ نام

شرعی دلائل کی رو سے کچھ نام تجویز کرنا مکروہ اور ناپسند ہیں، اس لیے ان مکروہ ناموں سے اجتناب لازم ہے تفصیل درج ذیل ہے۔

جو نام خیر و برکت اور خوشحالی کا معنی رکھتے ہیں:

احادیث کی رو سے وہ نام جن میں برکت، خوشحالی، فلاح، تزکیہ نفس یا نافرمانی کے معنی پائے جائیں ایسے نام رکھنا مکروہ ہے اور ان مکروہ ناموں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

① افلح (فلاح والا) ② رباح (کامیاب) ③ یسار (خوشحال) ④ نافع (نفع والا)
⑤ نجیح (کامیاب) ⑥ یعلی (عزت والا) ⑦ برکت ⑧ بَرّہ (نیکو کار)
⑨ عاصیہ (نافرمان) ⑩ حزن (سخت رو، ترش رو)

دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَحَبُّ الْكَلَامِ إِلَى اللَّهِ أَرْبَعٌ : سُبْحَانَ اللَّهِ ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ، وَلاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ، لاَ يَضُرُّكَ بِأَيِّهِنَّ بَدَأْتَ، وَلاَ تُسَمِّيَنَّ غُلاَمَكَ يَسَارًا وَلاَ رَبَاحًا، وَلاَ نَجِيحًا، وَلاَ أَفْلَحَ، فَإِنَّكَ تَقُولُ أَثَمَّ هُوَ ؟ فَلاَ يَكُونُ فَيَقُولُ : لاَ))

''اللہ تعالیٰ کو چار کلمات نہایت پسندیدہ ہیں، سبحان اللہ، والحمد للہ، ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر، تجھے کوئی نقصان کہ تو ان میں سے کسی سے بھی ابتداء کرے اور اپنے غلام کا نام یسار، رباح، نجیح اور افلح ہرگز نہ رکھنا: کیونکہ تو پوچھے گا: کیا یہاں وہ (اس نام کے لوگ) ہے؟ تو وہ وہاں نہ ہوگا تو وہ (مخاطب کہے گا کہ نہیں (یعنی ان ناموں کی نفی اچھا شگون نہیں ہے)۔''

[صحیح مسلم:۲۱۳۷، سنن ابو دائود:۴۹۵۸، جامع ترمذی:۲۸۳۶]

۲۔ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں۔

((نَهَانَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نُسَمِّيَ رَقِيقَنَا بِأَرْبَعَةِ أَسْمَاءٍ أَفْلَحَ وَ رَبَاحٍ، وَيَسَارٍ، وَنَافِعٍ))

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منع کیا کہ ہم اپنے غلام کے چار نام افلح، رباح، یسار اور نافع رکھیں۔''

[صحیح مسلم:۲۱۳۶، سنن ابو داؤد:۴۹۵۹، سنن ابن ماجہ:۳۷۳۰]

اوپر بیان کردہ ناموں کے متعلق وارد ممانعت حرمت کے لیے نہیں بلکہ کراہت کے لیے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ناموں کو ناپسند کیا ہے، بالجزم ان سے منع نہیں کیا۔ چنانچہ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

((أَرَادَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَنْهَى عَنْ أَنْ يُسَمَّى بِيَعْلَى، وَبِبَرَكَةَ، وَ بِأَفْلَحَ وَبِيَسَارٍ، وَبِنَافِعٍ، وَ بِنَحْوِ ذَلِكَ، ثُمَّ رَأَيْتُهُ سَكَتَ بَعْدُ عَنْهَا، فَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا، ثُمَّ قُبِضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَنْهَ عَنْ ذَلِكَ، ثُمَّ أَرَادَ عُمَرُ

أَنْ يَنْهَى عَنْ ذٰلِكَ، ثُمَّ تَرَكَهُ))

''نبی ﷺ نے ارادہ کیا کہ وہ یعلی، برکت، افلح، یسار، نافع اور اس معنی کے دیگر نام رکھنے سے منع کر دیں۔ پھر میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے ان ناموں سے سکوت فرمایا اور ان کے متعلق کوئی بیان نہ دیا۔ بعد ازاں آپ ﷺ وفات فرما گئے اور ان ناموں سے منع نہ کیا۔ اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے ان ناموں سے منع کرنے کا ارادہ کیا، لیکن پھر یہ کام نہ کیا۔''

[صحیح مسلم: ۲۱۳۸]

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: اس مفہوم کے دیگر نام مثلاً مبارک، مفلح، خیر، سرور، نعمت اور ان کے معنی و مفہوم کے دیگر نام بھی ان مکروہ ناموں میں شامل ہیں۔ جنھیں رسول اللہ ﷺ نے ناپسند کیا ہے۔ کیونکہ ان ناموں سے متصف شخصیات کے متعلق جب پوچھا جائے کہ کیا تیرے پاس خیر (نامی شخص) ہے، یا تیرے پاس سرور (خوشی نامی آدمی) ہے، یا تیرے پاس نعمت ہے؟ اور جواب نفی میں ہو تو اس منفی جواب سے دلوں میں نفرت و ناگواری پیدا ہوتی ہے، اس نفی سے بدشگونی جنم لیتی اور بری گفتگو کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

[تحفة المودود: ص، ۱۳۵]

جن میں تزکیہ نفس اور ذاتی نیکوکاری نمایاں ہو:

ایسے نام جن میں ذاتی ستائش یا تزکیہ نفس یا برتری کا معنی نمایاں ہو ایسے ناموں سے احتراز بہتر ہے۔

۱۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا نام بَرّہ (نیکوکار) تھا۔ پھر آپ ﷺ نے ان کا نام بدل کر جویریہ رکھ دیا۔ آپ ﷺ ناپسند کرتے تھے کہ انھیں یہ کہا جائے

کہ وہ بَرَّہ کے پاس سے نکلے ہیں۔

[صحیح مسلم:۲۱۴۰]

۲۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ زینب رضی اللہ عنہا کا نام بَرَّہ (نیکوکار) تھا۔ اس پر کہا گیا کہ یہ اپنے نفس کی پاکی بیان کرتی ہیں (گویا ناگواری کا اظہار کیا) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام زینب رکھ دیا۔

[صحیح بخاری:۶۱۹۲، صحیح مسلم:۲۱۴۱]

۳۔ محمد بن عمرو بن عطاء کہتے ہیں میں نے اپنی بیٹی کا نام بَرَّہ تجویز کیا تو زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا نے مجھے کہا: بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نام سے منع کیا ہے۔ میرا نام برہ رکھا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ، اللّٰهُ أَعْلَمُ بِأَهْلِ الْبِرِّ مِنْكُمْ ، فَقَالُوا بِمَ نُسَمِّيهَا ؟ قَالَ : سَمُّوهَا زَيْنَبَ))

[صحیح مسلم:۲۱۴۲۔ سنن أبوداؤد:۴۹۵۳]

''تم اپنے نفسوں کی پاکی نہ بیان کرو۔ اللہ تعالیٰ تم میں سے نیکوکاروں کو بہتر جانتا ہے۔ چنانچہ انھوں (صحابہ رضی اللہ عنہم) نے عرض کیا: ہم اس کا کیا نام رکھیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کا نام زینب رکھو۔''

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: اس دلیل کی رو سے درج ذیل نام بھی مکروہ ہیں مثلاً تقی، متقی، مطیع، طائع، راضی، محسن، مخلص، منیب، رشید اور سدید وغیرہ (کیونکہ ان ناموں میں نفس کی پاکی اور تزکیہ پایا جاتا ہے)۔ [زادالمعاد:۲/۳۴۴]

جن ناموں میں نافرمانی کے معنی ہوں:

ایسے نام جن میں نافرمانی، سرکشی اور بغاوت کے معنی ہوں، ان ناموں کا انتخاب مکروہ ہے۔

۱۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں:

((أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيَّرَ اسْمَ عَاصِيَةَ وَ قَالَ : أَنْتِ جَمِيْلَةُ))

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاصیہ (نافرمان) نام تبدیل کر دیا اور فرمایا: تو جمیلہ ہے۔''

[صحیح مسلم: ۲۱۳۹، سنن ابو داؤد: ۴۹۵۲، جامع ترمذی: ۲۸۳۸]

۲۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

((أَنَّ ابْنَةً لِعُمَرَ كَانَتْ يُقَالُ لَهَا عَاصِيَةُ ،فَسَمَّاهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمِيْلَةَ))

[صحیح مسلم: ۲۱۳۹، سنن ابن ماجہ: ۳۷۳۳]

''عمر رضی اللہ عنہ کی ایک بیٹی کا نام عاصیہ تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام جمیلہ رکھ دیا۔''

فقہ الحدیث:

حافظ عبد الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ دور جاہلیت میں لوگ عاص اور عاصیہ نام اس مناسبت سے رکھتے تھے کہ (اس نام کے لوگ) ظلم کی صورت میں نقائص اور خوشنودی کو قبول کرنے سے انکار کر دیں۔ لیکن جب اسلام کا ظہور ہوا تو لوگوں کو ان ناموں سے روک دیا گیا اور ممکن ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاصیہ کے متضاد اس کا نام مطیعہ اس لیے نہ رکھا ہو کہ اس میں نفس کی پاکی اور ذاتی ستائش ہے اور نہایہ میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاصیہ نام اس لیے تبدیل کر دیا کہ مومن کا شعار طاعت وفرماں برداری ہے، جب کہ نافرمانی اس کے متضاد ہے۔

[تحفۃ الاحوذی: ۱۰۳/۸]

جن ناموں میں رحمت سے دوری وغیرہ کا مفہوم ہو:

جن ناموں میں رحمت سے دوری اور شخصی نقائص کے معنی ہوں، وہ نام مکروہ ہیں۔ اسامہ بن اخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کو اَصْرَم کہا جاتا تھا، جو ان لوگوں میں تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تمھارا نام کیا ہے؟ اس نے عرض کیا: میں اصرم (رحمت سے کٹا ہوا) ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((بَلْ أَنْتَ زُرْعَةُ))

''بلکہ تو زرعہ (کھیتی، شادابی) ہے۔''

[سنن أبو داؤد: ۴۹۵۴، طبرانی کبیر: ۱/۱۹۶: ۵۲۳] حسن۔

فقہ الحدیث:

زرعہ، زَرْعٌ (کھیتی) سے متعلق ہے اور اَصْرَم کے برعکس یہ نام اچھا ہے، کیونکہ اصرم خیر و برکت سے انقطاع کا مظہر ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بدلہ میں اس کا نام زرعہ رکھ دیا۔ (کہ اس میں رحمت کی نمو جاری رہے)۔ [عون المعبود: ۱۳/ ۲۰۲]

جس نام میں سختی اور اکھڑ پن ہو:

جس نام میں سختی، اکھڑ پن اور ترش روئی وغیرہ کا معنی ومفہوم ہو اسے تجویز کرنا مکروہ ہے، کیونکہ نام کا شخصیت پر اثر ہوتا ہے اور برے نام کے اثرات انسانی نفس پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ سعید بن مسیب رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میرے دادا (حزن) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''تمھارا نام کیا ہے؟'' اس نے کہا: ''میرا نام حزن (سخت رو، غم و پریشانی) ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بلکہ تم سہل (آسان) ہو۔'' اس نے عرض کیا: ''میں اپنے والد کا تجویز کردہ نام تبدیل نہیں کروں گا۔'' سعید بن مسیب

کہتے ہیں: ''اس کے بعد ہم میں ہمیشہ سختی و ترش روئی اور غم و پریشانی موجود رہی۔''
[صحیح بخاری:۶۱۹۳]

شیطان کا نام رکھنا:

شیطان کے ناموں پر نام رکھنا مکروہ ہے، کیونکہ شیطان کے ساتھ دشمنی کا تقاضا ہے کہ اس کی ذات اور ناموں سے نفرت کی جائے، کیونکہ جس کے نام پر نام تجویز کیا جاتا ہے، وہ انسان کے لیے عظیم، محترم اور پسندیدہ شخصیت ہوتی ہے۔ چونکہ ہر مسلمان کی شیطان سے کھلی عداوت ہے، لہٰذا اس کے ناموں سے بھی نفرت و کراہت ہونی چاہیے۔ چنانچہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں۔ شیطان کے نام مثلاً، ال خنزب، ولہان، اعور، اجدع (ابلیس، شیطان) وغیرہ تجویز کرنا مکروہ فعل ہے۔

فرعونوں اور کافر و جابر حکمرانوں کے نام رکھنا:

کافر بادشاہوں، فرعون، قیصر، ہرقل، نمرود وغیرہ کے نام تجویز کرنا بھی مکروہ عمل ہے، کیونکہ یہ احکام اسلام کے سخت دشمن اور مسلمانوں کے قاتل ہیں۔ چنانچہ غیرت اسلامی اس بات کی متقاضی ہے کہ ان سے نفرت کی جائے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ فرعونوں اور جابر حکمرانوں (مثلاً فرعون، قارون، ہامان، شداد، بیداد، نمرود، سکندر، تیمور، قیصر، ہرقل، قاآن، چنگیز خان، ہلاکو، جمشید، نوشیروان، کیقباد، خسرو، بطلیموس، مقدونی اور فراعنہ میں سے خوفو، خوفرع، سنفرو ع، زوسر، مہرین، اوسائی رس، می مخز انوط موسیٰ، آمج موسیٰ، آخن عطون، عمون خوطب، خیف رع، سیسوسطس وغیرہ) نام رکھنا مکروہ ہے۔
[تحفۃ المودود: ص ۱۳۴، تحفۃ الاسماء از غازی عزیر ص: ۸۱]

اسی طرح معاشرے کے برے اور گھٹیا لوگوں کے ناموں کے انتخاب سے گریز کرنا چاہیے۔

قرآن کے ناموں اور سورتوں پر نام رکھنا:

قرآن کے ناموں اور اس کی سورتوں پر مثلاً طٰہٰ، یٰس اور حٰم نام رکھنا ممنوع ہے اور امام مالک نے یٰس نام رکھنے کے مکروہ ہونے پر نص بیان کی ہے اور یہ جو عوام بیان کرتے ہیں کہ یٰس اور طٰہٰ نبی ﷺ کے اسماء ہیں، یہ بات غلط ہے، کیونکہ یہ صراحت نہ کسی صحیح وحسن یا مرسل روایت میں منقول ہے اور نہ کسی صحابی سے یہ اثر مروی ہے۔ یہ الم، حم، اور الر کی طرح حروف مقطعات ہیں (جن کے معانی کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں)، البتہ رسم الخط سے یاسین لکھا جائے تو اس نام کے رکھنے میں کراہت نہیں۔ مولانا مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں۔ امام مالک نے (ان اسماء) کو اس لیے ناپسند کیا ہے کہ ان کے نزدیک یہ اسماء الٰہیہ میں سے ہیں اور اس کے صحیح معنی معلوم نہیں، اس لیے ممکن ہے کہ کوئی ایسے معنی ہوں جو اللہ کے ساتھ مخصوص ہوں، جیسے خالق، رازق وغیرہ۔ البتہ اس لفظ کو یاسین کے رسم الخط لکھا جائے تو یہ کسی انسان کا نام رکھنا جائز ہے، کیونکہ قرآن کریم میں آتا ہے:

﴿سَلٰمٌ عَلٰٓى اٰلِ يَاسِيْنَ﴾ [الصفت:۳۷/۱۳۰]

ابن عربی کہتے ہیں: آیت مذکورہ کی معروف قرائت الیاسین ہے، مگر بعض قرائتوں میں آل یاسین بھی آیا ہے۔

[معارف القرآن از مفتی محمد شفیع:۷/۳۶۳]

فرشتوں کے ناموں پر نام رکھنا:

فرشتوں کے نام تجویز کرنا مکروہ عمل ہے، حافظ ابن قیم رحمہ اللہ رقم طراز ہیں کہ فرشتوں کے نام مثلاً جبرائیل، میکائیل، اسرافیل ناموں سے انسان کا نام تجویز کرنا مکروہ فعل ہے۔ اشہب کہتے ہیں: امام مالک رحمہ اللہ سے جبرائیل نام رکھنے کے متعلق پوچھا گیا، تو انھوں نے اسے ناپسند کیا اور اچھا نہ جانا۔ قاضی عیاض کہتے ہیں: بعض علماء نے فرشتوں کے نام رکھنے کو

ناپسند جانا ہے، حارث بن مسکین کا بھی یہی موقف ہے۔

[تحفۃ المودود: ص، ۱۳۷، ۱۳۸]

نیز جس روایت میں فرشتوں کے نام کے جواز کا بیان ہے وہ کمزور ہے۔ معمر کہتے ہیں کہ میں نے حماد بن ابی سلیمان سے پوچھا: تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو، جنھوں نے جبرائیل اور میکائیل نام رکھے تو انھوں نے کہا اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔

[مصنف عبدالرزاق: ۱۹۸۵۰] ضعیف

اس میں امام عبدالرزاق بن ہمام کی تدلیس ہے اور جس روایت میں فرشتوں کا نام منتخب کرنے سے منع کیا گیا ہے، وہ بھی نہایت کمزور ہے۔ عبداللہ بن جراد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص مؤتہ سے ہم سفر بنا اور وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ میں بھی اس کے ساتھ تھا۔ اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میرے ہاں نومولود کی پیدائش ہوئی ہے، (بتایئے) بہترین نام کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ خَيْرَ أَسْمَائِكُمُ الْحَارِثُ وَ هَمَّامٌ، وَ نِعْمَ الْاِسْمُ عَبْدُ اللهِ وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ، وَ سَمُّوْا بِأَسْمَاءِ الْأَنْبِيَآءِ، وَلَا تُسَمُّوْا بِأَسْمَآءِ الْمَلَائِكَةِ قَالَ : وَ بِاسْمِكَ، قَالَ : وَ بِاسْمِيْ، وَلَا تَكْتَنُوْا بِكُنْيَتِيْ))

اس روایت کی سند میں احمد بن حارث غسانی متروک اور ابو قتادہ شامی ضعیف راوی ہے۔

”تمھارے بہترین نام حارث اور ہمام اور عمدہ نام عبداللہ اور عبد الرحمن ہیں تم انبیاء کے نام رکھو اور فرشتوں کے نام تجویز مت کرو، اس شخص نے عرض کیا، آپ کا نام رکھ لیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میرا نام رکھ لو، لیکن میری کنیت نہ رکھو۔“

[شعب الایمان للبیہقی: ۳۹۴/۶: ۸۶۳۶، التاریخ الکبیر للبخاری: ۳۵۱۵] ضعیف جدًا

فرشتوں کے نام رکھنا ائمہ مذکورہ کے اقوال کی رو سے مکروہ ہیں۔

ناپسندیدہ نام تبدیل کرنا:

ناپسندیدہ اور برے نام تبدیل کر دینے چاہئیں، کیونکہ ان ناموں کے شخصیات پر اثرات ہوتے ہیں، اس لیے ناپسندیدہ نام تبدیل کر دینے چاہئیں، نبی کریم ﷺ کا معمول بھی یہی تھا۔

ا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُغَيِّرُ الْإِسْمَ الْقَبِيْحَ إِلَى الْإِسْمِ الْحَسَنِ)) [اخلاق النبی لابی الشیخ الاصبهانی: ۲۷۶] حسن

''رسول اللہ ﷺ برے نام کو اچھے نام سے بدل دیتے تھے۔''

نیز نبی کریم ﷺ نے کئی صحابہ کرام کے ناپسندیدہ نام تبدیل کیے تھے۔ جن کی وضاحت آئندہ روایات میں ہے۔

ا۔ رسول اللہ ﷺ نے ابو الحکم کی کنیت بدل کر ابو شریح رکھ دی۔

[سنن أبو داؤد: ۴۹۵۵، سنن نسائی: ۵۳۸۹، مستدرک حاکم: ۴/ ۲۷۹] حسن

۲۔ آپ ﷺ نے عبد الحجر کا نام بدل کر عبد اللہ رکھا۔

[الادب المفرد: ۸۱۱، معرفة الصحابة لابی نعیم: ۵۰۹۵] حسن

۳۔ نبی کریم ﷺ نے زینب بنت ابی سلمہ کا نام برّہ تبدیل کر کے زینب رکھا۔

[صحیح مسلم: ۲۱۴۲، سنن أبو داؤد: ۴۹۵۳]

۴۔ عمر رضی اللہ عنہ کی ایک بچی کا نام عاصیہ تھا، آپ ﷺ نے اسے جمیلہ نام سے موسوم کیا۔

[صحیح مسلم: ۲۱۳۹، سنن ابن ماجہ: ۳۷۳۳]

۵۔ آپ ﷺ نے اصرم نامی شخص کا نام تبدیل کر کے اسے زرعہ نام دیا۔

[سنن أبو داؤد: ۴۹۵۴، طبرانی کبیر: ۱/ ۱۹۷: ۵۲۳] حسن

ناپسندیدہ نام نہ بدلنے کا نقصان:

چونکہ برے ناموں کے اثرات شخصیات پر مرتب ہوتے ہیں، اس لیے ناپسندیدہ نام بدلنے ہی میں عافیت ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ضد کی وجہ سے ناپسندیدہ نام تبدیل نہ کرے تو برے نام کے اثرات نہ صرف اس کی ذات پر اثر انداز ہوتے ہیں، بلکہ ایسے اثرات بد اس کی اولاد میں بھی سرایت کر سکتے ہیں۔ مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((أَنَّ أَبَاهُ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ : مَا اسْمُكَ ؟ قَالَ : حَزْنٌ قَالَ : أَنْتَ سَهْلٌ، قَالَ : لَا أُغَيِّرُ اسْمًا سَمَّانِيهِ أَبِي، قَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ : فَمَا زَالَتِ الْحُزُونَةُ فِينَا بَعْدُ)) [صحیح بخاری: ۶۱۹۰]

"ان کے والد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا: حزن (سخت) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو سہل (نرم) ہے۔ اس نے کہا: میں اپنے والد کا رکھا ہوا نام تبدیل نہ کروں گا۔ ابن مسیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اس کے بعد ہم میں سختی ہمیشہ موجود رہی۔"

نومولود کی کنیت رکھنا:

کنیت کی تعریف:

۱۔ وہ نام جس میں مدح و مذمت نہ ہو اور اس کے شروع میں ابو یا ام کا اضافہ ہو یہ کنیت ہے۔
[تحفۃ المودود، ص: ۱۵۵]

۲۔ نام اور لقب کے علاوہ کسی شخص کا کوئی مقرر کردہ نام، جیسے ابو الحسن، ام الخیر وغیرہ، اس

کے شروع میں لفظ اب، ابن، بنت، اخ، اخت، عم، عمۃ، خال، خلۃ میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے۔ کنیت کو نام اور لقب کے ساتھ بھی استعمال کیا جاتا ہے اور ان کے بغیر بھی، اس کا مقصد صاحب کنیت کی شان و عظمت کا اظہار ہوتا ہے اور کنیت معززین کے لیے خاص ہے۔ [القاموس الوحید، ص: ۱۴۳۰]

چونکہ کنیت میں شان و عظمت کا اظہار اور شرف و عزت کا بیان ہے، لہٰذا چھوٹے بچوں کی کنیت رکھنا بھی مباح ہے۔ انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ بہترین اخلاق کے حامل تھے، میرا ایک چھوٹا بھائی تھا جسے ابو عمیر کہا جاتا تھا راوی کہتے ہیں میرے خیال میں وہ دودھ چھڑایا بچہ تھا اور آپ ﷺ جب ہمارے ہاں تشریف لاتے تو فرماتے:

((يَا أَبَا عُمَيْرٍ ! مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ؟))

''اے ابو عمیر! چڑیا کا کیا بنا؟'' نغیر (ایک چڑیا کی طرح کا پرندہ تھا) جس کے ساتھ وہ کھیلا کرتا تھا۔

[صحیح بخاری: ۶۲۰۳، صحیح مسلم: ۲۱۵۰]

فقہ الحدیث:

۱۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ چھوٹے بچے اور اس شخص کی کنیت رکھنا جائز ہے جس کی اولاد نہ ہو۔ لہٰذا بعض لوگوں کا یہ پراپیگنڈہ ہے کہ کنیت وہ رکھے جس کی اولاد ہو، مذکورہ حدیث کیخلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ نیز امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو درج ذیل باب:

'' بَابُ الْكُنْيَةِ لِلصَّبِيِّ ، وَ قَبْلَ أَنْ يُوْلَدَ لِلرَّجُلِ ''

''بچے کے لیے کنیت رکھنے اور کسی انسان کا اولاد سے قبل کنیت رکھنے کے بیان کے تحت درج کر کے اس کے جواز کی دلیل لی ہے اور امام نووی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم میں مذکورہ حدیث

پر درج ذیل عنوان:

" بَابُ جَوَازِ الْكُنْيَةِ مَنْ لَمْ يُوْلَدْ لَهُ وَ كُنْيَةِ الصَّغِيْرِ "

''جس کی اولاد نہ ہو، اس کی کنیت رکھنا اور چھوٹے بچے کی کنیت رکھنے کے جواز کا بیان'' قائم کر کے بچے کی کنیت اور بے اولاد شخص کی کنیت کے جواز کی طرف اشارہ کیا ہے۔''

۲۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ علماء بیان کرتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نیک فال کے طور پر بچوں کی کنیت رکھتے تھے کہ یہ اس وقت تک زندہ رہے، جب تک اس کی اولاد نہ ہو اور کنیت کا دوسرا مقصد لقب سے بچنا تھا۔ اس لیے بعض علماء کا قول ہے کہ بچوں کی کنیتیں ان کے القاب پر غالب آنے سے پہلے رکھ دو اور علماء کا یہ بھی قول ہے کہ عربوں کے لیے کنیت رکھنا ایسے ہے جیسے عجمی لقب اختیار کرتے ہیں۔

[فتح الباری: ۵۸۲/۱۰]

بچوں کا لقب رکھنا:

لقب کی تعریف: اصل نام کے علاوہ تعارف یا تعظیم یا تحقیر کے لیے کوئی دوسرا نام دینا۔

[القاموس الوحید، ص: ۱۴۸۶]

تعریف و تعظیم کے لیے بچوں بڑوں کو کوئی لقب دینا جائز ہے، جیسے ابو بکر رضی اللہ عنہ کا لقب صدیق، عمر رضی اللہ عنہ کا لقب فاروق، اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا لقب سیف اللہ تھا۔ البتہ ایسے القاب سے گریز کرنا چاہیے جس میں کسی کی مذمت و تذلیل ہو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ﴾ [الحجرات: ۱۱/۴۹]

''اور ایک دوسرے کو برے القاب سے نہ پکارو۔''

لہٰذا بچوں کو برے القاب اور برے ناموں سے نہیں پکارنا چاہیے، کیونکہ اکثر برے ناموں

کا آغاز گھر سے ہوتا ہے۔ والدین لاڈ پیار میں حقیر ناموں سے پکارنے لگتے ہیں، پھر ان کی دیکھا دیکھی ایسا حقیر لقب ہی بچے کی پہچان بن جاتا ہے۔ لہٰذا جو بچے کا نام منتخب کیا ہے، اسی اصل نام سے بچے کو پکارا جائے۔ اس سے بچے کی عزت افزائی بھی ہوتی ہے اور ذاتی عزت وشرف کا احساس بھی، لہٰذا آپ کی اور آپ کے بچوں کی عزت ومنزلت اسی میں ہے کہ بچوں کو اصل ناموں یا اچھے القاب سے پکارا جائے۔

ایک سے زیادہ نام رکھنے کا جواز

بچے کا نام رکھنے سے مقصود بچے کی شخصی پہچان اور باقی ناموں سے تمیز ہے۔ اس لیے بچے کا ایک نام کافی ہے اور ایک ہی نام پر اکتفا بہتر ہے (کیونکہ اس سے بچے کی الگ پہچان ہو جاتی ہے) البتہ ایک سے زائد نام رکھنا بھی جائز ہے، جیسے نام، کنیت اور لقب رکھنا جائز ہے۔

[تحفة المودود، ص: ۱٦٥]

نیز نبی ﷺ کے متعدد اسماء بھی اس کے جواز کی دلیل ہیں۔

۱۔ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لِي خَمْسَةُ أَسْمَاءٍ : أَنَا مُحَمَّدٌ وَ أَحْمَدُ، وَأَنَا الْمَاحِي الَّذِي يَمْحُو اللَّهُ بِيَ الْكُفْرَ، وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى قَدَمِيْ وَ أَنَا الْعَاقِبُ))

[صحیح بخاری: ۳۵۳۲، صحیح مسلم: ۲۳۵۴]

''میرے پانچ نام ہیں: محمد، احمد، اور میں ماحی ہوں اللہ تعالیٰ میرے سبب کفر مٹائے گا، میں حاشر (جمع کرنے والا) ہو (روز قیامت) لوگ میرے قدموں میں جمع کیے جائیں گے اور میں عاقب (آخری نبی) ہوں (اور عاقب وہ ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو)۔''

روز قیامت بچوں کو کس نام سے پکارا جائے گا؟

روز قیامت لوگوں کو والد کے نام سے پکارا جائے گا یا والدہ کے، اس بارے میں لوگوں میں کافی متضاد آراء پائی جاتی ہیں اور عام تاثر یہ ہے کہ دنیا میں اولاد کو باپ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تو روز قیامت اولاد کی نسبت ماؤں کی طرف کی جائے گی، اس پر کچھ خطیب حضرات بھی خطابت کا رنگ جماتے ہیں اور عورتوں کو خوش کرنے کے لیے عورتوں کو یوں تسلی دیتے ہیں کہ روز قیامت اولاد کی نسبت تمھاری طرف ہو گی، لہٰذا یہ تمھارے لیے عظمت و رفعت کی علامت ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اولاد کو دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں باپ ہی کے نام سے پکارا جائے گا اور اولاد کو آخرت میں باپ ہی کی طرف منسوب کیا جائے گا، یہ اولاد اور والدین کے لیے عظمت و رفعت کا باعث ہے۔ روزِ قیامت اولاد کو والد ہی کی طرف منسوب کیا جائے گا اس کی دلیل آئندہ حدیث ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ الْغَادِرَ يُرْفَعُ لَهُ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يُقَالُ : هَذِهِ غَدْرَةُ فُلاَنِ بْنِ فُلاَنٍ)) [صحیح بخاری:٦١٧٧]

"بے شک دھوکا باز کے لیے قیامت کے دن جھنڈا بلند کیا جائے گا اور کہا جائے گا: یہ فلاں بن فلاں کا دھوکا ہے۔"

فقہ الحدیث:

١۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ روز قیامت لوگوں کو ان کے باپوں کے ناموں سے پکارا جائے گا، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر درج ذیل عنوان: بَابُ مَا يُدْعَى النَّاسُ بِآبَائِهِمْ -

(اس مسئلہ کا بیان کے لوگوں کو ان کے باپوں کے ناموں سے پکارا جائے گا) قائم کر کے اسی مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۲۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ مذکورہ حدیث اس معنی کو شامل ہے کہ حشر میں بیٹا باپ کی طرف منسوب ہوگا۔ [فتح الباری: ۱۰/ ۵۶۳]

۳۔ ابن بطال کہتے ہیں: یہ حدیث ان لوگوں کے موقف کی تردید کرتی ہے، جو یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ روز قیامت لوگوں کو ان کی ماؤں کے ناموں سے پکارا جائے گا، کیونکہ اس سے ان کے باپوں پر پردہ رہے گا، لیکن یہ حدیث ان کے موقف کے خلاف ہے۔

[شرح صحیح بخاری لابن بطال: ۹/ ۳۳۵]

نیز جس روایت میں مذکور ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو ان کی ماؤں کی طرف منسوب کیا جائے گا یہ روایت من گھڑت ہے، انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يُدْعَى النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِأُمَّهَاتِهِمْ سِتْرًا مِنَ اللهِ عَزَّوَجَلَّ عَلَيْهِمْ))

"روز قیامت لوگوں کو ان کی ماؤں کی طرف منسوب کیا جائے گا (یہ) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر پردہ پوشی کے طور پر ہوگا۔"

[کتاب الموضوعات لابن الجوزی: ۳/ ۲۴۸، الکامل لابن عدی: ۱/ ۷/ ۲، الضعیفة: ۴۳۳] موضوع

ابن عدی کہتے ہیں: اس روایت میں اسحاق بن ابراہیم طبری منکر الحدیث راوی ہے اور اس کی منکر روایات میں سے یہ روایت بھی ہے اور ابن حبان کہتے ہیں: یہ ثقہ راویوں سے موضوع روایات نقل کرتا ہے، اس سے حدیث لکھنا حرام ہے۔

[الموضوعات لابن الجوزی: ۳/ ۲۴۸]

بچوں کے اسلامی نام

آ

آفَاقُ	آسمان کے کنارے، عالم	آصِفُ	لائق، وزیر
آزَادُ	خودمختار	آسِیُ	طبیب، معالج
آفْتَابُ	سورج	آوِیزُ	چاہت، محبت
آلِفُ	محبت کرنا	آرِبُ	ماہر
آمِنُ	مطمئن		

ا

اَنْوَارُ	روشنیاں	اَبَانُ	واضح
اَبْرَارُ	نیکوکار لوگ	اِبْتِسَاطُ	خوشی، شادمانی
اِبْتِسَامُ	مسکراہٹ، شگفتگی	اَثِیْرُ	باعزت، پسندیدہ
اَثِیْمُ	بہت گناہ گار	اَجْمَلُ	انتہائی حسین
اَجْوَدُ	انتہائی سخی، عقل مند	اَحْسَنُ	بہت خوبصورت
اِحْسَانُ	نیکی کرنا، اچھا سلوک	اِحْتِشَامُ	شان وشوکت، بزرگی

اَحْمَدُ	بہت زیادہ تعریف کرنے والا		
اَخْلَاق	اچھی عادات، اوصاف	اَدِیْبُ	عقلمند، علم رکھنے والا
اِرْتَضٰی	پسندیدہ	اُرْدَشِیْر	شیر کے غصے والا
اَرْسَلَانُ	غلام، شیر	اِرْشَادُ	نصیحت، ہدایت
اَرْشَدُ	بہت زیادہ ہدایت یافتہ	اَرْفَعُ	عالی مرتبہ، نہایت بلند
اَرْقَمُ (صحابی)	لکھنے والا	اَرْمُغَانُ	ہدیہ، تحفہ، سوغات
اَوْرَنْگ زیب	جسے تخت شاہی موزوں ہو	اَرْجمَنْدُ	ذی مرتبہ، قدرومنزلت والا
اَزْرَقُ	آسمانی	اَزْھَرُ (صحابی)	بہت روشن، روشن چاند
اُسَامَہ (صحابی)	شیر	اَسَدُ	شیر
اِسْلَامُ	اطاعت کرنا	اَسْعَدُ	نہایت سعادت مند
اَسْلَمُ	بہت زیادہ محفوظ وسالم	اِشْتِیَاقُ	شوق
اَشْرَفُ	بزرگ، بلند مرتبہ	اَشْعَرُ	دانا، عقلمند
اَشْھَبُ	شیر، بہت روشن	اِشْفَاقُ	مہربانی، نرمی
اَشْھُبُ	شعلے، آتشیں تیر	اَطْیَبُ	بہت پاکیزہ، نہایت خوشبودار
اِطْفَانُ	تسلی بخش	اَطْھَرُ	نہایت پاک صاف
اَظْھَرُ	بہت واضح، روشن، اظہار، واضح کرنا	اِعْزَازُ	انعام، مرتبہ
اِعْتَصَامُ	گناہوں سے بچنے والا	اِعْجَازُ	معجزہ، فصاحت و بلاغت

اَعْظَم	عالی مرتبہ، نہایت بلند	اَفْلَح (صحابی)	بہت کامیاب
اَفْضَل	بہت اعلیٰ، ارفع	اَفْرَہ	بہت ماہر، نہایت تیز
اِقْبَال	خوش نصیبی، کامیابی	اَقْرَع (صحابی)	سخت کھٹکھٹانے والا
اَقْمَر	بہت روشن	اَقْسَط	بہت انصاف کرنے والا
اِکْرَام	احترام، عزت کرنا	اَکْرَم	انتہائی معزز، شریف
اَکْمَل	نہایت کامل	اَلْطَاف	انعامات، مہربانیاں
اِمْتِنَان	احسان کرنا، نیکی کرنا	اِمْتِیَاز	ممتاز ہونا، پرکھنا
اَمِیْر	حاکم	اَمْجَد	بہت عظمت والا
اَنْصَر	بہت زیادہ مدد کرنے والا	اَمِیْن	امانت دار
اِنْعَام	عطیہ	اِنْضِمَام	ملنا
اَنِیْس	ہمدرد، انس رکھنے والا	اَنْوَار	روشنیاں
اَنِیْق	نایاب، قیمتی	اَوَّاب	بہت زیادہ رجوع کرنے والا
		اُوَیْس	عطا کردہ (اویس قرنی کا نام)
اَیَاس (صحابی)		اَیُّوب (نبی)	انتہائی صابر، بہت زیادہ رجوع کرنے والا

ب

بَابَر	شیر	بَاذِل	سخی
بَارِق	روشن، چمکنے	بَاسِط	فراخی دینے والا

بَاسِق	صاف شفاف، بلند ومرتبہ	بَاسِل	شہر
بَاسِم	مسکرانے والا	بَاقِر	بہت بڑا عالم
بَخْتَاوَر	خوش قسمت	بَخْتِیَار	خوش نصیب
بَدْر	چودھویں کا چاند	بُدَیْل (صحابی)	بدلہ، عوض
بَرَکَت	نعمت	بَرَکَات	نعمتیں
بُرْهَان	دلیل، محبت	بَسَالَت	بہادری، دلیری
بَسَّام	بہت مسکرانے والا، خوش شکل	بَشَارَت	خوش خبری
بَشَّار	پابند، قربان	بِشْر (صحابی)	خوشی
بَشِیْر	خوشخبری دینے والا	بَصِیْر	سمجھدار، بہت دیکھنے والا
بَطَّال	بہادر، دلیر	بُکَیْر	انوکھا، نیا
بِلَال (صحابی)	فتح مند	بَلِیْغ	کامل، بہترین خطیب
بَهْجَت	رونق	بَهِیْج	بارونق، حسین
بَهْرَام	یاقوت		

ت

تَائِب	توبہ کرنے والا	تَابْدَار	روشن، درخشاں
تَابِش	چمک، حرارت	تَاثِیْر	نشان
تَاشِف	ہمدرد، شفیق	تَاشُفِیْن	ہمدرد، غمگسار
تَجَمُّل	زینت، زیبائش	تَرِیْف	آسودہ حال

تَحسِین	خوبصورت	تَسنِیم	جنت کی ایک نہر کا نام
تَصَدُّق	صدقہ کرنا	تَفضِیل	فوقیت دینا
تَکرِیم	عزت افزائی	تَنوِیر	روشنی، چمک
تَوَّاب	بہت توبہ کرنے والا	تَوصِیف	صفت بیان کرنا، وصف
تَوقِیر	عزت ووقار		

ث

ثَابِت	قائم ودائم	ثَاقِب	روشن، چمک دار
ثَرْوَت	دولت	ثَمِین	قیمتی، نایاب
ثُمَامَہ (صحابی)		ثَنَاءُ اللّٰہ	اللہ کی تعریف کرنے والا
ثَوبَانُ (صحابی)	واپس آنا، لوٹنا		

ج

جَابِرُ (صحابی)	غالب	جَاذِبُ	پرکشش
جَارُود (صحابی)	تلوار نکالنے والا	جَازِعُ	مضبوط ارادے کا مالک
جَائِش	عمدہ، نفیس	جَالِبُ	مائل کرنے والا، حاصل کرنے والا
جَبرَان	تاوان، موازنہ	جَاوِیدُ (صحابی)	دائمی، مضبوط
جَلَال	شان وعظمت	جَلِیلُ	عظمت والا، بہت شان والا

جَعْفَر	نالہ، ندی	جَمِیْل	بہت خوبصورت
جَرْجِیْس (مشہور ولی)	بہادر، دلیر	جَمُوْح	خودسر، من چلا
		جَوَّادْ	سخی
جَمَالْ	خوبصورتی	جَہَاں زَیْب	دنیا کو سجانے والا
جُنَیْد (مشہور ولی)	نیک، پارسا		

ح

حَاتَمْ	سخی	حَاجِزْ	حق کا فیصلہ کرنے والا
حَارِثْ	خوشحال، شیر	حَاشِرْ	اکٹھا کرنے والا
حَازِقْ	دانا، ماہر (حازم، ذہین، تیز)	حَاطِبْ (صحابی)	لکڑیاں اکٹھی کرنے والا
حَاکِمْ	سردار، امید	حَامِدْ	تعریف کرنے والا
حَبِیْبْ	دوست	حَسَّامْ	تلوار
حَسَّانْ (صحابی)	بہت خوبصورت، نہایت پارسا	حَسَنَاتْ	نیکیاں
حَسَنْ (نواسہ رسول)	بہت خوبصورت	حُسَیْنْ (نواسہ رسول)	چھوٹا حسن، خوبصورت
حَسِیْبْ	اچھے حسب ونسب والا	حَسْنَیْنْ	حسن وحسین
حَشْمَتْ	شان وشوکت	حَصِیْنْ	مضبوط، مستحکم
حَلِیْمْ	بردبار، نرم مزاج	حَمَّادْ	بہت تعریف کرنے والا

نام	معنی	نام	معنی
حَمَّاسْ	مضبوط، بہادر	حَمْدَان	بہت زیادہ تعریف کرنے والا
حَمُوْد	بہت زیادہ تعریف کرنے والا	حَمِیْد	تعریف کیا ہوا
حَمِیْس	دلیر، نڈر	حَنُوْف	سچا، کھرا
حَنِیْف	یکسو، موحد مسلمان	حَیْدَر (سیدنا علی کا وصف)	شیر

خ

نام	معنی	نام	معنی
خَالِدْ (صحابی)	ہمیشہ رہنے والا	خَاوَرْ	سورج، مشرق
خَاشِعْ	منکسر، عاجزی والا	خَاقَانْ	بادشاہ
خَضِر (ایک معروف ولی)	سرسبز	خَلَّادْ	ہمیشہ رہنے والا
خُرَم	شادمان، خوش	خَلِیْقْ	اچھے اخلاق والا
خَلِیْل	دوست	خُزَیْمَہ (صحابی)	

د

نام	معنی	نام	معنی
دَانِیَالُ (نبی)	عادل، ہوشیار	دَائِمْ	ہمیشہ قائم رہنے والا
دَاوُد (نبی)	عزیز، محبوب الٰہی	دَبِیْر	انصاف کرنیوالا
دِلَاوَرْ	بہادر	دِلْشَادْ	خوش وخرم
دِہَاقْ	صاف، چھلکتا ہوا		

ذ

ذَبِیُحُ اللّٰہ	اللہ کی راہ میں قربان کیا گیا	ذَاکِرُ	ذکر کرنے والا
ذُوالقَرنَین	معروف بادشاہ جس کا ذکر سورہ کہف میں ہے۔	ذُوالکِفلِ (نبی)	ضامن
ذَکوَان	دانا، سمجھدار	ذَکِیُ	سمجھدار، ذہین
ذُھَیُب	سونے کا ٹکڑا	ذَوَّاد	اپنی عزت وآبرو کا زبردست محافظ
ذِی شَانُ	عظمت والا		

ر

رَادِحُ	ثابت قدم	رَاسِبُ	نرم، حلیم
رَاسِخُ	مضبوط		
رَاصِدُ	محافظ	رَاشِدُ	ہدایت یافتہ
رَاغِبُ	مائل، رغبت رکھنے والا	رَافِعُ	بلند کرنے والا
رَافِفُ	چمکنے والا	رَاقِبُ	نرمی، شفقت
رَبِیُع	موسم بہار	رَبِیُعَہ (صحابی)	باغیچہ، عطردان
رَبَاح (صحابی)	نفع بخش، کامیاب	رِبُعِی	موسم بہار والا
رَحُمَتُ	مہربانی	رَحِیُل	مسافر
رَشِیُد	ہدایت یافتہ، سمجھدار	رَضَا	خوشی

نام	معنی	نام	معنی
رَدَّاد	بہت زیادہ رونے والے	رُدَیح	ثابت قدم
رُزَیق	آسودہ حال	رَزِین	باوقار بردبار
رِضوَانُ	خوشنودی	رَضِی	پسندیدہ
رَفِیع	نگران، اعلیٰ	رَفِیق	دوست
رِفَاعَہ (صحابی)	بلندی، عظمت	رُکَانَہ (صحابی)	سنجیدہ و باوقار
رُکَین	سہارا، طاقت	رَکِین	سنجیدہ، باوقار
رَمِیز	عقلمند	رَوح	مہربانی، بادِ نسیم
رَوحَانُ	خوشیاں، خوشبوئیں		
رَوَّاد	تلاش وجستجو کرنے والا	رُوَیفع (صحابی)	بلند
رَیَّاش	اعلیٰ	رِیَاض	باغیچے
رَیَّانُ	سرسبز، شاداب	رَیحَانُ	خوشبو، گلاب کا پھول

ز

نام	معنی	نام	معنی
زَارِع (صحابی)		زَاهِد	متقی، پرہیزگار
زَاهِر	چمکدار، کھلا ہوا پھول	زُبَید	نرم ونازک، منتخب
زِریَاب	دولت مند، سونا	زَعِیم	امیر، سردار، راہنما
زَرنَاب	خالص سونا، قیمتی	زِبرِقَانُ	چودھویں کا چاند
زُبَیر (صحابی)	تحریر، مضبوط آدمی	زِرّ	شگوفہ، کلی

نام	معنی	نام	معنی
زرّار	ذہین	زُفَر	بہادر، بڑا سردار
زَوّار	بہت رجوع کرنے والا،خوب زیارت کرنے والا	زَھّار	بہت روشن، انتہائی چمکدار
زَکَرِیّا		زَکِی	نیک و صالح
زُمرّدُ	سبز رنگ کا قیمتی پتھر	زَمْعَه	جلد باز، تیز رفتار
زَمِیع	بہادر، ارادے کا پکا		
زُھَیْر (صحابی)	پھول، کلی، روشن	زُھَیب	روشن، منور
زِیَادُ (صحابی)	نہایت خوددار، بڑھنا	زَیْد (صحابی)	اضافہ، بڑھنا
زَیْن	خوبصورتی، زیبائش		

س

نام	معنی	نام	معنی
سَائِب (صحابی)	بہنے والا، آزاد پھرنے والا	سَابِغ	آسودہ حال
سَابِطُ	فیاض، سخی	سَاجِدُ	سجدہ کرنے والا
سَابِقُ	سبقت لے جانے والا	سَالِكُ	(شریعت کی راہ پر) چلنے والا
سَالِمُ	صحیح سلامت	سَبُرَه (صحابی)	خوش منظر
سَتِیْرُ	پاک دامن، حیا دار	سَجَّادُ	بہت زیادہ سجدے کرنے والا
سَدِیْرُ	پانی کا چشمہ	سِرَاجُ	روشن چراغ
سَرّار	بہت خوش کرنے والا	سُرَاقَه (صحابی)	چرائی ہوئی چیز
سَرفَرَازُ	عالی مرتبہ	سَرُوَر	امیر، رئیس

سَعَّاد	بہت خوش قسمت	سُرَیج	چراغ
سَرمَد	ہمیشہ زندہ رہنے والا	سَعُد (صحابی)	خوش بخت
سَعُود	نہایت نیک بخت	سَعِید	خوش قسمت
سَفِیر	قاصد	سُفیَان	مالدار، کشتیوں کا مالک
سُلطَان	بادشاہ، حاکم	سَلمَان (صحابی)	سلامتی
سَلَمَہ (صحابی)	سلامتی، خوبصورت	سُلَیک (صحابی)	راہگیر
سَلِیم	صحیح سالم، بے عیب	سَلَام	سلامتی، آداب
سُلَیمَانُ (نبی)	سلامتی والا، صلح پسند	سَمِید	دلیر، نیک
سِمَاک	ہر بلند چیز	سَمعَان	سننے والا، مطیع
سَمُرَہ (صحابی)	ببول کا درخت	سَمِیر	رات کو باتیں کرنے والا
سُمَیط	ہوشیار، تجربہ کار	سِنَانُ (صحابی)	نیزے کا پھل
سَنِی	بلند مرتبہ، روشن	سَہل	نرم، آسان
سُہَیل (صحابی)	نرم، ایک روشن ستارہ	سَہم	تیر
سَیَّار	بہت چلنے والا، ایک ستارہ	سَیَّاف	تلوار چلانے والا
سِیمَاب	مضطرب، چاندی جیسا	سَوَّار	بہت پر جوش، نہایت تیز
سُوَید (صحابی)	سردار	سَیف	تلوار

ش

نام	معنی	نام	معنی
شَافِعٌ	سفارش کرنے والا	شَاکِرٌ	شکرگزار
شَاہْ زَیبْ	بادشاہوں کے لائق	شَامِیرُ	جوان، حسین
شَافِعِی	نیک، نیکی کا طالب	شَاھِدُ	گواہ
شَبِیْبُ	جوان بلند	شَاھِیْن	عقاب
شَبِّیر	خوبصورت نیک		
شِبْلِ	شیر کا بچہ	شُجَاعُ	دلیر، بہادر
شُجَاعَت	دلیری، بہادری		
شَدَّادُ (صحابی)	بہت مضبوط، بڑا پہلوان	شُرَیْح	معمولی وضاحت، چھوٹا ٹکڑا
شَرِیْد	آواز	شُعَیْب (نبی)	حصہ دار، شامل
شَرِیْف	معزز، بلند مرتبہ	شَرِیْک	
شُعَیْل	چمکنے والی روشن چیز	شَفِیْع	سفارشی
شَفِیْق	مہربان، ہمدرد	شَکِیْل	خوش شکل، خوبصورت
شَکُوْر	بہت زیادہ شکر گزار	شَمَّاسُ (صحابی)	روشن
شَمْعُوْن (صحابی)		شَمِیْم	خوشبو، مہک
شَمْشَادُ	ایک لمبا اور خوبصورت درخت	شَمَائِم	مہک، خوشبوئیں

نام	معنی	نام	معنی
شَہبَاز	شاہین، بڑا باز	شِہَابُ	روشن ستارہ
شَہِید	گواہ	شَیرافگن	نڈر، شیر کو ہلاک کرنے والا
شُرَحْبِیل (صحابی)		شَرَاحِیل	
شُعبَہ	حصہ، شاخ		

ص

نام	معنی	نام	معنی
صَابِرُ	صبر کرنے والا	صَادِقُ	سچا
صَارِمُ	دلیری، تیز تلوار	صَافِیُ	خالص، بے غبار
صَالِحُ	نیک		
صَبْحَان	خوبصورت	صَبُوْر	انتہائی صابر، متحمل المزاج
صَبِیح	خوبصورت، روشن	صَخرُ (صحابی)	چٹان
صَدَاقَتُ	سچائی	صَدِیق	دوست
صِدِّیق	بہت زیادہ سچا	صَفدَر	صاف گو
صَفِیُ	سچا دوست، پاک	صَوْلَتُ	رعب، دبدبہ
صَعْب (صحابی)	خوددار آدمی	صَلت	نمایاں، روشن
صُہَیب (صحابی)	سرخ و سفیدی مائل	صَفوَان (صحابی)	منتخب، چکنا پتھر

ض

نام	معنی	نام	معنی
ضَحَّاکُ	بہت ہنسنے والا	ضَبُوْر	ببر شیر

ضَرَّارُ (صحابی)	بہت سختی کرنے والا، دشمن کو شدید نقصان پہنچانیوالا	ضِرْغَام	شیر
ضَمَامُ	ملانے کا ذریعہ	ضَمِیرُ	پوشیدہ خیال، دل
ضُوفِشَاں	روشن، منور	ضَیْثَم	خون خوار شیر
ضَیْغَم	شیر	ضِیَاء	روشنی

ط

طَاؤوس	مور	طَارِق	رات کو آنیوالا ستارہ، چمکنے والا
طَالِبُ	طلب کرنے والا	طَالُوت	بنی اسرائیل کے ایک سردار کا نام
طَاهِرُ	پاک، صاف	طَرِیف	نادر، عمدہ، انوکھا
طُفَیْل (صحابی)	نرم و نازک	طِلَال	خوب صورت، شادمان
طَلْحَہ (صحابی)	نعمت، تازگی، شگوفہ	طَلْعَت	دیدار
طَلْق (صحابی)	آزاد، صبح کا ستارہ	طَلِیق	آزاد، ہنس مکھ
طَیِّب	عمدہ، پاکیزہ		

ظ

ظَافِرُ	کامیاب	ظَرِیف	خوش طبع، عقل مند
ظَفَرُ	کامیابی، نصرت	ظَفِیر	کامیاب
ظَهِیر	مددگار، دوست		

ع

نام	معنی	نام	معنی
عَائِذٌ	پناہ طلب کرنے والا	عَائِثٌ	شیر، عابد، عبادت گزار
عَادِلٌ	انصاف کرنے والا	عَادِی	شیر
عَابِس (صحابی)	شیر	عَابِیٌ	خوبصورت، حسین
عَارِفٌ	واقف، پہچاننے والا	عَاتِکٌ	شریف، اونچی ذات کا خالص
عَازِمٌ	پختہ ارادے کا مالک	عَاصِمٌ (صحابی)	گناہ سے بچنے والا، پناہ لینے والا
عَاطِرہ	خوشبو دار، خوشبو کا عادی	عَاطِفٌ	شفیق، مہربان
عَاکِفٌ	جھکنے والا، مشغول	عَاقِبٌ (نبی ﷺ کا صفاتی نام)	آخری، نگران
عَامِرٌ (صحابی)	آباد، پر رونق	عَبَّادٌ	بہت عبادت کرنے والا
عُبَادَہ (صحابی)	بندگی، عبادت گزاری	عَبِق	مہکتا ہوا، خوشبودار، ذہین آدمی
عَبْقَرِی	غیر معمولی اوصاف کا حامل آدمی، نادرۂ روزگار	عَبِیْث	پھول
عَبَّاسٌ (صحابی)	وہ شیر جسے دیکھ کر دوسرے شیر بھاگ جاتے ہیں۔		
عُبَیْد	حقیر بندہ	عِتْبَان (صحابی)	ایسے فعل کی اصلاح کرنیوالا جو فعل باعث ناگواری ہو۔
عَبْدَانٌ	انتہائی عبادت گزار	عُثْمَان (صحابی)	سرخاب کا چوزہ

عَتَّاب (صحابی)	بہت عتاب کرنے والا		
عُتْبہ (صحابی)	سرزنش کرنے والا	عَتِیق	قدیم، آزاد کیا ہوا، شریف ومحترم
عَتِیک	بھرپور حملہ کرنے والا، شریف	عَجْلَان	بہت جلدی کرنے والا، بہت آگے بڑھنے والا
عَدِیل	انصاف کرنے والا، ہم مثل	عَدَّاءُ (صحابی)	تیز دوڑنے والا
عَدْنَان	داع، دائم		
عَدِیم	نایاب	عَدِیُ (صحابی)	لڑائی کے لیے نکلنے والا گروہ
عُذَافِر	شیر	عِرَاک	معرکہ، مزاحمت
عِرْفَان	واقف، پہچان والا	عِرْبَاض (صحابی)	مضبوط
عُرُس (صحابی)	شادی، خوشی	عِرْصَامُ	شیر
عِرْصَم	طاقتور شیر	عَرْفَجہ (صحابی)	ایک پودا، جو نرم زمین میں اگتا ہے
عُرْوَہ (صحابی)	وسیلہ، بندھن	عَرْزَم	شیر
عَرِیْب	فصیح اللسان		
عَرِیْف	رئیس، سردار	عَزِیْز	پیارا، محترم
عَزَّام	شیر، پختہ عزم والا	عَسْجَد	سونا، جوہر
عِصَام (صحابی)	محفوظ	عَصْفَر	کسم کا پھول
عِصْمَت (صحابی)	عزت	عَصِیْب	حمایتی، معاون
عَصِیْم	بہت محفوظ، بہت مامون	عَطُوف	بہت مہربان

نام	معنی	نام	معنی
عَطَاء	عطیہ	عَطَّاف	خوش اخلاق، بڑا مہربان
عَظِیم	بہت بلند، صاحب کردار	عَظُمَت	بزرگی، بڑائی
عَفَّانُ	بہت معاف کرنے والا	عَفِیف (صحابی)	انتہائی پارسا
عُقْبَہ (صحابی)	حسن و جمال کی نشانی	عُکَاشَہ (صحابی)	مکڑی کا جالا
عَقِیل (صحابی)	بہت سمجھ دار		
عَلَاؤُالدِّین	دین کی بلندی	عِکْرِمَہ (صحابی)	کبوتری
عَلَاء (صحابی)	عزت و سربلندی	عَلْقَمَہ	تلخی، کڑواہٹ
عَلِی (صحابی)	بلند، معزز	عِمَادُالدِّین	دین کا ستون
عَمَّار (صحابی)	مالک، صوم وصلاۃ کا پابند، باوقار	عِمْرَان (صحابی)	آباد کرنیوالا
عُمَرُ (صحابی)	آباد کار	عُمَیر	بھرا ہوا
عَمْرو (صحابی)	آبادی	عِیْسٰی (نبی)	زندگی والا
عَوْف (صحابی)	شیر	عَوَّام	زبردست تیراک
عَوْسَجَہ	ایک کانٹے دار پودا	عَوْن	مددگار
عُوَیْم (صحابی)	تیراک	عُوَیْمِر	آباد کار
عَیَّاش (صحابی)	بہت خوش عیش	عُیَیْنَہ	چشمہ
عِیَاض (صحابی)	بدلہ، عوض	غُضَیْف	آسودہ حال
غُطَیْف	خوش حال		

غ

نام	معنی	نام	معنی
غَازِیُ	جنگ لڑنے والا، فاتح	غَالِبُ	غلبہ پانے والا
غَزْوَان	بہت جنگ لڑنے والے	غَسَّان	دل کے آخری گوشے، بھرپور جوانی
غَضَنْفَر	شیر	غُفْرَان	معافی، بخشش
غَرَفَه (صحابی)	ایک پودا	غَرِیْف	گھنا درخت
غَنِیُ	مالدار	غُنَیَم	مال غنیمت پانے والا
غِیَاث	امداد	غَیَّاثُ	بہت مدد کرنے والا

ف

نام	معنی	نام	معنی
فَائِزُ	کامیاب	فَائِقُ	ممتاز
فَاتِحُ	فتح کرنیوالا	فَاتِک	دلیر
فَاخِر	عمدہ ونفیس، شاندار قابل فخر	فَارِسُ	شیر، صاحب فراست
فَاضِل	صاحب فضل وکمال، بلند کردار	فَاکِه	خوش طبع، ہنس مکھ
فَارُوق (عمر کا لقب)	حق و باطل میں خوب فرق کرنے والا	فُجَیع (صحابی)	دردمند، دکھی
فَرْحَان	شادمان، بہت خوش	فَرْحَت	شادمانی، خوشی
فَرُخ	مبارک، حسین	فِرْزَام	لائق
فُرَات (صحابی)	بہت میٹھا	فَرَّاسُ	صاحب بصیرت، نہایت سمجھدار
فُرْقَان	حق و باطل میں فرق کرنے والا	فَرْزَان	بہت عقل مند

نام	معنی	نام	معنی
فَرْقَد	ستارے کا نام	فُرْهُد	خوبصورت لڑکا، شیر کا بچہ
فَضَل	احسان		
فَضِیْل	فضل والا	فُؤَاد	دل
فَوْزَان	بہت کامیاب	فُلَیْح	کامیاب
فَیَّاض	دریا دل، بہت سخی	فَوَّاز	فاتح، انتہائی کامیاب
فَیْرُوْز	دلیر، فاتح	فَیْصَل	فیصلہ کرنے والا
فَیْضَان	بڑا تحفہ	فَیْض	تحفہ، عطیہ
فَہَد	شیر	فَہِیْم	بہت سمجھدار

نام	معنی	نام	معنی
قَابُوْس	خوبصورت، گورا	قَاسِم	تقسیم کرنیوالا
قَانِت	فرماں بردار	قَتَادَہ (تابعی)	کانٹے دار درخت
قُثَم (صحابی)	بہت سخی، فیاض	قَثُوْم	نیکیاں جمع کرنے والا
قَبِیْصَہ (صحابی)	معمولی چیز	قُرْبَان	قربانی، بادشاہ کا مصاحب
قُدَامَہ (صحابی)	راہنما	قَرِیْظَہ (صحابی)	ایک قسم کا پھل
قُرَّۃ (صحابی)	آنکھ کی ٹھنڈک، باعث تسکین	قَسَّام	حسن و جمال
قَسَامَہ	خوبصورتی، حسن و جمال	قُطُب	سربرآوردہ آدمی، سردار
قُطْبَہ (صحابی)	کرۂ ارض کا کنارہ	قَطِیْف	چنا ہوا پھول
قَعْقَاع (صحابی)	جھنکار	قَمَر	چاند

نام	معنی	نام	معنی
قُنبَر	پروں کی کلغی	قَیّم	نگران، محافظ
قَیس (صحابی)	اندازہ، موازنہ، سختی		

ک

نام	معنی	نام	معنی
کَاشِف	کھولنے والا، ظاہر کرنے والا	کَاظِم	سرپرست، غصہ پی جانیوالا
کَامِل	مکمل	کَامرَان	کامیاب
کِبرِیَا	عظمت، بزرگی	کَثِیر (صحابی)	بہت زیادہ، وافر
کَرّار (سیدنا علی کا لقب)	بار بار حملہ کرنے والا	کُرَیب (صحابی)	مشکل زدہ
کَرَامَت	عزت وشرف	کَعب (صحابی)	بلند
کَفِیل	ضامن	کَلِیمُ اللّٰہ	اللہ تعالیٰ سے بات کرنے والا
کَلَدَہ (صحابی)	سخت جگہ	کُلثُوم (صحابی)	بھرے ہوئے رخساروں والا
کَمَال	کامل	کَنّاز	بہت مال جمع کرنے والا
کِنَاز	طاقتور	کِنَانَہ	ترکش
کَہمَس	شیر	کَیِّس	عقل مند، ذہین

گ

نام	معنی	نام	معنی
گُلِ اَفشَاں	سنہرا پھول	گَوہَر	موتی
گَوہَر تَاب	موتی کی طرح چمکنے والا	گُلفَشَاں	پھول برسانے والا

گُلفَام	پھول سے چہرے والا	گُلنَار	انار کا پھول
گُلزَار	باغ		

ل

لَئِیم	سبقت لے جانے والا	لَئِیق	عقل مند
لَبِیب	دانا، عقل مند	لُقمَان	دانا
لُوط (نبی)	دل پسند چیز	لَمعَان	بہت چمکیلا
لَقِیط (صحابی)	راستے سے اٹھایا ہوا بچہ، اچانک ملنے والی چیز	لِیَاقَتْ	قابلیت
لَیث	شیر		

م

مَاجِد	شریف، محترم	مَالِك (صحابی)	صاحب اقتدار، آقا
مَامُون	محفوظ، نڈر	مُبَارَك	بابرکت
مُبْتَدِر	شیر	مُبَشِّر	خوش خبری دینے والا
مُبِین	روشن، فصیح	مَتِین	مضبوط، پختہ
مُثَنّٰی (صحابی)	مدد کیا ہوا، دوہرا	مُجَاهِد	جہاد کرنیوالا
مُجَاشِع (صحابی)	حملہ آور	مُجتَبٰی	پسندیدہ، برگزیدہ
مُجَمِّع (صحابی)	جمع کرنیوالا	مُحَارِب	جنگجو، بہادر

نام	معنی	نام	معنی
مَحْبُوْب	پسندیدہ	مُحْتَشِم	عزت وشان والا
مِحْجَن (صحابی)	کھونٹی	مِحْسَان	بہت احسان کرنیوالا
مُحْسِن	نیکی کرنے والا	مُحْصِن	عفیف، پاک دامن
مُحَمَّد	تعریف کیا ہوا	مَحْمُوْد	قابل تعریف
مُحَیِّصَہ (صحابی)	غالب آنے والا	مُخْتَار	پسندیدہ، آزاد
مَخْرَمَہ	نشانہ پر تیر مارنا	مَخْلَد	ہمیشہ قائم ودائم
مِخْنَف (صحابی)	چاقو	مُدَّثِّر	چادر اوڑھنے والا
مُدْرِک	پانے والا	مَدِیْح	تعریف کیا ہوا
مِذْعَان	انتہائی فرمانبردار	مُذْعِن	مطیع
مُرْتَضٰی	منتخب، پسندیدہ	مَرْثَد (صحابی)	شیر، شریف الطبع
مَرْجَان	قیمتی پتھر	مِرْدَاس (صحابی)	پتھر
مَرَارَہ (صحابی)	تلخی، کڑواہٹ	مَرْزُوْق	آسودہ حال خوش نصیب
مَرْغُوْب	دلچسپ	مَرْوَان (سیدنا عثمان کے چچازاد)	مضبوط چٹان
مُزَاحِم	مقابلہ کرنیوالا، مزاحمت کرنے والا	مُزَّمِّل	(نبی ﷺ کا وصف) چادر اوڑھنے والا
مُسَافِع	جنگ کرنے والا	مُسَاوِر	حملہ آور
مَسْرُوْر	خوش منظر، خوبصورت	مُسْتَعِیْن	مدد طلب کرنے والا
مُسْتَقِیْم	سیدھا	مُسْتَنْصِر	مدد مانگنے والا

نام	معنی	نام	معنی
مُسْتَوْرِدْ (صحابی)	گھاٹ پر وارد ہونے والا	مَسْعُود (صحابی)	سعادت مند
مُسْتَنِیر	روشن باغ، مھذب	مَسْرُوح	آزاد کیا ہوا
مُسْلِم	فرماں بردار	مَسْلَمَه (صحابی)	سلامتی
مِسْوَرْ	جنگ میں بہادری کے جوہر دکھانے والا	مُسَيَّب (صحابی)	آزاد، خود مختار
مُشْتَاق	شوقین	مِشْعَر	جنگ کا ماہر
مِصبَاح	چراغ		
مِصْدع	بلیغ مقرر	مُصعَب (صحابی)	سردار، برداشت کرنے والا
مُطَهَّر	پاک کیا ہوا	مُطَيَّب	خوشبودار، پاکیزہ
مُطِيع	فرماں بردار	مُظَفَّر	کامیاب
مَظْهَر	منظر، گواہ	مُعَاذ (صحابی)	پناہ دیا ہوا، محفوظ
مَعْبَدْ (صحابی)	عبادت گاہ، عجزو انکساری کے اظہار کا مقام	مُعَاوِيَه (صحابی)	دفاع کرنے والا
مُعْتَصِم	پناہ لینا والا، دین کو مضبوطی سے تھامنے والا	مُعْتَمِر	قصد کرنے والا، عمرہ کرنے والا
مَعْرُوف	مشہور	مُعَظَّم	عظمت والا
مَعْقِل (صحابی)	پناہ گاہ، بلند قلعہ یا پہاڑ	مَعْمَر (صحابی)	آباد و شادمان مکان
مَعْن (صحابی)	مفید چیز، بھلائی		
مُعَوَّذ (صحابی)	پناہ دیا ہوا	مُعَيْقِيب	انتقام لینے والا

نام	معنی	نام	معنی
مُغِیث (صحابی)	مدد کرنے والا	مُغِیرہ (صحابی)	حملہ کرنے والا
		مِفرَاح	بہت خوش
مُفَضَّل	پسندیدہ، ممتاز	مِفضَال	انتہائی فیاض وسخی
مُقَاتِل	لڑنے والا	مُقبِل	متوجہ ہونے والا، دل کھول کر خرچ کرنے والا
مَقبُول	پسندیدہ	مُقتَدیٰ	پیشوا
مِقدَاد (صحابی)	توڑنے کا آلہ	مِقدَام (صحابی)	بہادر، لڑائی میں سب سے آگے رہنے والا
مَقصُود	مطلوب	مِکرَام	فیاض، لوگوں کی بہت عزت کرنے والا
مِلحَان	جاذب نظر، انتہائی خوبصورت	مَلِیح	خوبصورت
مُنذِر (صحابی)	ڈرانے والا		
مَنصُور	مدد کیا ہوا	مَنظُور	پسندیدہ جس سے مہربانی کی توقع ہو
مُنعِم	سخی، فیاض	مُنکَدِر	دشمن پر تیزی سے جھپٹنے والا
مِنحَال	انتہائی سخی وفیاض	مُنَوَّر	روشن کیا ہوا
مُنِیب	رجوع کرنے والا	مُنِیر	روشن، پرنور
مَودُود	محبوب	مُوسیٰ (نبی)	پانی سے پکڑا ہوا
مُؤَمَّل	امید دلایا ہوا	مُھَاجِر (صحابی)	ہجرت کرنے والا، گناہ چھوڑنے والا
مَھتَاب	چاند	مَھدِی	ہدایت یافتہ

نام	معنی	نام	معنی
مِهْرَاس	بے خوف، نڈر	مِهْرَان	ماہر
مَهْرُوز	چاندی صورت	مِهْصَم	شیر
مُهَلَّب	اچھے اوصاف والا	مَيْسَرَه	آسودہ حالی، فراخی
مَيْمُون	بابرکت، خوش قسمت		

ن

نام	معنی	نام	معنی
نَائِف	بلند و بالا	نَائِل	فیاض، داد و دہش والا
نَابِل	تیر انداز، ماہر ہتھیار ساز	نَادِر	نایاب
نَاجِيَه (صحابی)	نجات پانے والا، تیز رفتار	نَاسِل	تیز رو
نَاصِح	خیر خواہ، نصیحت کرنے والا	نَاصِر	مددگار
نَاظِم	منتظم	نَاعِم	آسودہ حال، خوش و خرم
نَاضِر	شگفتہ، پر رونق چہرے والا	نُبَيْشَه (صحابی)	بھید ظاہر کرنے والا
نَافِع (تابعی)	سودمند، نفع دینے والا	نَبْهَان	انتہائی معزز، دانشمند
نَاضِل	تیر اندازی میں بازی لینے والا	نَافِذ	اپنے کاموں میں ماہر و کامیاب
نِبْرَاس	قندیل، دلیر، شیر	نَبِيط (صحابی)	علم و حکمت پھیلانے والا
نَبِيه (تابعی)	معزز و شریف، دانا	نَبِيل	شریف و معزز
نِثَار	قربان	نَجْم	ستارہ
نَجِيب	معزز، شریف، ذکی	نَجِيح	کامیاب، ثابت قدم

نام	معنی	نام	معنی
نَجِید	شیر، بہادر، باہمت	نَدِیم	رفیق، ہم نشین
نَذِیر	انجام بد سے ڈرانے والا، رہبر	نَسِیم	صبح کی ٹھنڈی ہوا
نَصر	فتح، کامیابی، مددگار	نَصِیر	مددگار، حمایتی
نُضَار	ہر خالص چیز، خالص سونا		
نَضر	سونا	نَضِیرہ	تروتازہ، حسین وجمیل
نِعمَت	انعام، آسودگی	نُعمَان (صحابی)	بہت آسودہ حال، مطمئن
نَعِیم (صحابی)	خوشحال، نعمتوں سے آراستہ	نَفِیس	عمدہ، قیمتی
نَفِیع (صحابی)	بہت فائدہ مند، خوب نفع دینے والا	نَقِیب	محافظ، نگران، سردار
نَقِی	صاف، خالص	نَمِر	(صحابی) چیتا
		نُمَیر (صحابی)	چیتا
نَواز	مہربان	نُوح (نبی)	تسکین دینے والا
نَوّاس (صحابی)	ڈھیلا ڈھالا	نَوشَاد	خوش، مسرور
نَوفَل (صحابی)	سمندر، فیاض، خوبصورت جوان	نَوِید	خوشخبری
نَہّاس	خونخوار شیر	نَہشَل	شکرا
نِہیک	دلیر، تیز تلوار، خوش اخلاق	نَیّر	روشن، خوبصورت

نام	معنی	نام	معنی
وَائِل (صحابی)	پناہ حاصل کرنے والا، اللہ کی طرف رجوع کرنے والا	وَابِصہ	چمک، آگ، انگار

وَاثِق	پراعتماد، پختہ	وَاثِلَهْ (صحابی)	مضبوط
وَارِثُ	جانشین	وَاسِعُ (صحابی)	کشادہ، فراخ
وَاصِفُ	وصف بیان کرنے والا، خوبی بیان کرنے والا	وَاصِلُ	دوست، رفیق
وَامِقُ	محبت کرنے والا، دوست	وَاقِدُ	روشن، تیز، ذہین
وَجَاهَتُ	خوبصورتی		
وَجِيهُ	خوبصورت، عالی مرتبہ، سردار	وَحْشِيُ (صحابی)	جنگلی خونخوار
وَرْقَه	(معروف عیسائی راہب) فراخ دل، سنہری	وَدُوْد	بہت محبت کرنے والا
وَزِيْن	سنجیدہ، ذی رائے	وَسِيْم	خوبصورت، حسین وجمیل
وَضَّاح	نہایت حسین، خوش رنگ	وَقَارُ	عزت وعظمت
وَقَّاصُ	جنگجو، گردن توڑنے والا	وَكِيْع	مضبوط، طاقتور
وَكِيْل	ضامن، محافظ نگران	وَلِيْد (صحابی)	نوجوان، خادم
وَهَّاج	انتہائی تیز، روشن، چمکدار	وَهَبُ (صحابی)	عطا کرنا، دینا، ہبہ کرنا
وُهَيْب	عطیہ	وَهِيْج	خوشبو کی مہک

ھ

هَادِیُ	راہنما	هَارُوْن (نبی)	سردار، پاسبان
هَاشِمُ (صحابی)	توڑنے والا، سخی، پہاڑ	هَانِیُ (صحابی)	مدد کرنے والا، خادم

نام	معنی	نام	معنی
هَائِدُ	توبہ کرنے والا	هُذَام	بہادر، تیز تلوار
هُذَيم	بہادر، تیز تلوار	هَيذَام	بہادر، دلیر
هِرْمَاس (صحابی)	شیر	هُرَيم	سمجھدار، دانا
هِشَام (صحابی)	شیر	هُشَيم	سخی، توڑنے والا
هَصُور	سخی، توڑنے والا		
هِلَالُ	پہلی بارش، ابتدائی چاند مہینہ کی پہلی رات سے لے کر ساتویں رات سے چھبیسویں رات سے لے کر مہینے کی آخری رات کا چاند ھلال اور باقی راتوں کا چاند قمر کہلاتا ہے۔	هَمَّاس	شیر، شکار پر پل پڑنے والا درندہ
هَمَّامُ	باہمت، پختہ ارادہ کا مالک	هُنَيدَه (صحابی)	سو سال، صدی
هُمَامُ	بہادر و سخی سردار، شیر	هُمَايُوں	مبارک، بادشاہ
	گالی کا جواب نہ دینے والا	هَنَّادُ	برداشت کرنے والا
هُودُ	توبہ کرنے والا، نیک کام کرنے والا	هَيَّاجُ	بہت پر جوش
هَيثَم	عقاب، شکر		

ی

نام	معنی	نام	معنی
يَاسِر (صحابی)	آسودہ حال، مال دار	يَاسَم	چنبیلی کا پھول

یَافِعُ	گھبرو جوان، بلند حیثیت	یَاقُوت	سرخ رنگ کا قیمتی پتھر
یَاوَرْ	معاون و مددگار	یَحْییٰ	زندہ رہنے والا
یَزِیْد	امیر، زیادہ ہونے والا	یَسَارُ	آسانی، آسودگی
یَعْسُوْب	قائد، سردار	یَعْقُوْب	پیچھے آنے والا
یَعْلٰی	عزت و مرتبہ میں بلند	یَقْظَانُ	بیدار، سوجھ بوجھ کا مالک
یَمَانُ (صحابی)	مبارک، خوش بخت	یُوْسُفُ (نبی)	نہایت حسین، خوبصورت
یُوْنُسُ	ستون، رکن		

بچیوں کے اسلامی نام

آ

آبْدَار	چمکیلی، بارونق	آثِمَه	گناہ گار
آبْرُوْ	عزت، بزرگی	آبگِیْنَہ	شیشہ، الماس
آذِیْنَہ	سجاوٹ، زیب وزینت	آرزُوْ	خواہش
آسِیَہ فرعون کی مومن بیوی کا نام	ستون، بھروسا، مضبوط بنیاد والی عمارت	آشَا	امید، آرزو
آصِفَہ	لائق، ذہین	آمِنَہ	مطمئن، محفوظ
آنِسَہ	محبت کرنے والی نوجوان لڑکی، خوش کلام، قابل انس	آئِرَہ	معزز، قابل عزت
آئِلَه	ماہ رخ، چاند جیسی	آهِلَه	چاند، ھلال

ا

اَنْجَمَنْ	بزم، محفل	اَدِیْبَه	ماہر، ادب سکھانے والی
اِرَمْ	جنت	اَرْفَعْ	عالی مرتبہ، نہایت بلند
اَرْوٰی	سیراب کرنا	اَرِیْبَہ	عقل مند، دانا

اَرِیُجَه	خوشبو	اَزْکی	نہایت پاکیزہ، انتہائی صالح و نیک
اَسْمَا (صحابیہ)	بلند، عالی مرتبہ	اَسَدَہ	شیرنی
اَفْرُوز	روشن کرنے والی	اَفْشَان	سونے یا چاندی کا برادہ بکھیرنے والی
اَلْمَاس	ہیرا، ایک نہایت قیمتی جوہر جو چمکیلا ہوتا ہے اور جس میں مختلف رنگوں کی دھاریاں ہوتی ہیں۔	اُمَامَہ (نواسی رسول)	ہادی، رہنما
امَانْ	پناہ، حفاظت	اَمَةُ (صحابیہ)	باندی
اَمَةُ اللّٰهِ	اللہ کی بندی	اَمَةُ الرَّحْمٰن	رحمٰن کی بندی، نیز اللہ تعالیٰ کی اوصاف میں سے کسی وصف کے شروع میں امۃ کا اضافہ بچیوں کا مستحب نام شمار ہوگا
اُمَیْمَہ (صحابیہ)	ہادیہ، راہنما	اَمْبَرِیْن	چادر، بادل
اَمِیْرَہ	شہزادی	اَمِیْنَہ	امانت دار، بے خوف
اَنِیْسَہ	انس رکھنے والی، محبت کرنے والی	اُنَیْسَہ (صحابیہ)	مانوس
اَنِیْقَہ	خوش آئند، خوب، نادر، عجیب	اَنِیْلَا	نادان، نا تجربہ کار
اَیْمَل	آرزو، خواہش	اِیْمَان	یقین، کامل
اَیْمَنْ	مبارک، محفوظ، بے خوف		

ب

بَابَرَہ	شیرنی	بَازِغَہ	روشن، چمک دار

بَاذِلَه	سخی، خرچ کرنے والی	بَاسِمَه	مسکرانے والی، ہنسنے والی
بَانُو	نیک عورت	بَتُول	لائق، کنواری، فاطمہ رضی اللہ عنہا کا لقب
بَخْتَاوَر	خوش نصیب، خوش قسمت	بَزْمِ آرَا	محفل کی زینت
بَرَکَت	خوش نصیبی	بَرِیْرَہ (صحابیہ)	نیکو کار
جَنَانَه	پھولوں کا باغیچہ	بُسْرَہ (صحابیہ)	کونپل، کلی
بَشَامَه	خوشبودار درخت	بُشْرٰی	خوش خبری، مسرت
بَلْقِیس (ملکہ سبا)	حسین وجمیل	بے نَظِیر	بے مثال، لاثانی
بَهْجَت	تازگی		

پ

پَائِنْدَه	ہمیشہ زندہ رہنے والی	پَاکِیْزَه	پاک باز
پَرْوِیْن	سات ستاروں کا جھرمٹ، سات سہیلیوں کا جھمکا	پِنْکی	بچیوں کا پیارا نام، خوبصورت

ت

تَائِبَه	گناہوں سے توبہ کرنے والی	تَابِنْدَه	روشن، نورانی
تَارِفَه	خوش حال، آسودہ	تَانِیَا	ننھی پری
تَبَسُّم	مسکراہٹ	تَثْمِین	خراج تحسین، قدردانی

تَحرِیم	عزت واحترام	تَسنِیم	جنت کے ایک چشمے کا نام

ث

ثَاقِبَه	روشن، چمکدار	ثَرْوَتْ	دولت مندی، تونگری
ثُرَیَّا	سات ستاروں کا جھرمٹ، جھمکا	ثَمُرَه	پھل، فائدہ
ثَمِیرَه	پھل دار، فائدہ مند	ثَمِیلَه	آراستہ عمارت جس میں اسباب راحت جمع ہوں، شوقین
ثَمِینَه	انتہائی قیمتی	ثَنَا	تعریف، شکریہ
ثُوَیبَه (نبی ﷺ اور حمزہ رضی اللہ عنہ کی رضاعی والدہ)	تن پوش، زیور		

ج

جَاذِبَه	پر کشش	جَبلَه	سرداری، قائد
جُدَامَه (صحابیہ)	پست قامت عورت	جَذلَه	خوشی، مسرت
جَسُرَه	ڈیل ڈول کی عورت	جُمَانَه	گوہر، موتی، لعل
جَمِیلَه	خوبصورت	جَنَّت	بہشت
جَهَاں آرَاء	دنیا کو سجانے والی	جُوَیرِیه (ام المومنین)	خوشیاں بکھیرنے والی

ح

حَبَابَه	شبنم، بلبلے	حَبِیبَه (صحابیہ)	پیاری، دوست

نام	معنی	نام	معنی
حَبْرَہ	خوشی، نعمت	حَدِیْقَه	باغیچہ، باغ
حِرَاء	وہ غار جہاں نبی ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی	حَرْمَلَه (صحابیہ)	ایک جنگلی پودا، ایک پوشاک
حُسَالَه	چاندی کا برادہ	حُسْنِ صبیح	دلکش
حُسْن آرَا	حسن بڑھانے والی	حَسْنَا	عمدہ، خوبصورت
حُسْنٰی	نہایت خوبصورت، عمدہ ترین	حَفْصَه (ام المومنینؓ)	شیرنی
حَفِیْظَه	نگران، نگہبان	حُکَیْمَه	دانا
حَلِیْمَه نبی ﷺ کی داعیہ	بردبار	حَمَامَه	فاختہ، کبوتری، خوبصورت عورت
حُمُسَه	حرمت، عزت	حَمْنَه (صحابیہ)	سیاہ انگور
حُمَیْدَه	تعریف وستائش	حَمِیْدَه	قابل تعریف
حُمَیْرَا (حضرت عائشہؓ کا صفاتی نام)	سرخ رنگت والی	حِنَا	مہندی
حَنَانَه	شفیق، ہمدرد	حُوْرُ الْعِیْن	سفید رنگت اور بڑی آنکھوں والی خوبصورت عورت
حُوْرِیَه	حور جیسی عورت		

خ

نام	معنی	نام	معنی
خَاشِعَه	عاجزی کا اظہار کرنے والی، اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والی	خَالِدَه (صحابیہ)	ہمیشہ رہنے والی، لازوال

خَدِیُجه (ام المومنینؓ)		خَزِیْنَه	خزانہ، دولت
خَنْسَآ (صحابیہ)	نیل گائے، چپٹی ناک والی	خُوْرشِیُد	سورج
خُوشْنُوْدَه	خوشی، راضی، مسرور	خُوش اَخْتَر	خوش قسمت
خَوْلَه (صحابیہ)	ممتاز، قابل منتظم		

د

دَائِمَه	ہمیشہ رہنے والی	دَانِیَه	قریب
دُجَانَه	نڈر، بارش	دُرِّاَفْشَاں	موتی بکھیرنے والی
دَرُخْشَاں	تاباں، چمکتا ہوا	دَرُخْشَنْدَه	چمکتا ہوا، نورانی
دُرِّثَمِیْن	قیمتی موتی	دَمِیْثَه	خوش اخلاق، نرم خو
دِیْبَا	ریشمی کپڑے کی ایک قسم	دِیْپَا	چراغ، چمک

ذ

ذَاکِرَه	ذکر کرنے والی	ذَکِیَّه	تیزفہم، ذہین

ر

رَابِحَه	نفع مند، کامیاب	رَابِعَه	آسودہ حال، مہربان، پربہار
رَابِغَه	خوش حال	رَاحَت	سکون، آرام
رَاشِدَه	ہدایت یافتہ	رَاضِیَه	خوش وخرم

نام	معنی	نام	معنی
رَافِدَہ	مدد کرنے والی	رَافِعَہ	بلند، عظمت بخشنے والی
رَائِعَہ	معاون و مددگار		
رَائِحَہ	خوشبو	رَائِمَہ	چاہنے والی، قصد کرنے والی
رَبَاب (صحابیہ)	سفید بال، ایک قسم کی سارنگی	رَحِیلَہ	سفر کرنے والی
رُخسَانَہ	خوبصورت	رَخشَندَہ	روشن چمکدار
رَزِینَہ	باوقار، بردبار، صائب الرائے	رَشِیدَہ	ہدایت یافتہ
رِضوَانَہ	خوشنودی	رَضِیَّۃ	پسندیدہ، مستحب، نہایت مطمئن
رَعنَا	خوب صورت	رِفعَت	بلندی، عروج
رِفِیدَہ	مددگار	رَفِیعَہ	بلند، عالی مرتبت
رَقِیقَہ	نرم، دل	رَفِیقَہ	دوست
رُقَیَّہ	ترقی، عروج	رَکَانَہ	سنجیدگی، وقار
رَملَہ (ام المومنین ام حبیبہؓ کا نام)	ریت، آراستہ کرنا	رُمَّان	انار
رُوستَان	روشن ستارے	رُمَیثَہ (صحابیہ)	درست کرنے والی
رُمَیصَاء صحابیہ (ام سلیمؓ کا نام)	ایک ستارے کا نام	رَومِینَہ	رومان پرور، محبت پیار والی
رَھِیدَہ	نرم، نازک، ارزاں	رَیحَانَہ (صحابیہ)	کلی، گلدستہ، خوبصورت عورت
رَئِیسَہ	سردار، امید	رِیمَا	سفید ہرنی

نام	معنی	نام	معنی
رِینَا	شہزادی	رَوْضَه	خوب صورت باغ، شاداب زمین

ز

نام	معنی	نام	معنی
زَارَا	فجر، طلوع صبح	زَاهِدَه	عبادت گزار، نیک
زَاهِرَه	روشن، چمکدار	زُبْدَه	جوہر، منتخب
زَبِیْدَه	نرم و نازک، منتخب	زَرُافشَاں	روشن، چمکدار
زَرِیْنَه	دولت مند	زَرِّیْن	سونے کا بنا ہوا، بیش قیمت
زَرِّیْنَه	سونے کی بنی ہوئی، قیمتی	زَرْنَابُ	خالص سونا
زَرْقَاء	نیلی، آسمان	زَعِیْمَه	قائد، راہنما، ضامن
زَکِیَّه	پاک، نیک	زُمُرَّد	سبز رنگ کا قیمتی پتھر
زَمْزَم	مکہ میں خانہ کعبہ سے متصل بابرکت کنواں	زِنِّیْرَه (صحابیہ)	موتیوں والی، ہار پہننے والی
زَهْرَه	پھول، کلی، بہار	زَهْرَآء	حسین عورت، چاند، خوش رنگ، فاطمہ رضی اللہ عنہا کا لقب
زَهْرَه جَبِیْش	انتہائی حسین، روشن پیشانی والی	زُهْرَه	حسن و جمال
زَوْیَا	زندگی	زَیْب	سجاوٹ، آرائش
زَیْبَا	سندر، خوش نما، خوبصورت	زَیْنَبُ (ام المومنین)	خوبصورت، خوشبو دار پوداز
زَیْبُ النِّسَاء	انتہائی حسین عورت، عورتوں کی زینت	زِیْنَتُ	خوبصورتی، آرائش

س

سَاجِدَہ	سجدہ کرنے والی	سَاحِرَہ	مسحورکن
سَائِرَہ	گھومنے والی	سَارَہ (جد الانبیاء ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ)	شہزادی
سَارِیَہ	رات کو چلنے والا بادل	سَارِینَا	شہزادی
سَاھِرَہ	سرچشمہ، چاند کا ہالہ	سَبَا	ملکہ بلقیس کا پائے تخت
سَبْرِینَا	شہزادی	سَحَرُ	سویرا
سَحَاب	بادل	سَحُرَش	مسحورکن، صبح کی مانند
سِدْرَہ	بیری کا درخت	سِدْرَۃُ الْمُنْتَھٰی	ساتویں آسمان کے اوپر بیری کا درخت
سَرُوْپ	خوبصورت و سڈول جسم، حسین چہرہ	سَرُوْج	کنول، نیلوفر
سَطْوَت	رعب، دبدبہ، غلبہ	سَعُودَہ	خوش نصیب، سعادت مند
سَعْدِیَہ	خوش قسمت	سَعِیْدَہ	سعادت مند
سَکِیْنَہ	اطمینان، سکون، وقار	سُلْطَانَہ	حکمران عورت
سَلْمٰی	اطاعت، تسلیم	سَلِیْمَہ	آفات سے محفوظ، عیوب سے پاک
سَمَاء	آسمان، بلندی	سَلَامَہ (صحابیہ)	سلامتی

سَمِیْحَہ	فیاض، فراخ دل	سَمِیْعَہ	فرماں بردار، مطیع
سَمِیَّہ	ہم نام، فخر کرنے والی	سُمَیَّہ	بلند، عالی مرتبت
سَمَارًا	محتاط، دور اندیش	سِمِّیْرَہ	رات کو قصہ کہانی کہنے والی، باتیں کرنے والی
سَمَنْ	چنبیلی کا پھول	سَنَا	چمک، روشنی
سُنْدُسْ	باریک ریشم	سُنْدَرْ	خوبصورت، حسین وجمیل
سَنِیْعَہ	حسین وجمیل، نرم ونازک	سَنِیْلَہ	سعادت مند، نیک
سَنِیْمَہ	عالی مرتبت عورت	سَوْدَہ (ام المومنینؓ)	سرداری
سَهْلَہ	نرم، ہموار	سِیْمَا	ماتھا، پیشانی، چہرہ
سُوَیْدَہ	سرداری	سِیْمَاب	پارہ
سِیْمِی	چاندی کا	سِیْمِیْن	چاندی جیسی، سفید
سِیْمِیْنَ عَذْرَا	چاندی جیسے رخساروں والی		

ش

شَاد	خوش، مسرور	شَادْمَان	خوش وخرم
شَامَا	ایک خوش الحان چھوٹا پرندہ	شَارِقَہ	روشن، آفتاب
شَذَا	تیز مہک	شَاذِیَہ	تیز خوشبو، مشک
شَازِیَہ	بلند، عظمت والی	شَافِعَہ	سفارشی، حمایتی
شَافِیَہ	شفا بخش، اطمینان بخش	شَاکِرَہ	شکر گزار

شَاهِدَه	گواہ	شَاهِين	باز
شَائِسَته	مہذب، سلیقہ مند	شَائِقَه	شوقین
شِبلَه	شیرنی	شَبْنَم	اوس، رات کی نمی
شَجِيعَه	دلیر و بہادر عورت	شَرمِيلَا	حیا دار
شَرِيفَه	معزز، عالی مرتبت	شِفَاء (صحابیہ)	آرام، افاقہ، تسکین
شَفِيعَه	سفارشی	شَفِيقَه	ہمدرد، مہربان
شَكِيلَه	خوبصورت	شَگُفتَه	کھلا ہوا، خوش
شِگَرف	عمدہ، نادر، خوبصورت	شَمْشَاد	ایک خوبصورت لمبا درخت
شَمِيم	خوشبودار ہوا، مہک	شَمَامَه	خوشبو
شَهلَا	نرگس کا ایک پھول جو زرد یا سیاہی مائل ہوتا ہے	شَهرْبَانُو	معزز خاتون
شَهزَادِی	بادشاہ کی بیٹی	شَهنَاز	دلہن
شِيرِين	پیاری، خوشگوار، نرم و ملائم	شَيلَا	ململ
شِيمَا (حلیمہ سعدیہ کی بیٹی)	عادت، خوشبو	شَهبَاء	شیرنی

صَابِرَه	صبر کرنے والی	صَاحِبَه	حاکمہ، منتظمہ، سہیلی

صَادِقَه	راست باز، مخلص، وفادار	صَارِمَه	چھوٹی تلوار، بہادر عورت
صَافِحَه	معاف کرنے والی، درگزر کرنے والی	صَالِحَه	نیک
صَائِبَه	حق بجانب، قول وفعل میں راست	صَائِمَه	روزہ دار
صَبَا	صبح کی مشرقی ہوا، پروا		
صَافِيَه	مخلص	صَبَاحَ	صبح، تڑکا، سحر
صَبَاحَتُ	گورا پن، خوبصورتی، جمال، جاذبیت، چمک	صَبُحي	خوبصورت
صَبِيُحَه	گوری، خوبصورت	صَخُرَه	چٹان
صَدَفُ	سیپی، ایک سمندری گونگھا جس سے موتی نکلتا ہے	صِدِّيقَه	انتہائی سچی، اپنے قول کی عمل سے تصدیق کرنے والی
صَعُبَه	خود دار	صُغُرٰی	چھوٹی عورت
صَغِيرَه	چھوٹی	صفُورَاء	برگزیدہ، منتخب
صَفِيَّه (ام المومنینؓ)	منتخب، مخلص	صَوِيبَه	سچی، خوش باش، اچھی
صَمَّآء	ٹھوس، مضبوط	صُمَيْتَه (صحابیہ)	کم گو، پازیب وال
صَمُعَا	نازک کلی جو کھلی نہ ہو	صَمِخَه	نرم ونازک
صُوفِيَّه	عبادت گزار، پرہیزگار	صَوُلَتُ	رعب، دبدبہ
صَومِيَه	روزہ دار	صَهُبَاء	سرخ وسفید مائل، شراب

ض

نام	معنی	نام	معنی
ضَاحِکَه	ہنسنے والی، شگفتہ، چمک دار	ضُبَاعَه (صحابیہ)	تیز رفتار
ضَحُوَه	دن کی روشنی	ضُحَی	سورج کی روشنی، چاشت، ظہور
ضَافِنَه	مدد کرنے والی	ضَافِیَه	چھلکتا ہوا جام، کنارہ
ضَفُوَه	آسودگی، خوشحالی	ضَلِیعَه	طاقتور
ضَامِرَه	پتلی، چھریرے بدن والی	ضَو افشَاں	روشنی دینے والی
ضَوفِگَن	روشنی بکھیرنے والی	ضَومَرَان	فارس کی چنبیلی

ط

نام	معنی	نام	معنی
طَاحُونَه	مطمئن	طَالِحَه	چمکدار، نصیب، قسمت
طَالِیَه	خدا کا تحفہ	طَاهِرَه	پاک، بے داغ
طَاؤُس	مورنی، حسین عورت	طَرُوبَه	نہایت خوش، بے حد مگن
طَرِیرَه	بارونق، خوش منظر	طَرِیفَه	نادرو عمدہ، انوکھی
طَلَالَه	پسندیدہ	طَلَعَتُ	چہرہ، دیدار، شکل
طَلَعَتُ زیبَا	خوبصورت شکل	طَلِیقَه	ہنس مکھ، آزاد
طِیبَه	خوشبو، اعلیٰ و افضل	طَیبَه	مدینہ منورہ کا نام، عمدہ
طَیِّبَه	پاکیزہ، حسین، خوشبودار	طُوبٰی	نہایت عمدہ و اعلیٰ، سعادت، خیر و بھلائی، ابدی عزت

ظ

ظَافِرَہ	کامیاب، فتح مند	ظَرِیْفَه	ہوشیار، تیز طبع، خوبصورت
ظَفَرُ النِسَاء	کامیاب عورت	ظَفِیْرَہ	نہایت کامیاب
ظُهُرَہ	مدد	ظُهُرَہ	مددگار
ظَهِیْرَہ	مددگار، پشت پناہ		

ع

عَابِیَه	حسین عورت، ہار بنانے والی	عَابِدَہ	عبادت گزار، فرماں بردار
عَاتِکَه (صحابیہ)	شریف، اونچی ذات والی، بہت خوشبو ملنے والی	عَادِلَه	انصاف پرور، منصفہ
عَارِفَه	واقف، آشنا، خداشناس	عَاصِمَه	پناہ لینے والی، محافظ
عَاطِرَہ	خوشبودار، خوشبو کی عادی	عَاطِفَه	مہربان، مشفق
عَافِیَه	معاف کرنے والی، راہنما، طالب احسان	عَاقِلَه	عقلمند
عَاکِفَه	جھکنے والی، مشغول	عَالِیَه	بلند، غالب، عزت و مرتبہ میں اعلیٰ
عَامِدَہُ	سہارا دینے والی، قصد کرنے والی		
عَامِرَہ	پر رونق، معمور، آباد	عَائِدَہ	بھلائی، ہمدردی
عَائِذَہ	اللہ کی پناہ اور حفاظت میں آنے والی	عَائِشَه (ام المومنینؓ)	خوشحال

نام	معنی	نام	معنی
عَبَالُ	پہاڑی گلاب	عَبِیدَه	باندی
عَبْهَر	چنبیلی، نرگس	عَبْهَرَه	حسین وخوش اخلاق عورت
عَبِیُر	مرکب خوشبو	عَجِیبَه	نادر، انوکھی، قابل تعجب
عَجْلَی	جلد باز، پہل کرنے والی	عَدَن	جنت، بہشت
عُدَیْسَه	خادمہ	عَدِیلَه	منصفہ، انصاف پرور
عَدِیْمَه	نایاب	عَذْرَا	دوشیزہ، پاک دامن
عَرُوْب	شوہر کی پسندیدہ	عُرُوْج	بلندی
عَرُوْفَه	نہایت صابر، مستقل مزاج	عَرِیْجَه	بلند و بالا، راسخ، عظمت والی
عَرِیْفَه	سردار، رئیسہ	عَرِیْقَه	شریف النسل
عَزِیْمَتُ	عزم وحوصلہ	عِشْرَت	خوشی، عیش ونشاط
عِصْمَت	پاکدامنی، معصومیت	عَطُوْف	انتہائی مشفق و مہربان، اپنے خاوند سے محبت رکھنے والی بیوی
عَطِیْف	جلد اطاعت کرنے والی	عَطِیَّه	انعام، عطیہ، تحفہ
عَطُوْفَت	مہربانی، عنایت، کرم	عَظْمَت	شان وشوکت، وقار، بڑائی
عُظْمٰی	عظیم ترین، انتہائی باوقار	عَظِیْمَه	باوقار، عظیم عورت
عِفَّتُ	پاکدامنی، پارسائی	عَفْرَاء (صحابیہ)	خاکی رنگ کی، مٹیالہ پن والی
عَفِیْفَه	پاکدامن، نیک عورت	عُقْبٰی	آخرت، انجام، جزا
عَقِیْلَه	عقلمند، دانا عورت	عَقِیْق	سرخ ہیرا

نام	معنی	نام	معنی
		عَلِیْزَہ	مائل ہونے والی، شوقین
عَمَّارَہ	صوم و صلاۃ کی پابند، متحمل مزاج، باوقار	عَمْرَہ	سر پر رکھی جانے والی پگڑی، ٹوپی، ہار کے موتیوں کے درمیان کا فاصلہ
عَمِیْرَہ	معمور، آباد	عَمِیْمَہ	پورے قد کی عورت
عِیْشَہ	زندگی، زندگی کی نوعیت	عُیَیْنَہ (صحابیہ)	چھوٹا چشمہ
عِیْنَہ	عمدہ چیز	عَنْبَر	خوشبو
عَنْبَرِیْن	عنبر کی خوشبو دینے والی، خوشبو دار	عِنْدَلِیْب	بلبل

غ

نام	معنی	نام	معنی
غَادِیَہ	صبح کی بارش	غَازِیَہ	فتح مند، کامیاب
غَاضِفَہ	آسودہ حال، خوش حال	غَالِیَہ	مشک وغیرہ سے تیار خوشبو، گراں قیمت
غَانِیَہ	آسودہ حال، پیکر حسن و جمال، جو زیب وزینت سے بے نیاز ہو	غَادَہ	نرم و نازک لڑکی
غَزَالَہ	ہرنی، طلوع ہوتا ہوا سورج، نہایت حسین	غَمَّازَہ	حسین لڑکی، جس کا جسم ہاتھ لگانے سے گداز معلوم ہو
غَمْزَہ	ناز و ادا	غُمْرَہ	خوشبو، زعفران
غَنْوَیٰ	موسیقی	غِبْطَہ	رشک، خوشی، شادمانی

غُمَیضَاء(صحابیہ)	برج جوزاء کے برابر دو روشن ستاروں میں سے ایک		

ف

فَائِزَہ	کامیاب، کامران	فَائِقَہ	ممتاز، برتر
فَاتِکَہ	بہادر، دلیر	فَاخِرَہ	عمدہ، نفیس، قابل فخر، قابل عزت
فَارِعَہ	عزت و وجاہت میں بلندتر	فَارِھَہ	خوبصورت جوان لڑکی، ماہر و ہوشیار
فَخْرُ النِسَاء	ناز و ادا والی عورت	فَاطِمَہ نبی ﷺ کی صاجزادی کا نام	دودھ چھڑانے والی، عادت بد سے روکنے والی
فَاضِلَہ	فضل و کمال والی، بلند اخلاق، نعمت عظمٰی	فَاکِھَہ	خوش طبع، ہنس مکھ
فَاغِیَہ	کلی، خوشبو	فَراسَتُ	دانائی
فَرَحْ	خوشی، شادمانی		
فَرْحَت	خوشی	فَرْحَانَہ	خوشی، مسرور
فَرْخَندَہ	مبارک، سعیدہ، خوبصورت	فِرْدَوْس	جنت کا اعلٰی مقام
فَرْزَانَہ	سمجھدار، دانا، لائق	فَرَوْزَاں	روشن، منور
فَرِحَہ	نہایت، مسرور، خوش	فَرِیْعَہ (صحابیہ)	فائق، بلندتر
فَرْیَال	شیر کی گردن کے بال، خوبصورتی	فَرِیْدَہ	بے مثل، موتی

فَصِیْحَه	فصیح الکلام، خوش گفتار	فَضَالَه	فضیلت والی
فَضِیْلَتُ	خوبی، اخلاقی بلندی، فوقیت	فِضَّه صحابیه)	چاندی
فَکِیْهَه	ہنس مکھ، خوش مزاج	فَهْمِیْدَه	دانا، سمجھدار
فَهِیْمَه	انتہائی سمجھدار	فَوْزِیَه	کامیاب

ق

قَابِیَه	زعفران جمع کرنے والی	قَادِمَه	آنے والی
قَاسِمَه	تقسیم کرنے والی	قَاصِرَه	نگاہ پست رکھنے والی
قَانِتَه	فرماں بردارو اطاعت گزار، خشوع وخضوع سے عبادت کرنے والی	قَانِعَه	قناعت پسند، مطمئن
قَبِیْصَه	تیز رفتار، جوان لڑکی	قَدَّامَه	عالی مقام، سربرآوردہ
قَدَمَه	بہادر عورت، بڑی صاحب خیر عورت	قَدُوْمَه	بہادر، دلیر
قُدُّوْسِیَه	نیک، پاکیزہ	قُدْوَه	نمونہ، پیشوا
قُرَّةُ الْعَیْن	آنکھ کی ٹھنڈک، باعث تسکین	قِرْطَاس	کاغذ، دراز قد گوری لڑکی
قَتِیْبَه	چمکدار، جاذب نظر	قَسَامَتُ	حسن وجمال، خوبصورتی
قَمْرَاء	چاند سا مکھڑا، چاند کی طرح، روشن چہرا	قَطِیْفَه	چنا ہوا پھول

قُدُس	برکت، جنت	قُدُس	پاک

ک

کَاشِفَه	ظاہر کرنے والی، پردہ اٹھانے والی	کَاظِمَه	خاموش، غصہ ضبط کرنے والی
کُبریٰ	بزرگ عورت، عزت و احترام میں بڑی	کَامِلَه	باکمال، جامع صفات کی حامل
کَبُشَه (صحابیہ)	سردار	کَاجَل	سرمہ
کَامِنی	نہایت خوبصورت عورت، نازک اور دبلی عورت	کَائِنَات	دنیا جہان
کَرِشْمَه	ناز، نخرہ، انوکھی، حیرت انگیز	کِرَن	سورج یا چاند کی شعاع، سنہری گوٹے کی تار
کَرِیْمَه	سخی، مہربان، معزز	کَشْمَالَه	پھولوں کا ہار
کِشْوَر	ملک، سلطنت	کِشْوَر آرَا	ملک سجانے والی
کُلثُوم	بھرے ہوئے چہرے اور رخسار والی، جاذب نظر	کَنْوَل	تالابوں میں اگنے والا ایک پودا اور پھول، نیلوفر، قمقمہ
کَوْمَل	نرم، نازک، شیریں، فصیح	کَوْثَر	جنت کی نہر، خیر کثیر
کَہکَشَاں	ستاروں کا جھرمٹ	کَیف	سرور، مستی
کَیِّسَه	عقلمند، زیرک، ذہین و فطین		

گ

گُل	پھول	گُل اَفْرُوْز	روشن پھل
گُل آراء	پھول سجانے والی	گُل اَفْشَاں	پھول بکھیرنے والی، خوش گفتار
گُل اَحْمَر	گلاب کا پھول	گُل رُو	پھول سا چہرہ
گُل رَعْنَا	زرد پھول	گُلْشَن	باغ
گُلْشَن آرَاء	باغ سجانے والی	گُلْنَار	سرخ پھول، نہایت سرخ
گُلْنَاز	خوبصورت پھول	گَوْهَر	موتی، قیمتی پتھر
گُلْبَازَہ	پھولوں سے کھیلنے والی		

ل

لَاعِبَہ	کھیلنے والی	لَامِعَہ	روشن، چمکدار
لُبَابَہ (صحابیہ)	عقلمند، دانا	لُبْنٰی	ایک درخت جس سے میٹھا دودھ نکلتا ہے۔
لَبِیْبَہ	دانشمند	لَبِیْقَہ	ہنس مکھ، خوش طبع، ماہر
لَعُوْب	ناز وانداز، والی عورت	لَطَافَتْ	نزاکت، خوش مزاجی
لَطُوْف	ناز وانداز والی، بہترین ادائیں دکھانے والی	لَیْلٰی	رات کی رانی، سانولی

مَاجِدَہ	محترم، بزرگ عورت	مَادِحَہ	تعریف کرنے والی

نام	معنی	نام	معنی
مَارِیَّه	گوری اور چمک دمک والی عورت، نرم پروں والا تیتر	مَازِیَه	طاقتور، فضیلت، برتری
مَازِحَه	خوش طبع، دل لگی کرنیوالی	مَالاَ	ہار
مَالِحَه	حسین، خوبصورت	مَایَا	سرمایہ، نادر چیز، بہار، رونق
مَامُوْنَه	محفوظ، پرامن	مَاه بَانو	چاند جیسی عورت
مَاه پَارَه	خوبصورت حسین، چاند کا ٹکڑا	مَاه تَاب	چاندنی، چاند
مَا جَبِیْن	چاند جیسی پیشانی والی، حسین	مَاه رُخ	چاند جیسے چہرے والی
مَاه سِیْمَا	چاند جیسے چہرے والی	مَاه کَامِل	چودھویں کا چاند، پورا چاند
مَاه مُبِیْن	روشن چاند	مَاهَا	چاند جیسی
مَاهِیْن	چاند جیسی، حسین	مَائِرَه	قابل تعریف
مَائِلَه	مائل ہونے والی، حمایتی	مَائِزَه	ممتاز کرنے والی، تکالیف دور کرنے والی
مُبَشِّرَه	خوش خبری دینے والی	مَبْشُوْرَه	ہر لحاظ سے حسین عورت، پیکر حسن و جمال
مَجِیْدَه	بزرگ، محترم	مُحْسِنَه	احسان کرنے والی
مَدِیْدَه	دراز قامت عورت	مَحْمُوْدَه	قابل تعریف، جس کی بہت تعریف کی جاتی ہو
مَدْشَاء	دبلی، پتلی عورت	مَدِیْحَه	قابل تعریف

مَذِیَہ	صاف آئینہ	مَرجَانَہ	مونگا، چھوٹا موتی
مَرضِیَّہ	منتخب، پسندیدہ	مَروَا	مکہ کی معروف پہاڑی کا نام
مِریَحَہ	خوشی سے جھومنے والی	مَرِیعَہ	خوش حال
مَریَم	دوشیزہ، پاک دامن، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام	مَرِینَا	نرم، عمدہ
مُسَبِّحَہ	تسبیح کرنے والی، اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنے والی	مُستَنِیرَہ	روشن، روشن دماغ، روشن ضمیر
مُسلِمَہ	فرماں بردار، مطیع	مَسَرَّت	خوشی، شادمانی
مِسک	کستوری	مَمسُودَہ	خوش قامت عورت
مُسَیَّبَہ	آزاد، خودمختار	مُسَیکَہ	فائدہ اور سہارا دینے والی
مَشعَل	قندیل، لالٹین	مِصبَاح	چراغ، دیا
مُطَھَّرَہ	پاک باز	مُظَفَّرَہ	کامیاب
مُعَظَّمَہ	قابل تعظیم	مُعَاذَہ	پناہ دی ہوئی
مُفِیضَہ	خیر و برکت عام کرنے والی، دوسری پر فوقیت لے جانے والی	مُقَدَّسَہ	پاکیزہ، بے عیب
مُقصُودَہ	مطلوبہ، جس کا ارادہ کیا جائے	مَلَاحَت	خوب روئی، خوش نمائی، چہرے کا حسن
مَلِیحَہ	حسین، جاذب صورت	مُلَیکَہ (صحابیہ)	باصلاحیت، ماہر، سلیقہ شعار

مَلِیکَه	حاکمہ، مالکہ	مَنْهَل	پانی کا گھاٹ
مَنَاهِل	چشمے	مُمْتَاز	بلند، شریف
مُنَزَّه	بے عیب، پاکیزہ نفس، بلند کردار	مَنْصُوْرَه	کامیاب، مدد کی ہوئی
مَنْظُوْرَه	پسندیدہ، جس سے مہربانی کی توقع ہو	مُنِیْبَه	رجوع کرنے والی
مُنِیْرَه	روشن، خوش رنگ، چمکدار	مَنِیْعَه	محفوظ، مضبوط، طاقتور
مُنَوَّرَه	روشن، چمکدار	مَنِیْحَه	عطیہ، انعام
مَهْدِیَّه	ہدایت یافتہ	مَهْرِیْن	چاند جیسی، محبت کرنے والی
مَهْوَش	چاند جیسی خوبصورت، حسین	مَهِیْن	نازک، کومل
مِهْرَجَبِیْن	خوبصورت، سورج جیسی روشن پیشانی	مُوْنِسَه	محبت کرنے والی، غمگسار
مُؤْمِنَه	مومن عورت	مَیْمُوْنَه (ام المومنین)	بابرکت، خوش قسمت، قابل تعریف
مُطَیَّبَه	خوشبودار، پاکیزہ		

ن

نَابِتَه	نوخیز	نَابِغَه	علم وفن میں فائقہ، باکمال، شاندار
نَابِهَه	نیک نام، معزز، سمجھدار	نَاجِلَه	شریف النسل، نیک فطرت
نَاجِیَه	نجات یافتہ، محفوظ	نَاجُوْد	زعفران

نَادِرَہ	قیمتی، نایاب، انوکھی	نَادِیَہ	فیاض، خوش الحان، بزم
نَاز	فخر، پیار	نَازَش	ناز، نخرہ، فخر
نَازَلی	نزاکت، لطافت	نَازِنِین	نازک اندام، دل آویز، خوبصورت
نَازِیَہ	ناز کرنے والی، فخر کرنے والی	نَازَ پَرُوَر	نازوں پلی
نَاسِکَہ	عبادت گزار، زاہدہ		
نَاشِئَہ	نوجوان لڑکی، تخلیق کار	نَاصِحَہ	ہمدرد، خیر خواہ، ہر خالص چیز
نَاصِرَہ	مددگار، ہم نواز، حامی	نَاضِجَہ	پختہ رائے والی، مستحکم
نَاضِرَہ	شگفتہ، تروتازہ، پررونق	نَاظِرَہ	منتظمہ، ناظمہ، نگران
نَاظِمَہ	منتظمہ، شاعرہ، موتی پرونے کی لڑی	نَاعِصَہ	معاون و مددگار
نَاعِمَہ	نرم و نازک، خوش گوار، آسودہ حال، باغیچہ	نَافِعَہ	نفع دینے والی
نَامِیَہ	شریف النسب، پھلنے پھولنے والی	نَاھِیْدَ	زہرہ ستارہ، حسن و محبت کی دیوی
نَائِرَہ	روشن، خوش رنگ، چمک دار	نَائِلَہ	فیاض، سخی، بہت داد و دہش والی
نَایَاب	قیمتی، نادر، انوکھی	نَبَاھَتُ	عزت و شرافت، ذہانت، نیک نامی
نَبِیْلَہ	عقل مند، حسین، شریف، معزز		
نَجْمَہ	ستارہ	نَجُوْد	شریف، دانشمند عورت
نَجِیْبُ النِّسَاء	بھلی مانس، شریف عورت	نَجِیْبَہ	معزز، شریف، ذہین

نَجِیْدَہ	بہادر، دلیر، باہمت	نَخِیْلَہ	منتخب، چیز، خالص ہمدردی کرنے والی
نُدْرَت	خوبی، انوکھا پن، جدت	نَدٰی	شبنم، سخاوت
نَرْگِس	ایک پھول جسے شعراء آنکھ سے تشبیہ دیتے ہیں	نَزَاھَتُ	پاکدامنی، پارسائی، پاکی
نَزْھَتُ	پاکیزگی، خوشی، تفریح	نَسْرِیْن	سیوتی کا پودا اور پھول، ایک قسم کا سفید گلاب
نُسَیْکَہ	عابدہ، زاہدہ	نَسِیْم	پچھلی رات کی نرم و معطر ہوا، خوشگوار ہوا
		نَسِیْکَہ	سونے یا چاندی کا پگھلا ہوا ٹکڑا
نَصِیْرَہ	مددگار، معاون	نِعْمَت	انعام، آسودگی
نَعْمَاء	آسودگی، راحت و آرام	نَعِیْمَہ	آسودہ حال، نعمتوں سے آراستہ
نَرْگِسْ شَھْلَا	نرگس کے پھول کی ایک قسم	نُضَار	خالص سونا، ہر خالص چیز
نَرْمِیْن	نرم و نازک، صاف شفاف		
نَضِیْرَہ	حسین و پرشباب لڑکی، سونا، شاداب	نَفِیْسَہ	بیش قیمت، نفیس و عمدہ
نِکْھَت	خوشبو، پھول کی مہک	نِگْھَت	خوشبو، پھول کی مہک
نَگِیْنَہ	ایک قیمتی پتھر	نَوْشَابَہ	آب حیات، شہرت
نَوْشِیْن	شیریں، خوش ذائقہ	نَیِّر	نہایت چمکدار ستارہ، حسین و جمیل
نَیِّر تَابَاں	سورج	نِیْلَم	نیلے رنگ کا قیمتی پتھر

نِیلَم پَرِی	ایک فرضی پری، حسین وجمیل	نِیلُوفَر	کنول، ایک آبی پھول
نُورُ العَینِ	آنکھ کی روشنی، نور چشم	نُور اَفشَاں	نور چھڑکنے والی
نُور	روشنی، چمک	نُورِین	قابل عزت
نَورَس	تروتازہ، نوخیز		

و

وَابِصَه	چمکدار، روشن، سفید	وَابِلَه	سخی، فیاض
وَاثِبَه	عزت وعظمت حاصل کرنے والی	وَاثِقَه	پراعتماد، پختہ
وَاجِدَه	مالدار، محبت کرنے والی	وَاجِهَه	ممتاز، نمایاں
وَاسِلَه	اللہ تعالیٰ کا قرب چاہنے والی	وَاسِمَه	انتہائی حسین، نہایت خوبصورت
وَاصِبَه	قائم ودائم	وَاصِفَه	وصف بیان کرنے والی، خوبی بیان کرنے والی
وَاضِحَه	عالی نسب، بے داغ، سفید، چمکدار	وَاظِبَه	قائم ودائم، پابندی سے کام کرنے والی
وَاعِظَه	ہمدرد، خیرخواہ، ناصح	وَافِیَه	کامل، وعدہ پورا کرنے والی، وفادار
وَاقِدَه	چمکدار، روشن	وَاقِیَه	بچانے والی، حفاظت کرنے والی، ذریعہ حفاظت
وَبِیصَه	چمکدار، روشن، سفید	وَثِیرَه	نرم وگداز، گداز بدن عورت

نام	معنی	نام	معنی
وَثِیْقَه	خود اعتماد، مضبوط و مستحکم، پختہ کار	وَجَاهَتُ	خوبصورتی، چہرے کی رونق، عزت، دبدبہ
		وَجِیْهَه	باصلاحیت، عالی مرتبت، خوبصورت
وَدِیْعَه	خاموش طبع، پرسکون، بردبار، امانت	وَدِیْفَه	سرسبز باغ
وَذِلَه	خوشنما قد و قامت کی پھرتیلی عورت	وَذِیْلَه	خوش قامت پھرتیلی عورت، آئینہ
وَرْدَه	گلاب کا پھول	وَرْشَانُ	قمری (ایک پرندہ) جو کبوتر سے قدرے بڑا ہوتا ہے۔
وَرْقَاء	کبوتری، فاختہ	وَرَقَه	فراخ دل
وَسِیْمَه	خوبصورت، حسین و جمیل	وَسَامَه	حسن و جمال، خوبصورتی
وَسِیْمُ النِّسَاء	خوبصورت عورت	وَصِیْلَه	سہیلی، ہمدم
وَفِیَّه	مکمل، وفادار، حق کے لین دین میں امانتدار	وَلِیْجَه	ہم راز، قابل اعتماد
وَلِیْدَه	کم عمر لڑکی، خدمتگار		

ھ

نام	معنی	نام	معنی
هَاجِرَه	فائق، برتر، نفیس، ہجرت کرنے والی	هَادِیَه	راہبر، راہنما، ہدایت پانے والی
هَاشِمَه	سخی، فیاض	هَالَه	چاند کے گرد منور دائرہ

هَانِیَه	مدد کرنے والی، خادمہ، خوش وخرم	هَانِیَه بَانو	خوش وخرم عورت
هَائِدَه	توبہ کرنے والی	هُدیٰ	ہدایت راہنمائی
هَدِیَّه	دلہن، تحفہ	هِنُد (صحابیہ)	جماعت
هُنَیْدَه	چھوٹی جماعت	هُجَیْمَه (صحابیہ)	بہادر، دلیر

ی

یَاسِرَه	مالدار، فرماں بردار، آسانی کرنے والی	یَاسُمِیْن	چنبیلی کا پھول
یَاسُمِیْن اَفُشَاں	چنبیلی کے پھول چھڑ کنے والی	یَاقُوت	مشہور قیمتی پتھر جو سرخ، نیلا اور سفید ہوتا ہے
یَافِعَه	نوجوان لڑکی، عالی مرتبت، بلند	یَامِنَه	بابرکت، خوش قسمت
یُسُریٰ	آسانی، خوشحال، فرماں برداری	یَسِیْرَه	آسودہ حال، آسان
یُسَیْرَه (صحابیہ)	خوشحال، مطمئن	یَمِیْنَه	بابرکت، باعث خیر
		یُمُن	برکت، خیر

ترجمان الحدیث پبلیکیشنز

E-Mail: nomania2000@hotmail.com